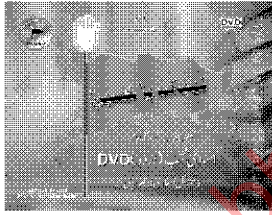


یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔



منجانب۔

سیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان



۷۸۶
۹۲۱۱۰
یا صاحب الزماں اور کئی

DVD
Version

لبیک یا حسینؑ

نذر عباس
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABIL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.

www.sabelesakina.page.tl

sabelesakina@gmail.com

شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار
لافتیٰ اِلَّا علی لا سیفَ اِلَّا ذوالفقار

علیؑ اَن تَجْمَعِ النَّاسُ

شیرِ خدا علیؑ منوالہمی جنگوں پر مشتمل جامع کتاب

لافتیٰ اِلَّا علی لا سیفَ اِلَّا ذوالفقار

لیفت

پروفیسر مظہر عباس چوہدری

تاکید تثنی:

مُجَنَّدُ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِیْنَ رِیَاضِ حَسَنِ جَعْفَرِی
فاضلِ قسم

اِحْلَآءُ مَنَہْجِ الْجَمْعِ الصَّالِحِیْنَ لَاحِق

شاہ مرداں شیر یزدان قوت پروردگار
لافتی اِلَّا عَلٰی لَا سِیْمَ اِلَّا ذُو الْفَقَار

علیٰ راجہ شمس الدین

شیر خدا علی مولائی جنگو پرمشتمل جامع کتاب
محمد علی بک ایچ سی (اسلامی ثقافتی مرکز)

مقام بارگاہ امام الصالحین G-9/2 اسلام آباد 0321-5291921
مقام بارگاہ یادگار حسین علیہ السلام ٹاؤن راولپنڈی 0321-5291922
ہائی ماس بارگاہ سرساک چکوال 0343-551611, 0543-422020

پروفیسر مظہر عباس چوہدری

تاکید و تشویق:

نجم الاسلامیہ ریاض حسین جعفری

فاضلہ قسم

ناشر ادارہ منہاج الصالحین لاہور

پتہ: ٹاؤن ۵، ٹھکانہ نیاز بیگ لاہور

عالمی - دعا - شہید - تقدیر - عباس - راجہ - شمس

انصاف

عزیزان علی شہرہ علی شہرہ

اے اُن کی والدہ ماجدہ سلمہ آیا

کے

نام

دعائے صحت و سلامتی کے ساتھ

بارگاہ ایزدی میں دعا گو ہوں کہ اس کتاب شجاعت و شہامت کا ثواب

الامام المظفر، اسد اللہ الحیدر، قاتل عمرو و مرحب و عمر،

فاتح بدر و أحد و خندق و خیبر

حضرت علی علیہ التحیۃ والسلام کی بارگاہ اظفر کے توسط اور

معصومین کے وسیلہ جلیلہ سے

تمام مومنین مرحومین خصوصاً

برادر مرحوم چودھری مظفر علی مغفور کی روح کو پہنچے

إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ ، التماس سورۃ فاتحہ

ابو اعلیٰ، الحسن مظہر عباس بھٹو

ہو علم کہ تقویٰ کہ شجاعت کہ عدالت

اک وصف میں حیدر کے برابر نہیں کوئی

جملہ حقوق محفوظ

کتاب :	علی الشیخ الناس
مؤلف :	پروفیسر مظہر عباس چودھری
پیش کش :	علامہ ریاض حسین جعفری (ایم اے) فاضل قم
پروف ریڈنگ :	غلام حبیب - غلام حیدر چودھری
اشاعت :	ستمبر 2007ء
تعداد :	1000
کمپوزنگ :	ادارہ منہاج الصالحین
بدیہ :	185 روپے

محمد علی بک ایجنسی (اسلامی ثقافتی مرکز)

نام بارگاہ امام المظفر 2/2021 اسلام آباد 0321-529

نام بارگاہ امام حسین علیہ السلام 0321-529

نام بارگاہ امام رضا علیہ السلام 1543-551511

ادارہ منہاج الصالحین لاہور

الحمد مارکیٹ، فرسٹ فلور، دکان نمبر 20، اردو بازار - لاہور

فون: 0301-4575120 • 042-7225252

ترتیب

112	● جنگ مغلوبہ اور کردار علی	76	● مصدق فتح خیر	10	● عرض ناشر
114	● غزوہ اُحد	77	● علم حیدر کو راز کوکتا ہے	14	● گفتار مؤلف
116	● علی راہیت بردار اُحد	79	● گفتار علی کا کیا کہنا!	18	● حروفِ شہادت
117	● جنگ حیدر کی تلوار	80	● حضرت علی کا مرحب سے محاربہ	22	● شہادۃ القمار
118	● جس نے علم بردار ابنِ قریش کو تیغ کیا	81	● خیرِ مہین علی	23	● تمہید
120	● علی حفظِ نبی	82	● علم اور حضرت علی	31	● باب اول
121	● یا علی! انہیں روکو	83	● علم کا مہارِ حنین و طائف و طے	34	● اسلام کا فلسفہ جہاد اور جہاد علی
122	● لائقِ الٰہی	84	● غزوہ تبوک اور علی بمثل ہارون موسیٰ	35	● جہاد کا مفہوم
125	● غزوہ بنی النضیر اور شجاعت علی	86	● حضرت علی کی غزوات و سرایا	37	● اقسامِ جہاد
127	● علم بردار اسلام	86	● علی بن ابی طالب و سفاری	37	● قتال و جنگ
129	● غزوہ احزاب (جنگ خندق)	87	● علم اسلامی لشکروں کے سپہ سالار	39	● جنگ برائے دفاع
132	● انجی العرب بمقابلہ معاویہ	87	● امام برحق کا معیار شجاعت	39	● اسلامی جنگوں اور غیر اسلامی جنگوں
134	● بوقتِ جنگ علی لباسِ نبی میں	89	● علم حق ہے	40	● اسلامی آدابِ جنگ
137	● علی کی ضربتِ عبادتِ مقلدین سے افضل	90	● مقامِ اور زورِ حیدری و کزازی	40	● اسلامی جنگوں کی اجازت و وجوہات
139	● علی سپہ سالارِ غزوہ بنی قریظہ	92	● باب سوم	42	● جہاد و گروہ دشمنانِ ایران کی نظر میں
141	● خدا کی قسم! قلعہ فتح کر کے رہوں گا	98	● علی انجی العرب	42	● اسلام میں جہاد اور دفاع
142	● علی قاتلِ خبیث	102	● محمد نبی کے غزوات	42	● اسلام کی امن پسند پالیسی ناگزیر
143	● غزوہ خیر	106	● غزوہ بدر	44	● جہاد فی سبیل اللہ اور اس کے مقاصد
144	● اس سے پہلے جو آئے میدان میں	106	● حضرت علی بدر کی پیش بندی میں	45	● اسلامی جہاد کے مقاصد کا خلاصہ
147	● علی فتحِ خیر	109	● حضرت علی کا قریش کے ستوں کو گرفتار	51	● معیارِ جہاد
149	● رزم ہائے علی کے ذکرِ حرید کی کاوش	109	● علی راہیت بردار بدر	52	● علی کی تلوار کی تعریف قرآن میں
		109	● علی فتحِ خیر	53	● علی کے گھوڑے کی تعریف قرآن میں

230	● مالک اشتر علم بدست	211	● حضرت علی کے جنگ صفین میں علم دار	180	● علی کے مختلف شہروں کے لئے	باب چہارم
232	● معاویہ کا حضرت علی کی طرف ایک خط	212	● معاویہ کے صفین میں علم دار	153	● غنیم علی ہے غنیم محمد	
223	● حضرت علی کا معاویہ کو جواب	213	● باپ بیٹے کے مقابلے میں	158	● حدیث قدسی	
234	● لیلۃ الہریہ کا شعر	213	● جعدہ اور عقبہ برادر معاویہ	161	● جبکہ جمل	
235	● قرآن کو نیزوں پر بلند کرنے کی سازش	215	● عمرو عاص کے پرچم کی داستان	161	● بیعت علی	
237	● معاویہ کی سازش سے آگاہ کرنا	215	● محمد بن حنفیہ بمقابلہ عبید اللہ بن عمر	161	● عراق کے سفر کا ارادہ	
240	● ابو موسیٰ اشعری کے حکم بننے	217	● عبداللہ بن بدیل معاویہ کے سر پر	162	● نمائندگان کی روانگی	
243	● حکمیت کا بیان نامہ	218	● معاویہ اور خوف ذوالفقار	162	● طلحہ و زبیر کی حضرت عائشہ سے ملاقات	
245	● حکمیت کے عہد نامہ پر گواہوں کے نام	218	● حضرت علی کی معاویہ کو پیش کش	163	● حضرت علی اور معاویہ کی خط و کتابت	
246	● حکمین کے تعین کے بعد اختلاف	219	● عمرو عاص نے موت سے گھبرا کر	163	● معاویہ کے قاصد کی چال بازی	
250	● حکمین کی آپس میں گفتگو	220	● عبید اللہ بن عمرو اور مالک اشتر میں مقابلہ	163	● زفر عسی کا قاصد معاویہ کو جواب	
252	● حکمین کی رائے کا اعلان	220	● عبید اللہ بن عمر کی ہلاکت	163	● حضرت علی کی عراق کی طرف روانگی	
253	● حکمین کا ایک دوسرے کو گالی دینا	221	● ذوالکلاع کی ہلاکت	166	● حضرت علی کے خلاف سازشیں	
254	● شرح کا عمرو عاص پر حملہ	222	● جبکہ صفین کا عجیب پہلو	166	● حضرت علی عازم کوفہ	
254	● شامیوں کا معاویہ کی بیعت کرنا	226	● علی و حسین اور محمد حنفیہ تیروں کی زد میں	168	● جبکہ جمل میں علم برداران علی	
255	● جبکہ نہروان	226	● مالک اشتر نے پہا لوگوں کو حوصلہ دیا	169	● مخالفین کی علم برداری	
255	● خارجیت	227	● حضرت زحری شہادت	170	● حضرت علی کی زبیر کو نصیحت	
256	● وغیرہ اسلام کا ایک اور ارشاد گرامی	227	● ہاشم قرال اور امین ہاشم علم برداران علی	171	● طلحہ کی موت مروان کے ہاتھوں	
256	● منافقت اور منافقین	228	● علی شکر شام میں چھپ گئے	174	● مالک اشتر کا عبداللہ بن زبیر پر حملہ	
257	● خارجی	229	● معاویہ کا حضرت علی کی طرف خط	175	● حضرت علی کا جنگی ہدایات دینا	
260	● خارجیوں کا اہل بصرہ کے نام خط	229	● حضرت علی کا معاویہ کو جواب	176	● علی کا اپنی فاتح فوج سے خطاب	
263	● جبکہ خوارج یا جبکہ نہروان			176	● علی کا بصرہ کی جامع مسجد میں خطبہ	

- 321 ● متعصب موزوں کی علی دشمنی
- 321 ● علامہ علی نقی کا عطائے عظیم پر تبصرہ
- 322 ● مع خیر کا مسخر
- 322 ● علی کو اسلحہ جنگ سے آراستہ کرتے
- 323 ● اسلامی جنگوں کا معیار
- 323 ● حضرت علی کی پیش قدمی کا انداز
- 324 ● جناب امیرؑ نے اپنا نیزہ زمین میں
- 324 ● حادثہ و عمر کے بعد مرحب سے مقابلہ
- 324 ● ضرب حیدری کی گونج
- 326 ● علی فتح فذک کے عظیم بردار
- (۳)
- 328 ● تخریب کاریاں، سازشیں اور قتلے
- 331 ● جنگِ جمل
- 337 ● لیلۃ الہمیر
- 338 ● جنگ صفین کے دو ہیرو
- 340 ● حضرت ابولیس قرنی
- 340 ● فرات کی گواہی ”علی مومنوں کے امیر“
- 342 ● نہروان
- 343 ● خوارج کی حرید گمراہی
- 343 ● شہادت سے متعلق
- 304 ● عمرو کے قتل پر رسول خدا کا علی کی مدح
- 305 ● نعلینوں ہمیشہ کے لیے ذوالفقار علی پر
- 306 ● جناب امیرؑ کا جنات سے جنگ کرنا
- 307 ● غزوہ حدیبیہ اور حضرت علی
- 308 ● رسول اللہ اور حضرت عباس کا علی کو پکارنا
- 309 ● جنگ حنین میں فرشتوں کا کفار کو قتل کرنا
- (۳)
- 310 ● بے بنیاد روایات کا مختصر درجہ جائزہ
- 312 ● چیدہ چیدہ معلوماتی و وضاحتی نکات
- 315 ● غزوہ بدر الموعود اور حضرت علی کی
- 316 ● صورت حال کی عکاسی اور کارنامہ علی
- 316 ● رسول خدا کو سوتے سے چکا دینا
- 317 ● معرکہ خندق اکیلے علی کا کارنامہ ہے
- 317 ● احببسن انہ عمرو
- 318 ● علی کو اسلحہ پہنا کر رسول خدا کا دعا کرنا
- 318 ● کافر علی کی شکل میں موت دیکھتا ہے
- 319 ● ضرار کا حضرت ثانی پراحسان
- 319 ● اہل عقیان کا نعرہ ہزار
- 319 ● غزوہ خیبر
- 320 ● ایک تاجی مہم یعنی پولیس ایکشن
- 320 ● غزوہ خیبر میں نبی و علی دونوں علی تھے



- 263 ● خارجوں کے لیے حضرت علی کا خط
- 265 ● حضرت علی کی نہروان کی طرف روانگی
- 267 ● اعلان جنگ اور حضرت کو کافر قرار دینا
- 269 ● حضرت علی کا اعلان جنگ
- 269 ● جائے امان کا تعین
- 270 ● نہروان سے کوچ اور خطاب
- 271 ● حضرت علی کا شیعوں کے نام خط
- 273 ● رجبہ میں پڑاؤ کا اعلان
- 274 ● حضرت علی کی شہادت
- باب پنجم
- 282 ● شانِ ضرب علی
- 287 ● پیغمبر اکرمؐ کا حضرت علی سے
- 287 ● علی بستر نبی پر
- 287 ● علی را کب دوش رسولؐ
- 288 ● ہجرت سے پہلے علی کی بہت حقنی
- 288 ● علی قاتل لات و عزنی
- 289 ● علی جنگ بدر میں
- 290 ● علی جنگ احد میں
- 290 ● علی محفظ رسولؐ
- 290 ● علی دربان رسولؐ
- 291 ● علی سفیر الملائکہ
- 291 ● علی کی ایک ضربت پوری امت کے
- 291 ● علی فتح فذک و خیبر
- 292 ● علی سردار عرب
- 292 ● علی ذر بخش عالم
- 293 ● علی صلح حدیبیہ میں
- 293 ● علی فتح مکہ میں
- 294 ● علی فک رسا
- 295 ● علی سفیر امن
- 295 ● علی قاضی و صلح اسلام
- 296 ● علی آب رسا لشکر
- 296 ● علی اور مجرہ آب
- 297 ● فرشتوں کا علی کا ہم شکل ہو کر کفار سے
- 298 ● روز بدر ہر مشرک مرتے دم کہتا تھا:
- 298 ● فرشتوں کا حضرت علی کو سلام کرنا
- 299 ● جنگ بدر میں مدد کرنے والے
- 300 ● اسے بہادریوں کو مارنے والے (علی)
- 301 ● جنگ احد کی فتح کے سہرا امیر المومنین کے
- 301 ● علی کی شجاعت عربین خطاب کی زبانی
- 302 ● روز احد شجاعت امیرؑ
- 303 ● جنگ احد سے واپسی اور جناب امیرؑ
- 304 ● غزوہ حمر الاسد کے لئے جناب امیرؑ

عرض ناشر

عن انس بن مالك قال:

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: المومن اذا مات وترك ورقة واحدة عليها علم، تكون تلك الورقة يوم القيامة سترا فيما بينه وبين النار، واعطاه الله تبارك و تعالیٰ بكل حرف مكتوب عليها مدينة اوسع من الدنيا سبع مرات (بحار الانوار ج ٦ ص ١٩٨)

حضرت انس بن مالك روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”اگر کوئی مومن اس حال میں مرے کہ اس نے علم (دین) کا لکھا ہوا ایک ورق اپنے پیچھے چھوڑا ہو تو قیامت کے دن جہنم اور اس شخص کے درمیان وہ ورق حائل ہو جائے گا اور اُس پر لکھے گئے ہر حرف کے بدلے میں خداوند متعال اسے جنت میں ایک شہر عطا فرمائے گا جو اس دنیا کے شہروں سے سات گنا بڑا ہوگا۔“

لاحق حمد و ثنا ہے وہ ذات کہ جس نے ہماری قلیل کاوشوں کے صلے میں کثیر اجر عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ بھی اُس کا احسانِ عظیم ہے کہ اُس نے ہم خطا کاروں کو علم و دین سے وابستہ فرمایا اور تعلیم کے بعد تحریر و تصنیف کی توفیق عطا فرمائی۔ پھر اس پر مستزاد طباعت و اشاعت کی ذمہ داریوں کا سزاوار ٹھہرایا۔ یقیناً یہ سب کچھ محمد و آل محمد کی تصدیق و توثیق سے ممکن ہوا ہے کہ غیابِ امام کے اس دور انتظار میں اپنے اپنے حصے کے

نئے جلا رہے ہیں۔

نیوٹن کے حال احوال بھی خداوندِ قدوس سے پوشیدہ نہیں ہے کہ کون کیا کچھ کیوں اور کیسے کر رہا ہے۔ ہم تو بس یہ جانتے ہیں کہ مظہرِ علم و صداقت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ علم حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ زمین پر آیا اور پھر رخصت نہیں ہوا۔ یہ وراثت میں منتقل ہوا اور آثارِ نبوت و رسالت سے منسوب ہر وہ شے جو اہل بیتؑ سے مروی نہیں ہے وہ باطل ہے اور حضرت علی علیہ السلام اس اُمت کے عالم (امام) ہیں اور ہم میں سے کوئی بھی عالم (امام) جب دنیا سے اٹھتا ہے تو اپنے بعد اپنے علم کا وارث چھوڑتا ہے (کمال الدین)۔

اس فرمانِ امام کی روشنی میں یہ امر ظاہر و باہر ہے کہ آج علم کے حقیقی وارث قائم آلِ محمدؑ ہیں اور علوم آلِ محمدؑ سے وابستہ دوسرے کبھی لوگ انہی کے ترجمان اور کارندے ہیں۔ ہم نے اس اُمت کے حقیقی عالم حضرت علی علیہ السلام کی حیات و صفات کے مطالعہ پر لکھنے کا عزم کر رکھا ہے تاکہ لوگ حقیقی علم سے واقف ہو سکیں اور علومِ باطلہ کی یلغار سے محفوظ رہیں۔ چونکہ علم و شجاعت خلیفۃ اللہ کے دو بنیادی اوصاف ہیں چنانچہ علومِ علویہ کی ہر دو جھلکیوں پر مبنی کچھ کتابیں شائع کرنے کے بعد شجاعتِ علیؑ کے بیان کی حامل یہ کتاب ”علیؑ میدانِ جنگ میں“ پیش خدمت ہے، جس کے مؤلف و محقق پروفیسر مظہر عباس چیمہری ہیں جن کی کئی کتب ادارہ منہاج الصالحین پہلے بھی شائع کر چکا ہے۔ مؤلف موصوف نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے تو حسب سابق مقدور بھر کوشش کی ہے کہ یہ تالیف حقیقی تاریخی، عقیدتی، ادبی اور لسانی شاہکار کے طور پر سامنے آئے۔ انہوں نے اپنی خدا داد صلاحیتوں سے استفادہ کرتے ہوئے کثیر مطالعہ، عمیق نظر، لطیف پیرایہ اظہار اور وسیع انجمنی کو بردے کار لا کر یہ شاہکار شجاعت تراشا ہے۔ اُن کے تحریر کردہ مسودہ کتاب کے آغاز میں درج یہ دو قطعائیں میرے دل میں اُترتے چلے گئے اور کتاب کی منظوری اور کامیابی کی ضمانت محسوس ہوئے ملاحظہ ہوں:

علیٰ کے ذکر سے ملتی ہے اک توانائی
فتیٰ کوئی بھی نہیں ہے فقط فتنیٰ ہے علیٰ
(حسن رضا غدیری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَادِ عَلِيًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ
تَجَدُّهُ عَوْنًا لَّكَ فِي النَّوَائِبِ
كُلُّ هَمٍّ وَ غَمٍّ سَيَنْجَلِي
بِعَظَمَتِكَ يَا اللَّهُ
بِنُبُوتِكَ يَا مُحَمَّدُ
وَبِوَلَايَتِكَ يَا عَلِيُّ
يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ مَدَدُ

جب تاو علیٰ پڑھ کے نکلتا ہوں میں گھر سے
آفت کوئی آتی ہے تو ٹل جاتی ہے سر سے
(جمال کھنوی)



بادضو ہو کے سر صفحہ قرطاس وعا
آؤ حیدر کی شجاعت کو رقم کرتے ہیں
کھوجتے ہیں سر میدان علیٰ کے جوہر
سینہ سنگ میں ہم نصب قلم کرتے ہیں



بعد صدیوں کے شجاعت تری تسلیم کریں
دور حاضر کے سبھی لوگ تجھے جانتے ہیں
عظمت کعبہ بلند ہے تو نجف بھی ہے بلند
اہل عالم تجھے اب تک بھی علیٰ مانتے ہیں
(مظہر عباس چودھری)

مؤلف نے کتاب ہذا کی تجویب یعنی باب بندی میں جو دقت نظر اور وسعت تحریر دکھائی ہے وہ بھی قابلِ تعریف و تحسین ہے۔ تقریظ و تمہید اور فیض کی میٹھوں میں لکھے گئے منظوم کلام کے علاوہ چھ مختلف اور منفرد ابواب پر مشتمل یہ کتاب واقعی لا جواب ہے۔ تقریب بین المذاہب کو فردغ دینے اور اہل اسلام کے اتحاد و یگانگت کے پیش نگاہ اسلام کے دونوں بڑے مکاتب تسنن اور تشیع کا شجاعت علیٰ کے باب میں بے مثال اعتراف اور خوش نما امتزاج ”علیٰ میدانِ جنگ میں“ کی صورت میں تحریر کرنا آسان کام نہیں تھا، لیکن میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ ”شجاعت بلند علویہ“ مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا محل بنے گا۔ ادارہ منہاج الصالحین مولائے کائنات کی حیات و صفات پر عمدہ تحریر شائع کرنے کے لیے مضطرب ہے۔ دعا کیجیے کہ امام زمانہ کے زیر سرپرستی میں ہم اپنے اس مشن میں کامیاب ہوں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

ریاض حسین جعفری فاضلِ قم

صدر نشین ادارہ منہاج الصالحین لاہور

الْمُتَكَلِّفِينَ کا حق دار ہے اور علیؑ تو اسد اللہ وید اللہ ایسے القابات کا مصداق حقیقی واصلی ہے۔
تاریخ اسلام علیؑ ولی کی بہادری کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ اسلام کا کوئی
ایسا مسلک نہیں جو علیؑ کی جوانمردی کا معترف نہ ہو۔ مسلمان تو مسلمان کچھ کفار اور یہود و
ہندو تیز نصرائی بھی اس شیر کردگار کے حملہ و یلغار کے گن گاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔
البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جہاں علیؑ کی شجاعت اسلام کے کز و فر اور شان و شوکت کا
اعث بنی وہاں دشمنان اسلام، مشرکین، منافقین، یہود و نصاریٰ بھی اپنی مصیبت اور نسبت
کے سبب علیؑ دشمنی پر بھی اتر آئے، خصوصاً عرب کے مشرکین اور منافقین نے تو نسل در نسل
اس دشمنی کو برقرار رکھا جو آج بھی اکثر و بیشتر ظاہر ہوتی رہتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مآخذ و منابع حضرت علیؑ کی زمانہ رسالت میں لڑے
جائے والے مختلف غزوات و سریات اور خود مولاً کے ظاہری عہد خلافت میں لڑی جانے
والی جنگوں کی داستانوں سے بھرے پڑے ہیں۔ جن میں سے زیادہ تر عربی زبان میں
ہیں یا پھر فارسی میں۔ جب کہ اُردو زبان کا اس ضمن میں سرمایہ بہت کم ہے۔ سیرت
امیر المومنینؑ تاریخ اسلام، چودہ ستارے (از کز اردی و جواد) کے چند مشمولات کے
ملاوہ چھوٹی موٹی کچھ کتب، بلکہ کتابچے ہی ملتے ہیں۔ ہم نے اس کی کو بھانپتے ہوئے
”علیؑ میدان جنگ میں“ کے نام سے یہ پہلی باقاعدہ اور مبسوط کاوش پیش کرنے کا شرف
حاصل کیا ہے۔ خدائے تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کے ساتھ ساتھ اُس کے مومن بندوں کی
آرام کے منتظر ہیں گے۔

ہم نے تاریخ و ادب کی یکجائی کی کوشش کی ہے اور علماء مقررین، ذاکرین کے
لیے منظور و منظوم مواد پیش کیا ہے تاکہ انھیں شجاعتِ حیدریہ کے بیان میں آسانی میسر
آئے اور کسی قسم کی وقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس موقع پر حضرت اقبال کے یہ دو شعر
حرزِ جاں کی حیثیت رکھتے ہیں:

علیؑ کی تیغ سے تاریخ پوچھے سب کی
کہا ہے کس نے کہاں لا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

لَا فَتَى إِلَّا عَلِيٌّ گفتارِ مولف

علیؑ آقا، رسولِ معظمؐ کے وہ خلیفہ، بلا فصل اور جانچنینِ اوّل ہیں جو خلافت کے
الوہی و ربّانی اور الہامی و قرآنی معیار، علم و شجاعت کے اعلیٰ ترین مدارج پر فائز ہیں۔ علوم
علویہ کے لدنی موتیوں کو رولتے ہوئے ہم مختلف کتب شائع کر چکے ہیں اور اب جو نظر
شجاعتِ حیدریہ کے تابناک جلوؤں پر پڑی ہے تو آنکھیں چندھیا کر رہ گئی ہیں۔ یوں محسوس
ہو رہا ہے کہ شجاعت اور علیؑ لازم و ملزوم ہیں، بلکہ شجاعت و شہامت ہی علیؑ ذو علم کا دوسرا نام
ہے۔ وہ علیؑ جو مسلم اوّل بھی ہے اور شاہِ مرداں بھی، جس کے وجودِ مسعود سے ملت
اسلامیہ کو عظمت و شوکت نصیب ہوئی اور جس کے جاہ و جلال کے بارے میں کہا گیا ہے:

ع از وجودش ملت حق فر گرفت

اُس علیؑ کی اعلیٰ و ارفع شجاعت و شہامت کے بارے میں کچھ لکھنا سورج کو چراغ
دکھانے کے مترادف ہے۔ ہم میں یہ سکت کہاں کہ میدانِ جنگ میں فقط رضائے ایزدی
اور عروجِ اسلام کے لیے لڑتے ہوئے علیؑ امن ابی طالبؑ کی کلمہ، عکاسی اور نقشہ کشی
کر سکیں۔ علیؑ تو اشیع العرب ہے، علیؑ تو اشیع الناس ہے، علیؑ تو وہ بہادر ہے کہ اُسے پرواہی
نہیں کہ موت اُس پر آگرے یا وہ موت پر جا پڑے۔ علیؑ تو ”لَا فَتَى إِلَّا عَلِيٌّ“ کی ندائے
آسمانی کا سزاوار ہے، علیؑ تو ضَرَبَتْ عَلَيَّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَتِ

تہ عا کرتے ہیں کہ اشع العرب کے حضور ہماری اس کاوش کو مزید بہتر بنانے کے لیے تعاون کیجیے۔ ادارہ کی خواہش تو یہ ہے کہ ہر جنگ پر علیحدہ کتاب مظر عام پر لائی جاسکے جس میں شجاعت حیدریہ کو منظوم و منثور ہر دو صورتوں میں پیش کر سکیں۔ دنیا میں کوئی کام بھی ناممکن نہیں۔ ان شاء اللہ ایسا ہو کر رہے گا۔

ع منزل ما دور نیست

الاحقر والمذنب مؤلف عفی اللہ تعالیٰ عنہ
(پروفیسر مظہر عباس چودھری)



مسلم اول شہ مرداں علی
عشق را سرمایہ ایمان علی
از زہخ او فال پیغیر گرفت
ملت حق از شکوہش فر گرفت
(اسرا بخودی)

کتاب ہذا میں تحقیق معیار کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے اور کتب تاریخ و روایت کی چھان پھٹک کے بعد جو حقائق دستیاب ہوئے ہیں وہی شامل کتاب کیے گئے ہیں۔ مسلک حقہ شیعہ خیر الہم یہ کہ متعدد کتب کے ساتھ ساتھ مسلک اہل سنت کی کتب تاریخ (خصوصاً عربی مؤرخ استاد محمد احمد باشمیل کی ہر مشہور غزوہ پر موجود کتب: میرت النبی شہابی نعمانی، حضرت علی (میر خدا) مؤلفہ محمد علی چراغ، شاہکار شجاعت علی المرتضیٰ مؤلفہ پروفیسر فتح محمد نسیم سے بھی متفق علیہ روایات اور مسلکی نقطہ نظر سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ایران سے شائع شدہ اور ویب سائٹس پر موجود کئی فارسی کتب سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے تب جا کر یہ منزل سر ہوئی ہے۔

جنگ ہائے جمل، صفین اور نہروان کے بارے میں معتدل مزاج اور ان جنگوں کے اولین مؤرخ احمد بن داؤد نخوری کی عربی کتاب (اور فارسی میں موجود اُس کے ترجمہ و انتخاب سے) استفادہ کیا ہے کیونکہ یہ جامع کتاب ”اخبار الطوال حضرت علی کی جنگوں کے موضوع پر ایک اہم اور صحیح کتاب سمجھی جاتی ہے۔ روایت میں درایت اور تحقیق میں تدقیق کے پیش نظر ایک اضافی باب ”شان ضربت علی“ بھی شامل کیا گیا ہے جس سے کئی ابہام دور ہوئے ہیں۔ آخری باب شعری محسوسات اور محاکات پر مبنی ہے جس کا اپنا ہی لطف ہے۔

اپنی ان تمام کوششوں اور جدوجہد کے باوجود بھی ہم انتہائی عاجزی کے ساتھ یہ

شجاعتِ حیدریہ

حیدر کی شجاعت کا
اقرار کریں دشمن
مولاً کی شہامت کا
اظہار کریں دشمن

غزوات و سرایا میں
حیدر ہی مظہر ہیں
مولاً کے جوانوں میں
اک مالکِ اشتر ہیں

سلمان و ابوذر نے
دیکھے ہیں عجب مظہر
تھے بدر و احد، خندق
خیبر میں علیؑ انظر

تاریخ گواہی ہے
وہ شیر خدا بھی ہیں
مرحب کے لیے مظہر
وہ دستِ قضا بھی ہیں

اے دہشتِ درراں تو!
نل جا کہ میں خادم ہوں
افصح عرب کا اک
ادنیٰ سا ملازم ہوں



حروفِ شہامت

[نچر کر آقائے مظہر عباس چوہری]

حیدر کی شجاعت پر

فرمایا پیغمبرؐ نے
یہ شیر خدا بھی ہے
اور دشمن دیں کے لیے
یہ دستِ قضا بھی ہے

حیدر کی شجاعت پر
قربان مری ضلیں

ہیں بدر و احد شاہد
خندق بھی گواہی ہے
مولاً کی دعا ہی سے
خیبر کی تباہی ہے

حیدر کی شجاعت پر
قربان مری ضلیں

ہیں آج مسلمان ہم
احسان ہے حیدر کا
مومن ہے ہر مومن
ہم نفسِ پیغمبرؐ کا

حیدر کی شجاعت پر
قربان مری ضلیں



آپ صفین اور جمل جیتے
آپ ہی نہروان میں غالب
یا علی! آج اہل ایمان بھی
آپ ہی سے مدد کے ہیں طالب

بہ انداز دیگر:

یا علی آج اہل ایمان بھی
آپ ہی سے مدد کے ہیں طالب



یا علی! آپ نے سرمیدیاں.....

یا علی آپ نے سرمیدیاں
معجزے اس قدر دکھائے ہیں
لوگ حیراں ہیں اُن کو سن سن کر
آپ نے دار جو چلائے ہیں

سارے غزوات میں ، سرایا میں
آپ ہی وجہِ ناز و نصرت تھے
آپ ہی کافروں کے زخموں میں
اہل حق کے لیے سعادت تھے

عمرد ، مرحب ہو یا کہ عنتر ہو
آپ کے نام سے لرزتے تھے
لوگ ڈرتے تھے موت سے لیکن
آپ تو موت پر جھپٹتے تھے

آپ بدر و احد میں خندق میں
مصطفیٰ کے علم کے حامل تھے
اور جنگِ بنی قریظہ میں
حقِ اخطب کے آپ قاتل تھے

علی کی جنگ پر جاری ہے کیوں آہ و فغاں لوگو!
اگرچہ ایک گردن بے گنہ ماری کہاں لوگو!

تمہید

تاریخ من گھڑت اور فرضی قصوں کہانیوں اور داستانوں کا نام ہرگز نہیں بلکہ جستجوئے حقیقت اور اظہارِ صداقت کا دوسرا نام ہے لیکن بد قسمتی سے تاریخ اسلام کا یہ المیہ رہا ہے کہ اسے بادشاہوں، آمروں اور اہل تخت و تاج کی جھوٹی مدح سرائی اور قصیدہ گوئی بنا کر رکھ دیا گیا۔ حالات و واقعات اُن کے اسباب و نتائج اور اُن سے حاصل ہونے والے اسباق سبھی جھوٹ کی آمیزش اور چالپوسی کی نذر ہو گئے۔ یہاں تک کہ دروغ گوئی اور رنگ بازی نے حضرت آدمؑ کے زمانے کی تاریخ ہی سے تاریخ کو نسخ کرنا شروع کر دیا جس کا منفی اثر آج تک ہمارے عقائد و نظریات کو مجرد کر رہا ہے۔ حضرت آدمؑ کے بیٹوں اور بیٹیوں کی باہم شادیاں، حضرت ابراہیمؑ کو بت پرست و بت گرد آؤر کا حقیقی بیٹا بتایا جانا، حضرت موسیٰؑ کے بارے میں عجیب و غریب فرضی اور غیر معقول اسرائیلی روایتیں اور پھر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کے واضح اعلان پر پردہ پوشی اور اس کے بعد بنو عباس کے دور حکومت تک بلکہ آج تک صاحبانِ اقتدار کی چالپوسی اور اہل حق کی مخالفت ایسی قباحتیں منہ سے نمودارے کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں۔

چونکہ ان مثالوں کی تفصیل کا یہ موقع نہیں چنانچہ ہم خود ساختہ تاریخ رقم کرنے والے حکومتی مؤرخوں کے کرتوتوں کے تذکرے کے بجائے سلام عقیدت اور ہدیہ تہنیت

شاہ ذوالفقار

کلام میر انیس اعلیٰ اللہ مقامہ

تھے حلقہ کلام خدا شاہ ذوالفقار
لکھا ہے ہونے لگتے تھے دلدل پہ جب سوار
دے کر رکاب میں قدم پاک کو قرار
قرآن شروع کرتا تھا وہ شیر کروگار
کس کا بغیر مصحف ناطق یہ کام تھا
پہنچا ادھر جو پاؤں تو قرآن تمام تھا
بھجا ہے اس کو تیری حفاظت کے واسطے
بچا کیا ہے اس کو ہدایت کے واسطے
کافی ہے اس کا زور حمایت کے واسطے
ہے یہ دلیل تیری رسالت کے واسطے
برپا نشان دیں ہو، علم ذوالفقار ہو
نزدیک ہے کہ دئی خدا آشکار ہو!
موقوف تھا اسی پہ رسالت کا بندوبست
دے گا یہ شیر لشکر کفار کو شکست
اب ہوں گے بت پرست ہزاروں خدا پرست
ہو جائیں گے جہاں کے زبردست زبردست
تیرا کوئی نظیر نہ اس کا نظیر ہے
تو بادشاہ خلق ہے اور یہ وزیر ہے



یوں اللہ جل شانہ نے ملتِ ابراہیم کی تاریخ کا اصول اور معیار مقرر فرمایا کہ امامت تو انہی کی نسل میں رہے گی مگر ان کی نسل کے ظالم لوگ اس عظیم منصبِ امامت سے محروم رہیں گے۔ اب اگر ہم رحلتِ رسولؐ کے بعد تاریخِ اسلام پر نگاہ دوڑائیں تو حضرت ابراہیمؑ کی ذریت اور فرزندِ ابراہیمؑ حضرت محمدؐ رسول اللہ کی آلِ خدائی وعدے کے مطابق اس منصبِ جلیلہ و جلیلہ پر فائز رہیں مگر ظاہراً دنیا دار حکمرانِ خلافتِ رسولؐ پر قابض ہو گئے اور دنیاوی شان و شوکت نیز عیش و عشرت سے حکمرانی کرتے رہے۔ افسوس کہ مؤرخین کی مصلحت اندیشی نے انہیں خلیفہ ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ بنو امیہ اور بنو عباس اپنی تاریخ خود رقم کراتے رہے اور مؤرخوں کو زر و دولت سے نوازتے رہے۔ جس کے نتیجے میں آج تک کے مسلمانوں میں تفرقہٴ انتشار اور بغض و عناد کی لہریں جاری و ساری ہیں۔

حکومتوں کے جبر و ستم نے تاریخِ اسلام کو بدلنے اور جھوٹ کا پلندہ بنانے کی ہر ممکن کوششیں کیں لیکن اندھیروں کی کوکھ سے نور بھی پھوٹا رہا اور محققینِ حق و صداقت کی کھوج لگاتے رہے۔ آج کا دور علمی ترقی اور حقائق تک رسائی میں آسانی کا دور ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو پچپنائیں اور جس طرح دوسرے علوم مثلاً علم الفقہ، علم الکلام، علم الاعتقاد وغیرہ میں آگے ہیں اسی طرح علمِ تاریخ میں بھی پیش رو بنیں اور دشمنوں کی سازشوں، پروپیگنڈوں اور غلط افواہوں کے تدارک کے لیے استدلال و استنباط سے کام لیتے ہوئے اپنی تاریخ خود رقم کریں۔

ہم مفتخر ہیں کہ ماضی قریب میں جسٹس سید امیر علی، علامہ سید علی نقی، اعلیٰ اللہ مقامہ، مفتی جعفر حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حال میں سید فردغ کاظمی کے سے مؤرخین برصغیر پاک و ہند میں جنم لے چکے ہیں جنہوں نے اپنی تاریخ دانی کا خوب لوہا منوایا۔ لیکن چونکہ تاریخ ایک مسلسل عمل کا نام ہے لہذا اصولِ تاریخ کی روشنی میں تحقیق تاریخ مسلسل جاری

پیش کرتے ہیں اُن عظیم مؤرخوں کو جنہوں نے باطل حکومتوں اور ظالم حکمرانوں کے دورِ استبداد میں بھی حق کا علم بلند رکھا اور جن کے توسط سے آج ہم حقائق سے آشنا ہوئے۔ بعض مؤرخوں مثلاً اشعہم کوئی، ابو جعفر یعقوبی، مسعودی، طبری، بلاذری وغیرہ نے جزو حقیقت تک رسائی کا سامان کیا اور مکتبِ اہل بیتؑ کے اکثر راویوں اور بعد ازاں اُن کی روایات کو محفوظ کرنے والوں مثلاً شیخ بابویہ، شیخ صدوق، شیخ مفید، علامہ مجلسی وغیرہم کے ہم خصوصی طور پر احسان مند ہیں کہ جنہوں نے حق گوئی اور راست بازی کا اعلیٰ معیار قائم کیا۔

ہم نے تاریخ کے سفر کو انسان کے وجودی سے تاریخِ اسلام کے طور پر لیا ہے اور تاریخ مذہبِ عالم کو تاریخِ اسلام ہی جانا ہے کیونکہ اسلام میں حضرت آدمؑ سے لے کر جناب خاتم الانبیاءؑ تک حقیقی الوہی اور الہامی دین ہے۔ قرآن حکیم کا ایک اہم موضوع بھی یہی طویل انسانی اور اسلامی تاریخ ہے۔ اور ہر دور کے کچھ حق پرست مؤرخین بھی لاکھ جبر کے باوجود اس کا تحفظ کرتے ہوئے آ رہے ہیں۔ گویا نئی تاریخ کے دو ماخذ ہمارے پاس موجود ہیں جن میں پہلا اور لاریب منبعِ تاریخ وحیِ الہی (قرآن مجید) ہے اور دوسرا منبعِ اخبار معصومینؑ ہیں۔

اب ہم انسانی یعنی مجموعی اسلامی تاریخ کے بعد محض ملتِ ابراہیم کی تاریخ کا اعلیٰ جائزہ لیتے ہیں۔ قرآن مجید تاریخِ انبیاء کے تذکرے میں ارشاد فرماتا ہے:

”جب ابراہیمؑ کے پروردگار نے چند باتوں میں انہیں آزمایا اور وہ اس آزمائش پر پورا اُترے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ ابراہیمؑ نے عرض کیا: اور میری اولاد میں سے؟ (تو) اللہ (رب العزت) نے فرمایا: میرے اس عہدے پر ظالموں میں سے کوئی فائز نہیں ہو سکتا۔“ (البقرہ: ۱۲۴)

اس سے پہلے جو آئے میاں میں
بھاگنے کے سبھی دھنی آئے
روز چالیسویں جو خیبر میں
اس طرح سے علی دلی آئے
جیسے کوئی زمیندار آکر
اپنی جاگیر میں ٹہلتا ہے

اس موضوع پر اختر چینیوی مرحوم یوں پڑھتے تھے:۔
دلیر سب تھے پیمر کے آزمائے ہوئے
اجل کے خوف سے بیٹھے تھے سر جھکائے ہوئے
رسول حق کا علم دوش پر اٹھائے ہوئے
عجیب شان سے خیبر میں مرتضیٰ ٹہلے

اور آج کے ایک جواں سال اور مشہور عام ذاکر و شاعر شوکت رضا شوکت اس
طرح گویا ہوتے ہیں:۔

پایا ہے علی نے عجب اقبال خدا سے
اجال محمد سے تو اجلال خدا سے
توحید کی تلواریں سے لڑتا رہا لیکن
مانگی ہی نہیں اُس نے کبھی ڈھال خدا سے

یقیناً ذاکرین عظام نے علی دلی کی بہادری کے بیان میں گراں قدر حصہ ڈالا ہے
خصوصاً خیبر پر بہت زور دیا گیا۔ ذاکرین کو چاہیے کہ تاریخی روایات کو اپنے جذبات اور
محسوسات سے مزید پُر اثر اور دلنشین بنا کر حضرت علی علیہ السلام کی دیگر جنگوں کی عکاسی پر

دلی چاہیے کیونکہ یہ احقاق حق اور ابطال باطل کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

مجدد تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب ہے سو تاریخ دانی میں مہارت کا کوئی دعویٰ
نہیں رکھتا۔ البتہ حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری کا حسن ظن ہے کہ اس اہم کام پر
نامور کیا اور حضرت علی علیہ السلام کی تمام جنگوں کو تحقیقی انداز کے ساتھ ساتھ ادبی اسلوب
میں تحریر کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ حضرت کا فرمان تھا کہ علی مولاً کا جہاد نامہ اور کتاب
شجاعت اس طرح تحریر کریں کہ مولائے کائنات میدان جنگ میں لڑتے ہوئے دکھائی
دیں۔ خدا کی قسم یہ قطعاً میرے بس کا روگ نہیں بلکہ ناممکنات میں سے ہے۔ البتہ جو مجھ
جغیر سے بن پڑا پیش خدمت ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ منظر کشی تو صرف سلمان ہی کر سکتے تھے اور وہ بھی کسی حد تک
میں نے اس مشکل سفر کو طے کرنے کے لیے نثر کے ساتھ ساتھ شاعری کا سہارا بھی لیا ہے
اور اپنے جذبات و احساسات کو پیش کر کے اشعاع العرب، اشعاع الناس کی بہادری کی عکاسی
کرنے کی حسب استطاعت کوشش کی ہے۔ دیگر شعراء کا کلام بھی موقع محل کی مناسبت سے
استعمال میں لایا گیا ہے جن کے کلام کے ساتھ ناموں کے حوالے بھی دیئے ہیں اور منظوم
کلام پر مبنی ایک علیحدہ باب بھی موجود ہے۔ البتہ یہاں مجھے ذاکرین عظام کا کچھ کلام بھی
رہ رہ کر یاد آ رہا ہے۔ اللہ علی دلی کے ان سب غلاموں کو اجر عطا فرمائے۔

ہمارے بچپن میں ایک بزرگ ذاکر الہ یار کوثر شاید اپنا یا پھر اپنے استاد کا ایک
قصیدہ (جنگ خیبر کے بیان میں) پڑھا کرتے تھے۔ ابتدائی جملوں کے اردو ترجمے کی
کوشش کر رہا ہوں۔

بولا خوش ہو کر سلمانؓ مبارک نبیوں کے سلطان

حیدرؓ وہ آیا، لو حیدرؓ وہ آیا

اسی طرح چند سال قبل وفات پانے والے ذاکر اکبر انجم پڑھا کرتے تھے:

میر انیس حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے مرثیہ میں رقم طراز ہیں:
 جدے میں شیر حق کا دو پارہ ہوا جو سر اک بار کا پنے لگے مسجد کے بام و در
 ابلا لہو کہ گئی محراب خوں سے تر اک زلزلہ سا بس ہوا نازل زمین پر
 گردوں پہ جبرئیل پکارا غضب ہوا
 جدے میں حق کے قتل امیر عرب ہوا
 مگر ابھی ایک جنگ علیؑ نے اور بھی لڑنی ہے جس کے لیے شیعان و پیروان علیؑ
 دست بدعا ہیں کہ:

خدا وہ وقت بھی لائے

کہ پھر علیؑ آئیں
 ہر ایک سست اُجالا ہو نور عرفاں کا
 ہو بول بالا مقامات آلِ عمراں کا
 خصوصی فضل و کرم ہو خدائے رحماں کا
 یہ دور رجعت یاسین ہی سے ممکن ہے
 امید آمدِ گلگونی بہار میں ہیں
 ولائے قائم دوراں کے بس خمار میں ہیں
 ظہور حضرت مہدیؑ کے انتظار میں ہیں
 دُعائے فرج سے آمین ہی سے ممکن ہے
 طویل ہو گئی غیبت بہت پریشاں ہیں
 امام وقت کی فرقت میں چشم حیراں ہیں
 قدم قدم پہ رہیں عطائے غیراں ہیں
 نجات آمدِ عالین ہی سے ممکن ہے

بھی بھر پور توجہ دیں۔ اور زعمائے قوم کو چاہیے کہ دیگر ایام عظمت کی طرح یومِ بدر یومِ احد
 یومِ خندق یومِ خیبر وغیرہ کا بھی اہتمام کیا کریں تاکہ عوام تاریخ اسلام، فتوحات اہل ایمان
 اور خصوصاً خوشنودیِ خدا اور مرضیِ یزدان کے لیے مصروفِ جہاد رہنے والے شیرِ خدا کے
 عظیم جنگی و جہادی کارناموں سے بھرپور آگاہی حاصل کر سکیں۔

میں اکثر سوچتا ہوں کہ حضرت علی علیہ السلام جب اس دنیا میں تشریف لائے
 آپؑ کی جنگوں کا آغاز تو اُسی وقت سے ہو گیا تھا۔ اسد اللہ کا اپنے چھوٹے چھوٹے
 ہاتھوں سے اڑدے کو پھاڑنا، ابو جہل کے منہ پر تھپڑ رسید کرنا اور پھر غالباً دس سال کی عمر
 میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کو کھجوروں کی تھیلیوں سے گھائل کرنا،
 دعوۃ ذی الحشرہ میں علیؑ الاعلان حملتِ رسولؐ بلکہ حفاظتِ رسولؐ کی ذمہ داری لینا، ہجرت
 کی شب تلواریں کی چھاؤں میں بسترِ نبیؐ پر سونا سبھی علیؑ کی جنگیں ہیں۔ آج کے دور میں
 سر و جنگیں بھی ہوتی ہیں البتہ ید اللہ کی ہر جنگ گرم (سرگرم) جنگ تھی اور ہم یہ بھی کہہ سکتے
 ہیں کہ یہ سب مواقع، علیؑ اسد اللہ کے دشمنانِ خدا سے لڑنے اور دفاعِ اسلام کو یقینی بنانے
 کے ہمارے لیے ایک ترقیاتی نصاب تھا۔

یوں اس عاشقِ خدا و رسولؐ نے جنگِ بدر سے لے کر نہروان تک مردانگی، جوان
 مردی اور دلیری کے وہ جوہر دکھائے جو محیرِ العقول اور اہلِ فلک تک میں مشہور و مقبول ہیں
 آوازِ آخرا کا محرابِ مسجد میں ایک بزدل دشمن کے فرستادہ ابنِ ملجم کے ہاتھوں اپنے خون سے
 سرِ اقدس پر خضاب کر کے وہ سرخروئی حاصل کی کہ کسے را میسر نہ شد! اس سعادت۔
 ۱۹ رمضان کی نمازِ فجر میں ہونے والے اس دلگیر سانحہ میں اللہ کے شیر نے فرمایا:

فُتِنَتْ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ، كَعْبَةُ رِبِّ الْقَوْمِ! میں کامیاب ہو گیا اور ۲۱ رمضان کو
 ہاتھِ نبیؐ نے قَدْ قُتِلَ الْأَمِيرُ کہہ کر اس عظیم بہادر اور بے مثل جنگجو کی شہادت کا اعلان
 کیا۔ جس نے اسلام کی جنگوں اور جہادی معرکوں میں فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑے تھے۔

خدایا سید لولاک کی اس اُمت پر
کڑا ہے وقت بہت بے شعور سنت پر
چلاؤ پھر سے اسے آئین شریعت پر

بچاؤ دہشت و اموات ناگہانی سے
رہائی و بچو ذلت کی زندگانی سے
(منظر عباس چودھری)



اسلام کا فلسفہ جہاد

اور

جہادِ عالمی

- ✽ حضرت علیؑ کا طریق جنگ
- ✽ ترویج جہاد مع کمال علیؑ
- ✽ معیار جہاد
- ✽ علیؑ کی تلوار کی تعریف قرآن میں
- ✽ علیؑ کے گھوڑے کی تعریف قرآن میں

سید نور عباس رضوی

مشمولات

- ✽ جہاد کا مفہوم
- ✽ اقسام جہاد
- ✽ قتال و جنگ
- ✽ جنگ برائے دفاع
- ✽ اسلامی اور غیر اسلامی جنگوں میں امتیاز
- ✽ اسلامی آداب جنگ
- ✽ اسلامی جنگوں کی اجازت و جوہات اور اعداد و شمار
- ✽ جہاد گردہ دانشمندان ایران کی نظر میں
- ✽ اسلام میں جہاد اور دفاع
- ✽ اسلام کی امن پسند پالیسی ناگزیر جنگ لڑنے میں مانع نہیں ہے
- ✽ جہاد فی سبیل اللہ اور اس کے مقاصد
- ✽ اسلامی جہاد کے مقاصد کا خلاصہ مع مخالفوں کے اعتراضات کے جوابات
- ✽ صحیح نظام کے وجود کا دفاع
- ✽ مخالف عناصر سے جنگ
- ✽ نا انصافی اور فساد سے مبارزہ
- ✽ جہاد کے لیے آمادگی
- ✽ دشمن سے معاملہ کرتے ہوئے انسانی قواعد و ضوابط کی پابندی

ایک شے) تمہیں اللہ اور اس کے رسول یا جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ عزیز ہے تو اس کا انتظار کرو جب اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ کن حکم لے آئے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دے گا۔ یہاں تین باتیں نہایت قابل توجہ ہیں:

• پہلی بات یہ کہ اللہ اور اس کی رضا مسلمان کا مقصود اصلی ہے۔ رسول خدا اس مقصد کے حصول کا واسطہ ہیں اور جہاد اس مقصد کے حصول کا طریقہ ہے۔ لہذا مقصد مطلوب ہوگا تو اس کے حصول کے لیے سعی اور کوشش بھی اسی قدر کی جائے گی یعنی جہاد فی سبیل اللہ بھی اسی طرح محبوب ہوگا جیسے اللہ اور اس کا رسول اور یہ مقصد محض خواہش سے حاصل ہوگا۔ بلکہ محبت طلب اور ترپ سے حاصل ہوگا۔

• دوسری چیز اس آیت سے یہ واضح ہوتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول اور جہاد کے راستے میں رکاوٹ بننے والی یہی اشیاء ہیں جن کا اس آیہ مبارکہ میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ ان کو ہرانے کی ضرورت نہیں۔ مختصراً جہاد ان تمام چیزوں سے مرغوب و محبوب ہونا ہے ورنہ اللہ اور اس کے رسول کو محبوب کہنے کا دعویٰ بھی غلط ہے۔

• تیسری حقیقت جو اس آیہ مبارکہ سے واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ جہاد کا مطلب ہے کہ میں حائل ہونے والی ہر رکاوٹ کو عبور کر لیتا یا اسے ترک و قربان کر دیتا ہے۔

اسلام جہاد

جہاد کی بہت سی قسمیں ہیں جس چیز کو بھی اس کوشش میں لگایا جائے گا اس کا نام جہاد ہوگا۔ اگر قلب و دماغ کو جہاد میں لگایا جائے تو یہ جہاد بالقلب ہوگا۔ اگر علم و قلم کو لگایا جائے تو جہاد بالعلم اور جہاد بالقلم ہوگا۔ اور اگر جسم کو لگایا جائے تو جہاد بالجسم ہوگا۔ اگر یہ سب مال سے کی جائے تو جہاد بالمال ہے اور اگر جان کی بازی لگا دی جائے تو جہاد بالنفس ہے۔ جان کے علاوہ اگر ساری چیزیں مثلاً تجارت، مسکن، وطن کو مال تصور کیا جائے تو جہاد بالمال اور اپنی ذات کو نفس تو جہاد و بڑی قسموں میں تقسیم ہوگا۔ یعنی جہاد بالمال

اسلام کا فلسفہ جہاد اور جہاد علی

جہاد کا مفہوم

جہاد دین اسلام کے فروع میں سے ایک اہم فرع ہے۔ یہ ایک وسیع مفہوم کی حامل اصطلاح تھی لیکن بہت سے دیگر الفاظ اور اصطلاحات کی طرح رفتہ رفتہ اس کا مفہوم بھی محدود ہو کر رہ گیا۔

جہاد کے اصل اور لغوی معنی ہیں پوری طاقت سے کوشش کرنا۔ قرآن کی اصطلاح میں دینی نصب العین کے حصول کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دینے کا نام جہاد ہے۔ عربی زبان میں جدوجہد کا لفظ بلیغ کوشش کے لیے استعمال ہوتا ہے اور خود ہماری زبان اردو میں بھی اس کا یہی مفہوم ہے جب کہ جہاد میں حرف زائد ہونے کی وجہ سے معنی مبالغہ آمیز ہو جاتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ کسی بلند مقصد کے حصول کے لیے نہایت دشواری اور انتہائی وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ گویا سعی بلیغ اور سرتوڑ کوشش درکار ہوتی ہے اور اس راستے میں جو چیز رکاوٹ کا باعث بنے اُسے قربان بھی کرنا پڑتا ہے لہذا اس کوشش اور قربانی کو جہاد کا نام دیا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی ایک آیت مجیدہ میں ان رکاوٹوں کی فہرست یوں گنتائی گئی ہے:

”کہہ دو کہ اگر تمہارے آباء اجداد تمہارے فرزند تمہارے بھائی اور تمہاری ازواج تمہارے افرادِ خاندان اور تمہارے وہ مال جو تم نے جمع کر رکھے ہیں اور وہ تجارت جس کے ماند پڑ جانے کا تمہیں خطرہ ہے اور وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں (اگر یہ سب کچھ یا

اور جہاد بالنفس۔ قرآن پاک نے بھی بار بار ان دو جہادوں کا ذکر کیا ہے: جاهدوا باموالکم وانفسکم۔

یہاں چونکہ ہمارا موضوع جہاد بالنفس ہے اور ہم جانتے ہیں کہ جان بہر حال مال سے عزیز تر ہے۔ چنانچہ جہاد بالنفس بھی جہاد بالمال سے افضل تر ہے۔ جو راہ خدا میں مال نہ دے سکے وہ جان بھلا کیا دے گا؟ گویا جہاد بالنفس جہاد کی بلند ترین اور آخری منزل ہے۔ جہاد بالنفس کی بھی بہت سی قسمیں ہیں اور اس کا مطلب صرف جان قربان کر دینا ہی نہیں بلکہ اسلامی مقاصد کے حصول کے لیے ہمیشہ سربکف رہ کر سرتوڑ کوشش کرتے رہنا اور خوشنودی و رضائے خدا کے لیے اپنی زندگی سے بے پروا ہو کر اسلام کی سربلندی کے لیے جئے رہنا اس کا حقیقی مفہوم ہے۔ — ورنہ:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تعلیمات اسلامی کا سب سے بڑا ماخذ کلام الہی اپنی ایک آیہ مبارکہ میں جہاد کی مختلف قسموں کو یوں جمع فرماتا ہے:

”یہ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ کی راہ میں جو پیاس، تھکن بھوک کی مصیبت جھیلیں اور جس مقام کو روند کر اہل کفر کو غصے میں ڈال دیں اور دشمن سے جو مقصد حاصل کر لیں تو ان سے ہر ایک چیز کے بدلے ان کے لیے عمل صالح لکھوائے گا۔ اللہ یقیناً محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا اور وہ جو چھوٹا بڑا انفاق کریں اور جو میدان قطع کریں ان کے عوض بھی عمل صالح لکھا جائے گا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے عمل کا بہترین بدلہ دے۔“

مذکورہ بالا سبھی قسمیں جانی جہاد کی ہیں۔ انہیں صرف زندہ شخص ہی ادا کر سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس راہ پر چلتے ہوئے مجاہد کی جان چلی جائے اور وہ مرتبہ شہادت پر

ہو جائے۔ البتہ جہاد کا مقصد محض جان دینا ہی نہیں اعلائے کلمۃ الحق ہے۔ خواہ یہ کام کی جان لے کر ہو یا اپنی جان دے کر یا دونوں کو باقی رکھ کر یا پھر دونوں کو ختم کر کے۔

ل و جنگ

انہی سرتوڑ کوششوں میں سے ایک بڑی کوشش قتال اور جنگ بھی ہے اور مذکورہ بالا میں اسی کے تمام اجزاء کا بیان ہے۔ گویا قتال و جنگ جہاد کا اہم ترین پہلو بلکہ فروغ ہے۔ اسی لیے جہاد کا لفظ خصوصاً جنگ و قتال کے لیے بولا جانے لگا۔ وجہ یہ ہے کہ ہر طرح شہید کا لفظ مقتول فی سبیل اللہ کے معنی میں اس لیے بولتے ہیں کہ فی سبیل اللہ ہوتا سب سے بڑی شہادت یعنی عملی گواہی ہے۔ اسی طرح جہاد کو جنگ و قتال کے معنی استعمال کیا جاتا ہے کہ یہ جدوجہد اور سعی و کوشش کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

برائے دفاع

اسلام کا یہ موقف ہرگز نہیں کہ اسلام قبول کر کے ہر شخص کسی نہ کسی کافر سے لڑنا شروع کر دے اور نہ ہی اجتماعی طور پر کوئی ایسی پابندی اور ذمہ داری مسلمانوں پر قبولیت اسلام سے عائد ہوتی ہے مگر اُس صورت میں کہ جب یہ ناگزیر ہو جائے اور انسانیت کے حرمین منصب کو حاصل کرنے کے لیے اس کوشش بلند اور سعی عظمیٰ کی نوبت آجائے۔ جنگ یہ ہے کہ انسان میں دو طرح کی فطرتیں دویت کی گئی ہیں: ایک فطرت سلیمہ دوسری فطرت سقیمہ۔ فطرت سلیمہ رکھنے والے حضرات جب معقولیت کی راہ اختیار کرتے ہیں تو فطرت سقیمہ رکھنے والے فطرتاً خطرہ محسوس کرتے ہیں اور خود ہی معقولیت حاصل گروہ پر جھپٹ پڑتے ہیں اور یوں معقولوں سے نامعقولوں کی جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ معقولیت پسند نامعقولیت پسندوں سے ٹکر لینے پر مجبور تو ہو جاتے ہیں لیکن پھر بھی اُنہیں اقدار اور اخلاقی روایات کا دامن نہیں چھوڑتے۔ خیر و شر کی اس جنگ میں حق اور

نتیجہ ہے۔ بالفاظ دیگر اپنا بچاؤ اور تحفظ (اہل حق کے لیے) ہر مرحلے پر ایک فطری حق اور اس حق کا دوسرا نام جنگ ہے۔ تحفظ کی یہ صورت کبھی خاموش جنگ ہوتی ہے اور کبھی کھلی جنگ۔ اگر یہ جنگ فطرتِ سلیمہ کے مطابق ہے تو ایک فطری امر ہے اور اگر فطرتِ سلیمہ کے مطابق ہے تو اس سے بچنا بھی ایک جنگ ہے۔

جنگ کے دوزخ ہیں جو جنگ کے مقصد اور نتیجے کے مطابق متعین ہوتے ہیں۔ اگر اس کا مقصد قوم، ملک، نسل، انتقام یا زن، ز زمین کا حصول ہے تو یقیناً اس سے بدتر کوئی کام نہیں لیکن اگر اس کا مقصد خوشنودی، خدا، حق کی سر بلندی، انسانیت کا فروغ اور اخلاقی اصولوں کی حمایت ہو تو اس سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں۔ ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

”امکان بھرقوت اور پلے ہوئے گھوڑے میسر کرو جس کے ذریعے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمن کو خوفزدہ رکھو“۔

اسلامی جنگوں اور غیر اسلامی جنگوں میں امتیاز

اسلامی جہاد ایک بلند ترین نصب العین کے حصول کی سر توڑ کوشش کا نام ہے۔ جب کہ غیر اسلامی جنگوں کا کوئی بلند مقصد نہیں ہوتا۔ غیر مسلم صرف ہوس ملک گیری، قومی برتری اور مفتوحہ علاقوں میں اضافہ کر کے لوگوں کو غلام بنانا چاہتے ہیں۔ اسلامی جہاد کے تمام تر قوانین آدمیت کے احرام، شر اور فساد کے خاتمے، ترک تعبد و انتقام اور احتیاط و تقویٰ پر مشتمل ہیں۔ جب کہ غیر اسلامی جنگوں میں بوزھئے، بچے، عورتیں، بیمار کبھی بلا لحاظ موت کے گھاٹ اُتار دیے جاتے ہیں اور غلبہ حاصل کر لینے کے بعد انتقام کی آگ اور بھڑک اٹھتی ہے۔

اسلامی آدابِ جنگ

دشمنوں سے صرف اتنا بدلہ لیا جاسکتا ہے جتنا ظلم انہوں نے کیا ہو۔

باطل کا آمنا سامنا ہوتا ہے۔ انسانیت اور بربریت کا مقابلہ ہوتا ہے۔ چراغ اور شرار بالترتیب معقولیت اور نامعقولیت کے نمائندے بن کر میدانِ جنگ میں اترتے ہیں۔ بقول اقبال: ۱

تیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویٰ سے شرارِ بولہبی

اہل حق کا حق حملہ آوروں کے حملے کا معقولیت اور انسانیت سے جواب دینا ایسا حق ہے جس سے کوئی بھی معقول انسان انکار نہیں کر سکتا اور یوں مدافعتانہ جنگ نہ صرف جائز قرار پاتی ہے بلکہ انتہائی ضروری ہو جاتی ہے۔ جس کے لیے نہ لکنا بجائے خود ایک نامعقولیت اور جرم ہے۔ اسلام میں مدافعتانہ اور جارحانہ جنگ و جہاد کی تقسیم قطعاً نہیں بلکہ یہ جنگ و جہاد شروع سے آخر تک مدافعت ہے جبکہ اہل کفر کا جارحانہ اقدام شروع سے آخر تک جارحیت ہے۔ یوں جہاد کفر کی جارحانہ کارروائیوں کے خلاف وہ مدافعتانہ کوشش ہے جو ہر مومن پر بہر حال فرض ہے اور اس فرض کی ادائیگی میں ذرہ برابر غفلت قابل قبول نہیں اور بروقت اقدام نہایت ضروری ہے۔

مختصراً اسلام میں مدافعت اور جارحیت دونوں ایسی صورتیں ہیں جو ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں اور جہاد یا جنگ و قتال محض ایک ہی مثبت حقیقت کا نام ہے اور یہ بھی ذہن عالی میں رہے کہ اُمتِ مسلمہ کا وجود امر بالمعروف نیز نہی عن المنکر کا بھی متقاضی ہے اور بسا اوقات جہاد کے لیے نہ اٹھنا زمین پر فتنے اور فساد کا باعث بھی بنتا ہے۔ یوں جنگ امن کے لیے ناگزیر ہو جاتی ہے۔

جنگ اور اپنی طاقت کا استعمال ایک ایسی فطرت ہے جو زندگی کا حاصل ہے۔ دوا بیماری کے خلاف، تعلیم و تربیت جہالت و ناشائستگی کے خلاف، لباس و خوراک عریانیت اور بھوک پیاس کے خلاف جنگ ہیں۔ یعنی زندگی کے تمام مثبت کام اس کے منفی پہلوؤں کے خلاف جنگ ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ پوری کائنات نفی و اثبات اور ایجاب و سلب کی جنگ

غزوہ آذربائیں اور غزوہ حنین لڑے گئے۔ یہود سے ہونے والی جنگوں میں غزوہ بنو قریظہ، غزوہ بنو نضیر، غزوہ بنو قریظہ اور غزوہ خیبر ہیں۔ ان میں سے غزوہ بنو قریظہ اور غزوہ بنو نضیر میں مطلق خونریزی نہیں ہوئی اور مفتوحین نے بخوشی جلا وطنی منظور کر لی۔ رومیوں سے سریہ موتہ اور غزوہ تبوک صرف ددمر کے ہوئے۔

مخالفین نے مسلمانوں کو ظالم و جاہل ثابت کرنے کے لیے غزوات کی تعداد کو بڑھا کر پانچ کر پیش کیا ہے حالانکہ مذکورہ بالا جنگوں کے علاوہ کسی جنگ کی کوئی حقیقت نہ تھی اور مذکورہ غزوات میں بھی کچھ جنگیں محض اسلامی دستوں کے بھیجے جانے پر مشتمل تھیں اور ان کے بھیجے کے مقاصد بھی غیر جنگی تھے۔ غزوہ تبوک میں بھی کوئی لڑائی پیش نہیں آئی اسی طرح غزوہ سویق، حرا، الاسد، غزوہ بدر دوم، دومۃ الجندل، بنو لعیان، غابہ ذات الرقاق وغیرہ بھی حضور نے بنفس نفیس شرکت تو فرمائی مگر بغیر کسی لڑائی کے مسلمانوں کو ساتھ لے کر آگئے۔ سریات میں بھی چند ایک کے علاوہ کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ اس لیے ان کو بھی یوں میں شامل کرنا مناسب نہیں۔ جو دستے تبلیغ اسلام، تکمیل صلح، بت شکنی، رہزنوں، عصاب، جاسوسی، مخبری اور اس طرح کے دوسرے مقاصد کے لیے بھیجے گئے ان کا شمار جنگوں میں کرنا سخت نا انصافی اور مورخین کی غلط فہمی ہے۔

شیعہ اور سنی ہر دو مکاتب فکر کے صاحب نظر و فکر علما و شہداء اسلام کے اس عقیدے کو غلط قرار دیتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ یہ ایک عظیم غلط فہمی ہے۔ حقیقی اسلام تلوار سے ہرگز نہیں پھیل سکتا اور نہ ہی پھیل سکا۔ اتمام حجت کے لیے تمام غزوات مفتوحین اور رخصیوں کی تعداد بھی ملاحظہ کیجیے ورنہ جبر و تشدد کو اختیار کیا جاتا تو قیدیوں و مفتوحین کی تعداد بہت زیادہ ہوتی۔

مسئلہ ہے کہ تمام غزوات میں مخالفین کے کل قیدی ۶۵۶۳ اور کل مقتول ۷۵۹ اور مسلمانوں کے کل ۲۵۹ شہید اور صرف ایک ضعیف قیدی ہوئے۔



- ✽ اگر صبر اور ورگزر سے کام لیا جائے تو بہتر ہے۔
- ✽ کسی قوم کی دشمنی میں دائرہ عدل سے باہر نہیں نکلنا چاہیے کیونکہ یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔
- ✽ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
- ✽ خدا کے نافرمانوں سے اللہ کا نام لے کر فی سبیل اللہ جہاد کرنا چاہیے۔
- ✽ بدعہدی اور خیانت سے بچنا لازمی ہے۔
- ✽ لاشوں کا مسئلہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔
- ✽ راگیروں اور گوشہ نشینوں کو چھیڑنا منع ہے۔
- ✽ پھل دار درختوں کو کاٹنے کی ممانعت ہے۔
- ✽ عمارات کو گرانے کی اجازت نہیں۔

✽ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، مرلیضوں اور غیر محارب آدمیوں سے سروکار نہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے خصوصی احکامات بھی ہیں جو فتح مکہ سے ماخوذ ہیں۔

اسلام سے پہلے فقط لوٹ مار اور خون ریزی کے لیے جنگ کی جاتی تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مالی غنیمت کی محبت دلوں سے نکال دی اور عورتوں، بچوں، بوڑھوں وغیرہ کے قتل سے منع فرمایا۔ آپ نے ہتھیار پھینک دینے والوں اور بھاگنے والوں کے تعاقب سے بھی روکا اور رخصیوں نیز قیدیوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

اسلامی جنگوں کی اجازت، وجوہات، نتائج اور اعداد و شمار

عہد نبویؐ میں قریش، یہود، منافقین اسلام اور اہل اسلام کے تین بڑے دشمن اور مفسد گروہ تھے جو علی الاعلان اور در پردہ ہر حال میں مخالفت اسلام اور مخالفت خدا و رسول پر کمر بستہ رہتے تھے لہذا مجبوراً مسلمانوں کو ان سے جنگ (جہاد) کی اجازت دی گئی۔ پھر بھی جو جنگیں ہوئیں ان کی تعداد اگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ قریش سے غزوہ بدر، غزوہ احد،

میں استعمال ہوتا ہے۔ تاہم اصطلاح میں اس کے معنی اسلامی نظام کی حفاظت اور ترقی کی خاطر مسلح جدوجہد کے ہیں۔ اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ وہ کون سے مواقع ہوتے ہیں جب اس طرح کی جدوجہد ضروری ہو جاتی ہے۔

ایسے شریک عناصر کے خلاف جنگ ضروری ہو جاتی ہے جو انصاف اور صداقت پر مبنی نظام کو اپنے مفادات کے لیے خطرہ سمجھتے ہیں اور اسے مٹانے پر تل جائیں۔ جب تک ایسے عناصر دنیا میں موجود ہیں سچائی اور انصاف کے حامیوں کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنے مقاصد اور ہستی کا دفاع کریں۔

در اصل اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے ماننے والوں اور سماجی انصاف پر ایمان رکھنے والوں پر جنگ ان کی مرضی کے خلاف جبراً مسلط کر دی جاتی ہے۔ اسلام کے لیے ایسی صورت حال کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ البتہ اسلام کی امن پسندانہ روح اور جارحیت و مقاومت نیز ناانصافی سے اجتناب برتنے والوں سے معاملہ کرتے ہوئے طاقت کے استعمال سے احتراز قرآن مجید کے متعذر مندرجات سے واضح ہے:

”جو لوگ دین کی بنا پر تم سے نہیں لڑتے اور جنہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اللہ تمہیں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا۔ بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ تمہیں فقط یہ حکم دیتا ہے کہ جو لوگ تمہارے خلاف دین کی بنا پر لڑے اور جنہوں نے تمہیں گھروں سے نکالا اور جنہوں نے تمہیں نکالنے میں دوسروں کی مدد کی تم ان سے دوستانہ تعلقات نہ رکھو اور جو لوگ ان سے دوستی پیدا کرتے ہیں وہ انصاف کرنے والے نہیں ہیں۔“

ایک اور مقام پر قرآن مجید صاف فرماتا ہے کہ اگر دشمن ہتھیار ڈال دیں اور صلح

جہاد گروہ دانشمندان ایران کی نظر میں

اسلام میں جہاد اور دفاع

مسئلہ جہاد کو اسلامی دستور میں ایک خصوصی حیثیت حاصل ہے۔ درحقیقت اس قسم کی شرائط کی عدم موجودگی میں ایک ترقی پذیر اور جامع نظام کی تکمیل ناممکن ہے۔ بعض ناآگاہ لوگوں کی جانب سے کی گئی غلط تعبیرات کے نتیجے کے طور پر اسلامی تعلیمات میں جہاد کی شمولیت کے خلاف بے حد معاندانہ پروپیگنڈا کیا گیا ہے اور دشمنان اسلام کو یہ کہنے کا موقع میسر آ گیا کہ اسلام تلوار اور طاقت کا دین ہے۔ حد یہ ہے کہ بعض معروف دانشور بھی اس بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔ چنانچہ میکڈلڈ نے اپنے دائرۃ المعارف میں بڑے وثوق کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ تلوار اور طاقت کے ذریعے اسلام ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔ البتہ جب جہاد کی حقیقت اور مقصد واضح ہو جائے تو پھر یہی نہیں کہ ان اعتراضات کا کھوکھلا پن عیاں ہو جاتا ہے بلکہ اسلامی تعلیمات کی گہرائی، پاکیزگی، تاثیر اور مختلف حالات میں بنی نوع انسان کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے ہم قارئین کی توجہ مندرجہ ذیل نکات کی جانب مبذول کرواتے ہیں۔

اسلام کی امن پسند پالیسی ناگزیر جنگ لڑنے میں مانع نہیں

جہاد کے لغوی معنی سعی اور کوشش کے ہیں۔ اسلامی مآخذ میں بھی یہ لفظ روحانی اور دنیاوی مقاصد کے حصول کی خاطر ہر قسم کی ذہنی، جسمانی، مالی اور اخلاقی کاوش کے معنوں

کی ملاوٹ قطعی طور پر ناجائز نہیں ہے۔

اسلامی جہاد کے مقاصد کا خلاصہ مع مخالفوں کے اعتراضات کے جوابات

صحیح نظام کے وجود کا دفاع

اسلامی جہاد کا اہم ترین مقصد حق و انصاف کے الہی نظام کا دفاع اور اس کے نمایاں خدوخال کی نگہداشت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اکثر و بیشتر جنگیں اسی مقصد کے لیے لڑی گئیں۔ قرآن مجید بالصراحت فرماتا ہے:

”جن لوگوں کے خلاف اعلان جنگ کیا گیا انہیں لڑنے کی اجازت

دی گئی ہے کیوں کہ اُن کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے اور یقیناً اللہ اُن

کی مدد کرنے پر قادر ہے وہ جنہیں ان کے گھروں سے بلا جواز نکال

دیا گیا، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا معبود ہے اور اگر اللہ بعض

لوگوں کو دوسروں کے ذریعے پسپا نہ کر دیتا تو بلاشبہ خانقاہیں اور

یہودیوں کے معبد اور مجوسیوں کے خلاف اور مسجدیں جہاں اکثر اللہ

کا نام لیا جاتا ہے ویران ہو گئی ہوتیں۔“

لہذا جب کبھی مسلمانوں کی ملٹی حکومت آزادی اور سالمیت کو خطرہ لاحق ہو جائے

ان پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ دشمنوں کے مقابلے میں صف آرا ہو جائیں اور آخری دم تک

اپنا دفاع کریں۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں تمام مذاہب کی عبادت

گاہوں کا ذکر کیا گیا ہے جو بجائے خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام امن و سلامتی کا دین

ہے۔ البتہ اس حقیقت کو بھی بھولنا چاہیے کہ اسلام بت پرستی کو قطعاً برداشت نہیں کرتا۔

وہ تو بت پرستی کو کوئی مذہب ہی نہیں سمجھتا اور نہ ہی بت خانوں کو عبادت خانوں کا رتبہ دیتا

ہے۔ اسی کی نگاہ میں بت پرستی محض وہم، جھوٹ، فکری گراوٹ اور ایک ایسی بیماری ہے

جوئی کا عندیہ ظاہر کریں تو مسلمانوں کو ان سے محاصرت کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

”اگر وہ تم سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں اور تم سے جنگ کرنے سے

اجتناب برتیں اور تمہاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو اس صورت

میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان کے خلاف جارحیت کرنے کی

کوئی وجہ باقی نہیں چھوڑی۔“

ایک اور آیت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے

ہدایت فرمائی گئی ہے:

”اگر دشمن صلح کی جانب مائل ہوں تو تم بھی صلح کی جانب مائل

ہو جاؤ۔“

دنیا میں شاید کوئی اور ایسا مذہب نہیں ہے جس نے ایسے واضح الفاظ میں اپنے

صلح جو یا نہ ارادوں کا اظہار کیا ہو۔ تاہم اسلام کی امن پسندی کا یہ مطلب نہیں لینا چاہیے

کہ اگر کچھ لوگ بنی نوع انسان کی کثیر تعداد کو نوآبادیاتی نظام میں جکڑ لیں یا بت پرستی پر

مجبور کریں تو مسلمانوں کو ان کے خلاف کارروائی کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا یا یہ کہ اگر خود

مسلمانوں پر حملہ ہو جائے تو وہ امن پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خاموش تماشائی بن کر

اپنی قوم کی جابی و بربادی کا منظر دیکھتے رہیں (لیکن افسوس کہ آج دنیا بھر کے مسلمان یہی

کچھ کر رہے ہیں۔)

جہاد فی سبیل اللہ اور اس کے مقاصد

اسلامی مآخذ میں عموماً جہاد کا لفظ فی سبیل اللہ کے الفاظ کے ساتھ استعمال کیا گیا

ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ نفسانی خواہشات کی تکمیل، مملکت میں توسیع، خرد و انداز،

مال غنیمت کی دستیابی اور ایسے ہی دوسرے مقاصد کے لیے جہاد کرنا بے معنی ہے۔ جہاد کا

مقصد ہر حالت میں خوشنودی خدا ہونا چاہیے اور اس میں ذاتی مادی اور خود غرضانہ مفادات

کیوں نہیں کرتے ہو جن پر تشدد کیا گیا ہے اور جو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں: یا پروردگار! ہمیں اس مسکن سے نجات دلا جس کے باشندے ظالم و جابر ہیں اور اپنی رحمت سے ہمارے لیے اپنی طرف سے ایک محافظ اور معاون بھیج۔“

○ جہاد کے لیے آمادگی

جب تک بین الاقوامی تعلقات میں جبر اور قوت کا راج ہے اور اسلامی معاشرے کے حقوق کے حلقے کا امکان موجود ہے اسلام مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے دفاع کے لیے پوری طرح تیار رہیں۔ قرآن مجید نے اس بارے میں واضح ہدایات دی ہیں اور ایک حکم دینا جامع جملے میں اس موضوع پر بھی کچھ فرما دیا ہے:

”اور تم ان (دشمنوں) سے مقابلہ کرنے کے لیے جس قدر قوت فراہم کر سکتے ہو کرو۔“

گو جنگی ساز و سامان کی فراہمی کے اخراجات کو بہت کم پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور انہیں غیر ترقیاتی تصور کیا جاتا ہے لیکن اسلام بوقت ضرورت نہ صرف یہ کہ ان اخراجات کو ضروری خیال کرتا ہے بلکہ انہیں مالی جہاد کا نام دیتا ہے۔ تاہم فوجی تیاریوں اور جنگی ساز و سامان کی فراہمی کے ذریعے دنیا سے جنگ اور جارحیت کا قلع قمع کرنا ممکن نہیں۔ بلاشبہ یہ تیاریاں ضروری ہیں اور ان کا دفاعی پہلو بھی ہے لیکن یہی تیاریاں بعض اوقات جنگ کے امکانات کو وسیع تر کر دیتی ہیں۔ اس بنا پر اسلام یہ تجویز کرتا ہے کہ دائمی امن کے حصول کے لیے بنیادی ذریعہ ایمان اور اخلاق کو مضبوط کرنا ہے۔

”اے ایمان والو! تم سب امن میں داخل ہو جاؤ۔“

اس سے مراد یہ ہے کہ صلح اور امن سے مستفید ہونے کا واحد راستہ یہی ہے کہ سب لوگ ایمان، نیکی اور اللہ کی حاکمیت (احلی) کے اقرار کی مملکت میں داخل ہو جائیں۔

جس کا جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے بت خالوں کو برباد کر دینے کی اجازت دی ہے۔

○ مخالف عناصر سے جنگ

ایک نئے نظریے سے ایک آسمانی نظام کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اسے تبلیغ کی آزادی میسر ہو اور فطری انداز سے وعظ و نصیحت کے ذریعے پھیل سکے۔ اگر چند عناصر مثلاً بت پرست اس نئے نظریے کو اپنے ناجائز مفادات کے لیے خطرہ سمجھتے ہوئے اس کی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوں اور اس کی اشاعت کو روکنے اور لوگوں کو گمراہی میں مبتلا رکھنے کی کوشش کریں اور اس کشمکش کا کوئی پُر امن حل ممکن نہ ہو تو اسلام مسلمانوں کو ایسے عناصر کے خلاف جنگ کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

تاریخ اسلام کے ابتدائی دور کی کچھ جنگیں جن کی جانب مذکورہ بالا قرآنی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے اس نوعیت کی تھیں۔ چنانچہ اسلامی جہاد کا ایک اور مقصد تبلیغ کی آزادی اور حقیقی نظام کا فطری پھیلاؤ ہے۔

○ نا انصافی اور فساد سے مبارزہ

اسلام نا انصافی اور فتنہ و فساد کا جانی دشمن ہے اور ان سے کوئی سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں لہذا جب ان برائیوں کے سد باب کا کوئی پُر امن راستہ باقی نہ رہے تو وہ ان کے خاتمے اور بے کس لوگوں کو مکہ کے سود خور ظالموں کے چنگل سے نجات دلانے کے لیے جہاد کی اجازت دیتا ہے۔ بلاشبہ اسلام نے ابتداء میں جولڑائیاں لڑیں ان کی ایک نوعیت یہ بھی تھی۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

”ان بے کس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر فی سبیل اللہ جہاد

حملہ نہ کیا جائے وہ دشمن پر حملہ نہ کریں اور جارحانہ کے بجائے مدافعانہ جنگ لڑیں۔

○ حضرت علیؑ کا طریق جنگ

روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ امیر المومنین امام علیؑ علیہ السلام ہدایات دیا کرتے تھے کہ اس امر کی کوشش کرنی چاہیے کہ جنگ دوپہر سے پہلے شروع نہ ہو اور اگر ممکن ہو تو اسے سہ پہر تک ملتوی کر دیا جائے۔ مراد یہ تھی کہ جنگ کے آغاز کے بعد جس قدر جلد ممکن ہو سورج ڈوب جائے۔ چونکہ مغرب کے بعد جنگ عموماً بند کر دی جاتی ہے یوں کم سے کم کشت و خون ہو۔

پیشوایان اسلام نے جنگی قیدیوں سے سلوک کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں وہ اس امر کا ایک اور بین ثبوت ہیں کہ اسلام کی رو سے دشمن کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے انسانیت کے مطابق حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے انہیں وہی خوراک دی جائے جو مسلمان خود استعمال کرتے ہوں۔



یہی وہ مملکت ہے جس میں داخل ہونے والے ہر شخص پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے مفادات کی طرح دوسروں کے مفادات کا بھی خیال رکھے۔ اور جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے وہ دوسروں کے لیے بھی کرے اور جس شے کو اپنے لیے پسند کرتا ہو اسے دوسروں کے لیے بھی ناپسند کرے۔ یہی وہ مقام ہے جس پر اللہ کی راہ میں اور اسی ذات پاک کی خاطر بربادی اور ایثار کو بہترین انسانی فضائل سمجھا جاتا ہے۔

○ دشمن سے معاملہ کرتے ہوئے انسانی قواعد و ضوابط کی پابندی

اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی شخص کا دشمن ہونا اس امر کی کافی دلیل ہے کہ اس کے ساتھ ہر قسم کی زیادتی اور غیر انسانی سلوک روا رکھا جائے۔ تاہم اسلام اپنی مفصل عادلانہ اور پائیدار تعلیمات کے ذریعے اس بارے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا کہ انسان کو دشمن سے تصادم کے سلسلے میں انسانی حسن عمل کے قواعد و ضوابط کی حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان قواعد سے معمولی سا انحراف بھی اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی خلاف ورزی کے مترادف ہے۔

اسلامی لشکر اور مجاہدین کے میدان جنگ کی طرف روانہ ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں مندرجہ ذیل واضح ہدایات دیا کرتے تھے جن سے اسلام کے صلح جو یا نہ مزاج اور آنحضرتؐ کی بے مثال بصیرت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے:

”اللہ کا نام لے کر بڑھو اور اُسی سے مدد طلب کرو۔ اُسی کی خاطر اُس کے احکام کے مطابق جنگ کرو۔“

اسلام جنگ کے غیر اسلامی طریقوں مثلاً شب خون، جراثیمی جنگ، موشیوں، فصولوں اور باغات کو نذر آتش کرنے اور غیر مسلح افراد کو قتل کرنے یا تکلیف پہنچانے کی ممانعت کرتا ہے۔ جنگ کے اسلامی قواعد و ضوابط میں بار بار ہدایت کی گئی ہے کہ مسلمان پہلا تیر ہرگز نہ چلائیں اور نہ ہی حملے میں پہل کریں۔ دوسرے الفاظ میں جب تک اُن پر

معیارِ جہاد

رسول خدا کا ارشاد گرامی ہے: ”تمام خیر و خوبی تلوار کے سائے میں ہے اور لوگ تلوار کے ذریعے ہی سیدھے رہتے ہیں۔“

”اور جنت اور جہنم کی چابیاں تلواریں ہیں۔“

”جہاد ابوابِ جنت میں سے ایک باب ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنے خاص دوستوں کے لیے کھولا ہے۔“

حضرت ابا عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ”واجبات میں سے سب سے افضل جہاد ہے۔“

ایک اعرابی رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اپنے والد کو قتل کرے گا؟ اس اعرابی نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ رسول خدا لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے گفتگو شروع کر دی۔ اس اعرابی نے دوبارہ یہ کلمات دہرائے: میں آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ رسول خدا نے دوبارہ وہی فرمایا۔ اس اعرابی نے دوبارہ اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

پس رسول خدا نے دوبارہ لوگوں کی طرف رخ کیا اور ان سے گفتگو شروع کر دی۔

پھر اعرابی نے وہی کلمات دہرائے تو آپ نے فرمایا: اپنے والد کو قتل کرے گا۔

اس اعرابی نے عرض کیا: ہاں۔ پس آپ نے اس سے بیعت لے لی اور فرمایا: اب تو

خدا کے اس فرمان کے تحت (اسلام میں) داخل ہوا ہے۔ (سورہ توبہ آیت ۱۴)

”ان سے (بے خوف و خطر لڑو) خدا تمہارے ہاتھوں سے ان کی

سزا کرے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر فتح عطا کرے گا

اور ایمان والوں کے کلیجے ٹھنڈے کرے گا اور ان مومنین کے دل

کی کدورتیں جو (کفار سے) پھینچی ہیں دفع کر دے گا۔“

ترویجِ جہاد مع کمالِ علیؑ

یہ پیغمبر کی عنایت وہ خدا کا افضال

سمجھے وہ حور کا آغوشِ زمیںِ مقتل

شاخ سے نیزہ کی فردوس کے میوے توڑے

میل گیا چھاؤں میں تلواروں کی جنت کا محل

دوشِ احمد پہ قدم رکھ کے بتوں کو توڑا

اور دی خانہ کعبہ میں اذان پہلے پہل

بت پرستی کو زمانہ سے مٹایا تو نے

ٹھوکروں ہی میں رہا جب سے سرِ لات و ہیل

(سید علی حیدر رحمہ اللہ)

علیؑ کے گھوڑے کی تعریف قرآن میں

”مجھے دوڑتے ہوئے گھوڑوں کی قسم! مجھے اُن کے پاؤں سے اُڑتی ہوئی چنگاریوں کی قسم! جنھوں نے صبح کے وقت حملہ کیا، غبار اُڑایا اور دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔“

تاریخ طبری، حبیب السیر اور معارج النبوة میں ہے کہ یہ آیات حضرت علیؑ کے ذات السلاسل کو فتح کرنے کے موقع پر نازل ہوئیں۔ پیغمبر اسلام فتح کی خبر سن کر خوش علیؑ کی پیشوائی کو باہر نکلے۔ جب حضرت علیؑ پر نظر پڑی تو فوراً گھوڑے سے اترے اور فرمایا:

”اے علیؑ! اگر مجھے اُمت کے گمراہ ہونے کا خوف نہ ہوتا تو میں تمہارے بارے میں وہ بات کہتا جس سے لوگ تمہاری خاک پا کر بطور خاک شفا لے جاتے۔“



علیؑ کی تلوار کی تعریف قرآن میں

”اور ہم نے لوہے کو نازل کیا جس کے ذریعے سے سخت لڑائی اور لوگوں کے بہت سے نفع کی باتیں ہیں اور پنہاں ہے کہ اللہ اور اس کے انبیاء کی مدد کون کرتا ہے اللہ قوی و عزیز ہے۔“

تاریخ طبری میں ہے:

”ذوالفقار جنگ احد میں حضرت علیؑ کے واسطے آسمان سے نازل ہوئی اور اس کی مدح میں جبریلؑ نے لافتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار کی ندا بلند کی تھی۔“

مولانا دلی اللہ فرنگی محلی لکھنوی کے مطابق:

”بعض علما نے حدید سے مراد اس شمشیر کو لیا ہے جس کا نام ذوالفقار ہے جو حضرت رسول کریمؐ نے حضرت علیؑ کو مرحمت فرمائی تھی تاکہ وہ اس سے دشمنوں سے جنگ کریں۔“ (تفسیر معدن الجواہر)



مشمولات

- حضرت علیؑ کی پرورش اور تربیت
- ہجرت کی شب اور علیؑ
- مدینہ میں ابتدائی حفاظتی اقدام
- حکم جہاد اور دفاع کی کوششیں
- علیؑ لواء برادر نئی
- غزوہ بدر میں کردار علیؑ
- علیؑ عقاب برادر
- معرکہ حق و باطل کا آغاز
- مومنین قریش بمقابلہ کفار قریش
- غزوہ بنی سلیم اور علیؑ علم برادر اسلام
- حضرت علیؑ کے ہاتھوں کفار کے علم برادر کا شہر
- اسد اللہ علم برادر حمراء الاسد
- علیؑ کی غزوہ بنی نضیر میں علم برادری
- حیدر کی شجاعت پر خندق بھی گواہ ہے
- علیؑ قاتل عمرو نوفل
- علیؑ غزوہ بنی قریظہ میں
- غزوات و سرایا میں حیدر ہی مظفر ہیں

باب دوم

شجاعت علیؑ کرم اللہ وجہہ

اہل سنت کے نقطہ نظر سے

حضرت علیؑ کی پرورش اور تربیت

جناب ابوطالب مکہ کے سرداروں میں خاصے مال دار اور مقبول تھے۔ تجارت میں کو نیک نامی اور ایک خاص مقام حاصل تھا۔ وہ اپنے خاندان کی ہاشمی وجاہت و کفالت کرتے رہے۔ ان میں سامی النسل عرب ہونے کے باعث ایک خاص شان اور روایتی رکھ رکھاؤ موجود تھا لہذا انھوں نے اپنی اولاد کی پرورش میں بھی نہ چھوڑی..... گمان غالب ہے کہ حضرت علیؑ نے بچپن میں پوری ہاشمی شان و سے زندگی گزاری۔ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت بھی اس معیار کے مطابق ہوئی کہ ہاشم کی موروثی روایت تھی۔ آپؑ نے بچپن میں تمام معصوم مشاغل میں حصہ لیا۔ بچپن سے جوانی (لڑکپن، نو جوانی) میں داخل ہوئے تو اس وقت عام ہاشموں انہوں نے بھی محنت، طاقت اور مہارت کے مشاغل اختیار کیے۔ انہوں نے کشتی، نیزہ بازی اور اسی وضع کے (دوسرے) فنون میں باقاعدہ دلچسپی لی۔ پھر جب کا شانہ نبویؐ کی سرپرستی حاصل کی تو آہستہ آہستہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ قوت ہونا بھی ایک ضروری امر ہے..... پھر انہیں اپنے عہد شباب میں مسلمانوں کی وقت کے تقاضوں کا شدت کے ساتھ احساس ہونے لگا۔

اس لئے اسلام میں مسلمانوں کو جن مشکلوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا اور جس چھپ کر عبادات کرنا پڑیں اس حوالے سے بھی ان میں زندگی کے بارے میں رعب پیدا ہونے لگا۔ باطن اسلام کی دادی امن و سکون اور فضائے عافیت کے ساتھ ساتھ ظاہر تمام کفار حتیٰ کہ رشتہ داروں اور اہل قرابت کی شدید

- ✽ علیؑ معاہدہ صلح امن کے راقم
- ✽ حیدر و صفدر فاتح خیبر
- ✽ اب علم حیدر کز ار کو ملتا ہے
- ✽ ذوالفقار علیؑ کا کیا کہنا!
- ✽ حضرت علیؑ کا مرحب سے محاربہ
- ✽ خیبر شکن علیؑ
- ✽ فتح مکہ اور حضرت علیؑ
- ✽ علیؑ کا مکار حنین و طائف و طے
- ✽ غزوہ تبوک اور علیؑ بمثل ہارون موسیٰ
- ✽ حضرت علیؑ کی غزوات دسرایا میں مجموعی کارکردگی
- ✽ علیؑ، ممتاز مغازی
- ✽ علیؑ، اسلامی لشکروں کے سپہ سالار
- ✽ امام برحق کا معیار شجاعت
- ✽ علیؑ حق ہے
- ✽ اقبال اور زور حیدری و کزاری

انہوں نے ایک موقع پر جناب رسول خدا سے کہا تھا: اے پیغمبر! تمہیں پوری آزادی ہے کہ تم اپنے دین کی تبلیغ اور ترویج کرتے رہو، کوئی دشمن تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ یہ جناب ابوطالب کے اوصاف ہی کی وراثت تھی کہ حضرت علیؑ نے عبد اللہ بن ابی کو اس کے ساتھ لے دیا تھا: ”اے عبد اللہ! تمہاری باتوں میں نفاق اور منافقت ہے، تمہاری زبان پر کلمہ اور ہے اور دل میں کچھ اور“۔

جناب ابوطالب نہایت مہمان نواز، فیاض اور انصاف پسند ہاشمی تھے، دوسروں کے لیے کچھ کر کے وہ خوشی محسوس کرتے تھے۔ آپ محنت و مشقت کی زندگی کے دلدادہ تھے اور انہیں بھی اوصاف حضرت علیؑ میں موجود تھے۔ آپ بھی (اپنے والد محترم کی طرح) پاک نظر اور حق کی بات کہہ دینے میں کوئی عار محسوس نہ کرنے والے تھے اور اس کے ساتھ ہر طرح کے امور و فرائض کی ذمہ داری بڑی دانش مندی سے محسوس کرتے

شب کی شب اور حضرت علیؑ

حضرت علیؑ مزاجاً اور طبعاً محنتی، ایماندار، ہمدرد، مخلص، راست باز، ذمہ دار، بہادر اور شرف انسان تھے۔ وہ مشکلات سے ہرگز نہیں گھبراتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہجرت کی سبب اللہ کے نبی نے مکہ سے مدینہ جانا چاہا تو پورے اعتماد و وثوق کے ساتھ حضرت کو بستر پر سلا گئے۔ اس وقت حضرت علیؑ کی عمر بائیس تیس سال سے زیادہ نہ تھی لیکن ان کی جرأت اور جسمانی طاقت اُن میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ کسی حملہ یا زحف میں جانے پر وہ اپنا دفاع کرنے کی بھرپور ہمت اور طاقت رکھتے تھے۔ چنانچہ جب کفار مدینہ میں لگے ہوئے تھے اور اپنی تلواریں لیے دروازے پر کھڑے تھے۔ اسد اللہ اس وقت میں بھی حضور نبی کریمؐ کے بستر پر آنحضرتؐ کی سبز چادر اوڑھے بے خوف و ہراس بیٹھے تھے اور پھر جب صبح کفار قریش سے سامنا ہوا تو انہوں نے کسی قسم کی کمزوری

وشمی کا سامنا کرنا پڑتا۔

اہل مکہ اور کفار قریش نے نبی ہاشم کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ شعب ابی طالب میں محصور اور مقید رہنے پر مجبور کر رکھا تھا تو یہ مسلمانوں پر بڑا کٹھن اور مشکل وقت تھا جس میں انہیں شدید آزمائشوں اور مشکلوں کو برداشت کرنا پڑا۔ البتہ دوسری طرف نبی اکرمؐ اور آپؐ کے جانثاروں کا یہاں جبری قیام انہیں اہل قبیلہ سے اخلاقی نیز کئی طرح کی محرمیوں اور کمیوں کی صورت سے آشنا کرانے کے سلسلہ میں ایک نعمت ثابت ہوا اور یوں مسلمان آلام و مصائب کے خوگر بن گئے نیز ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر بدرجہ اتم قربت، اُلفت اور محبت کے جذبوں سے روشناس ہوئے۔ اس دوران میں تمام محصور مسلمانوں میں سے نوجوان، توانا اور مستعد حضرت علیؑ ہی تھے۔ وہ ہر طرح کا کام کرنے میں ہمیشہ پہل کرتے تھے۔ نوجوانی کی ترنگ، جذبہ خدمت کی اُمتگ اور ایثار و قربانی کی نیت سے حضرت علیؑ محنت و مشقت اور طاقت و توانائی والے ہر کام کے کرنے میں ایک طرح کی مسرت محسوس کرتے تھے۔ اس پر مستزاد وہ کسی امر کی بجا آوری کے لیے ہر طرح کی مشکل کو برداشت کر سکتے تھے۔ مشکل کے وقت وہ نہ صرف بدخواہ دشمن کا مقابلہ کر سکتے تھے بلکہ دشمن پر غالب آنے کی اہلیت و قدرت بھی رکھتے تھے۔

اللہ کے رسولؐ کی سرپرستی و نگہبانی اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت حمزہؓ ایسے بزرگوں کی ہمہ وقت معیت اور موانست آپؐ کے لیے بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھانے کے لیے اچھی مثال تھی۔

شیر خدا کو بہادری اور شجاعت کے ساتھ ساتھ کئی اور اوصاف اپنے والد محترم جناب ابوطالبؓ سے ورثہ میں بھی ملے تھے۔ جناب ابوطالبؓ خود بڑے خطیب، شاعر، معاملہ فہم اور نقطہ زنی انسان تھے۔ اُن میں ایک اچھے تاجر کے اوصاف بھی بدرجہ اتم موجود تھے اور ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ بہادری اور شجاعت میں بھی بے مثال تھے۔ یہی وجہ

ظاہر کیے بغیر کفار کو برا بیختہ کر دینے والا جواب دیا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔

حد تو یہ ہے کہ علیؑ ان بھڑے ہوئے دشمنوں کی خون آشام تلواروں کے سائے میں تین دن مزید مکہ میں رہے اور اس دوران میں مکہ کے لوگوں (کافروں) کی جواہراتیں نبی اکرمؐ کے پاس رکھی ہوئی تھیں وہ اہل امانت کے سپرد کیں اور پھر مدینہ کی جانب ہجرت کا قصد کیا۔ اس وقت بھی علیؑ کڑی آزمائش سے گزر رہے تھے۔ اُن کے ہمراہ حضرت اُم ایمنؓ اُن کے لڑکے، ضعیف دے سہارا مومنین اور کم سن بچوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ اس مختصر قافلے کے ساتھ علیؑ صرف رات کے وقت سفر طے کرتے اور صبح کے وقت پوشیدہ ہو جاتے۔ مسلسل سفر کرنے کے سبب آپؐ کے پاؤں پھٹ گئے۔ کئی دنوں کی مسافت کے بعد جب علیؑ مدینہ میں قبا کے مقام پر پہنچے تو سرد عالم نے آگے بڑھ کر انھیں گلے سے لگا لیا۔ علیؑ کے متورم پاؤں دیکھ کر حضورؐ کو ترس آ گیا اور آپؐ اُمید ہو گئے۔ پھر اپنا لعاب مبارک علیؑ کے پاؤں پر لگایا جس سے پائے علیؑ بالکل اچھے ہو گئے۔

مدینہ میں ابتدائی حفاظتی اقدام

سرد کارکنات نے مدینہ پہنچ کر ایک عالمی قومیت کا تصور دیا اور کفار مکہ کے ظلم و ستم سے اس قومیت کو تحفظ دینے کی ہر ممکن کوشش کی۔ آپؐ کفار مکہ آئندہ ہونے والی جنگی کارروائیوں سے بے خبر نہ تھے۔ کفار تو ہجرت حبشہ میں بھی مسلمانوں کا تعاقب کر چکے تھے اور اب ہجرت مدینہ سے تو قطعاً درگزر نہیں کر سکتے تھے۔ ایک طرف مکہ میں ابوسفیان مسلمانوں پر کاری ضربیں لگانے کے منصوبے بنا رہا تھا تو دوسری طرف مسلمان حفاظتی تیاریوں میں مصروف تھے اور حضور نبی اکرمؐ کی ہدایت و نگرانی میں کسی بھی متوقع حملے سے بچنے کے لیے کئی طرح کے اقدامات کیے جا رہے تھے۔ اس موقع پر مسلمانوں کی فوجی تنظیم و تربیت پر توجہ دی اور عسکری انتظامات کرنا شروع کر دیے گئے تھے۔ حضرت علیؑ بھی اس عسکری تربیت دینے اور لینے میں مصروف رہے۔ یوں ہجرت مدینہ کے چند ماہ بعد تک

مسلمان اپنا دفاع کرنے کی اہلیت پیدا کر چکے تھے۔ مدینہ کے یہودیوں کو ساتھ ملانے اور انھیں ہتھکڑیوں کے ساتھ ملانے کی کوششیں بھی کی گئیں۔ اسی اثناء میں قریش کے ایک طاقتور فرد نے بنی جابر فہری نے مدینہ کی بیرونی چراگاہ پر حملہ کر کے کچھ مویشی قبضہ میں لے لیے تو مسلمانوں نے اس چھوٹی سی کارروائی کو بھی محسوس کیا اور حضورؐ کی ہدایت کے مطابق اس حملہ کا تعاقب کیا مگر وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

اسلامی جہاد اور دفاعی کوششیں

یہ وہ عہد تھا جب مسلمان تاریخی اور عملی حیثیت سے ابھر رہے تھے۔ اللہ رب عزت نے اُن کی عزت کے تحفظ اور آبرو میں اضافے کے لیے جہاد اور قتال کا حکم نافذ فرمایا کہ:

”جن مسلمانوں سے جنگ کی جائے انہیں بھی جنگ کی اجازت دی جاتی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم کیے گئے۔ اللہ ان کی مدد کی قدرت رکھتا ہے۔ ان کو صرف اس جرم میں کہ یہ اللہ کو اپنا رب مانتے ہیں ان کے ولیس سے نکالا گیا۔“

اس امر ربانی کے ساتھ ہی نبی معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مسلمانوں کو جہاد و محنت فرمادی کہ اللہ کے راستے میں اللہ کے نافرمانوں سے جہاد کرو اور بدعہدی یا انت نہ کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”کسی قوم کی دشمنی تمہیں عدل سے باہر نہ لے جائے۔ عدل کرنا ہوگا کیونکہ یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔“

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں قیام کے آغاز ہی میں اللہ کے ساتھ امن و سلامتی کا معاہدہ (بیثاق مدینہ) فرمایا۔ اب مسلمانوں کو صرف کفار کی جانب سے خطرہ تھا کہ کسی روز اچانک حملہ آور نہ ہو جائیں۔ اس خطرے کے سبب اہل

شب بردار

جب مسلمانوں کو قریش کے حملے کی جنگی اطلاع ملنے لگیں اور حملے کا یقین ہو گیا تو حضور نبی کریمؐ اپنے ساتھیوں سمیت مدافعت کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ اس مدنی حملے کے آگے آگے دو سیاہ پرچم تھے۔ مہاجرین کا پرچم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھا جس کا خطاب تھا۔ انصار کا علم سعد بن معاذ بلند کیے ہوئے تھے اور رايت مصعب بن عمیر نے لٹکا تھا۔

کم سامان لشکر اسلام روزہ سے تھا۔ سواری کے لیے ۷۰ اونٹ اور صرف دو اونٹ بکریاں تھیں۔ تین تین آدمی ایک ایک اونٹ پر بیٹھے تھے۔ حضرت علیؑ ابولبابہ اور زید بن حارثہ حضور نبی کریمؐ کے شریک مرکب تھے جو حضور رسالتؐ میں بار بار خود پیدل چلنے اور کھڑت کو سوار رہنے کی درخواست کر رہے تھے لیکن آپؐ نے فرمایا:

”نہ تم زیادہ روی میں مجھ سے زیادہ طاقت ور ہو اور نہ میں ثواب حاصل کرنے کے لیے نیاز ہوں۔“

کفار قریش کا لشکر ۱۶ رمضان المبارک کو بدر کے میدان میں پہنچا۔ حضرت علیؑ اس لشکر خود بھی دشمن کی پیش قدمی اور حرکات و سکنات کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہے تھے۔ اس وقت مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے آنحضرتؐ نے حضرت عمارؓ کے ہمراہ زبیر اور سعد کو روانہ فرمایا۔ یوں کفار اور ان کے جنگی ارادوں کے بارے میں معلومات حاصل ہو گئیں۔

میدان بدر مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ میل دور یمن اور شام کی تجارتی شاہراہ پر چھوٹی شکل کا میدان ہے جو چاروں جانب سے ٹیلوں اور پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ جنگی کمر سالار اعظمؐ نے جنگ کے لیے موزوں ترین مقام کا انتخاب فرمایا۔ اس وادی میں پانی کے جتنے چشمے تھے ان پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ مسلمان لشکریوں کی تعداد

اسلام پر دن کا چھین اور راتوں کی نیندیں حرام تھیں۔ مسلمان شب خون کے ڈر سے ہتھیار باندھ کر سوتے اور دستوں کی صورت میں حفاظتی گشت کیا کرتے تھے۔ ان حفاظتی سرگرمیوں میں حضرت علیؑ کی خدمات پیش پیش تھیں۔

علیؑ لوہا بردار بنی

مکہ کے ایک رئیس کرز بن جابر فہری کے مذکورہ قبل حملے (شب خون) اور چراگاہ کے نگران حضرت ذر کو قتل کر کے اونٹ اور بکریاں ہکا کر لے جانے کی اطلاع پر پیغمبر اکرمؐ نے دو سو مسلمانوں کے ساتھ اس کا تعاقب کیا اور اس غزوہ میں اپنا پرچم (لوہائے نبویؐ) حضرت علیؑ کے ہاتھ میں دیا۔ لوہا وہ جھنڈا ہوتا تھا جو نیزے کے ساتھ باندھ لیا جاتا تھا اور یہ بھی روایت تھی کہ لوہا با اعتماد شخص کو عطا کیا جاتا تھا۔ گویا اسلام کے سب سے پہلے غزوے میں لوہائے نبویؐ کو لہرانے اور اس کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری رسول مکرمؐ نے حضرت علیؑ کو عطا کی۔ دشمن کا تعاقب کیا گیا، لیکن وہ بھاگ گیا۔ اس دوران میں پرچم اسلام علیؑ کے ہاتھ میں لہراتا اور بلند یوں کو چھوتا رہا۔

غزوہ بدر میں کردار علیؑ

کرز بن جابر فہری کی اس خاصانہ شرارت سے مسلمانوں پر واضح ہو گیا تھا کہ قریش مکہ مسلمانوں کو مدینہ میں بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ عبداللہ بن ابی کی منافقانہ چالیں بھی کھل کر سامنے آ چکی تھیں۔ نیز مسلمانوں نے قریش کے تجارتی راستوں کی ناکہ بندی اور مزاحمتی کارروائیوں سے جس قوت کا اظہار کیا تھا اس سے کفار مکہ سخت ناراض تھے۔ ابوسفیان کے قافلے کے تعاقب نے انہیں اور بھی آتش پا کر دیا، لہذا کفار قریش نے جلد ہی مدینہ پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اس مقصد سے مکہ میں بھاری رقم جمع کی گئی۔

دشمنوں پر وار کرتے تھے۔
 ”علیؑ شہر خدا نے صفوں کی صفیں اُٹ دیں اور ذوالفقارِ حیدری نے چمک چمک کر
 اعلائے اسلام کے خرمن ہستی کو جلا دیا اور مشرکین کے پاؤں اکٹڑ گئے۔۔۔۔۔ اس طرح
 مسلمان منصور و مظفر ٹھہرے۔
 اس معرکہ میں مجاہدِ اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس بھی شمولیت
 فرما رہے تھے۔ اس موقع پر حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

گھمسان کا رن پڑا تو اکثر شجاع اور دلیر جن میں میں بھی شامل تھا
 مدافعت لڑائی لڑ رہے تھے۔ حضورؐ سب سے زیادہ قوت سے مشرکوں
 کو پیچھے دھکیلتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ جب ہمیں خطرات گھیر
 لیتے تو ہم آپؐ کی پناہ میں آ جاتے۔ آپؐ ہم سب سے زیادہ دشمن
 کے قریب ہوتے تھے۔

اس جنگ میں سبھی مشکور اور بڑے بڑے کفار فی النار ہوئے لیکن صرف چند مہاجر
 اور آٹھ انصار شہید ہوئے۔ دشمن کے تقریباً ۷۰ آدمی واصلِ جہنم ہوئے اور اتنے ہی قیدی
 بنا لیے گئے۔ مقتولین میں گیارہ وہ اشخاص بھی شامل تھے جو مکہ میں حضورؐ کے قتل کی سازش
 میں شریک رہے۔ مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا مالِ غنیمت بھی لگا۔ اس میں سے ایک زرہ
 ایک اُونٹ اور ایک تلوار علیؑ (مشکل کشا) کو ملی۔

مختصر جنگِ بدر میں حضرت علیؑ مسلمانوں کے ہر اول دستے میں سب سے زیادہ
 جوانِ طاہر اور بہادر تھے۔ آپؐ نے گھمسان کے رن میں قوتِ ایمانی کے وہ جوہر
 دکھائے کہ ان کی کہیں اور مثال نہیں ملتی۔

غزوہٴ بنی سلیم اور علیؑ علمِ بردارِ اسلام
 مسلمان ابھی غزوہٴ بدر سے فارغ ہو کر مدینہ میں پہنچے ہی تھے کہ چھ سات روز
 دشمنوں اور بنی غطفان کے لوگ مسلمانوں کے خلاف مجتمع ہو گئے۔ یہ اجتماع مدینہ منورہ
 پر بیاہٹیا نوے میل دور ”الکدر“ کے مقام پر ہوا۔ (کچھ ماہ بعد) جب دشمنانِ اسلام
 نے اکٹھ کی خبر مسلمانوں کو ہوئی اور مقابلے کی تیاری کی خبر ملی تو رسولِ خداؐ نے ان قبائل
 کو بلا ضروری جانی۔ آپؐ نے دو سو مجاہدین کو ساتھ لیا اور ۱۴ محرم سن ۳ ہجری کو الکدر کی
 روانہ ہوئے۔
 اس لشکرِ اسلام کا پرچم حضرت علیؑ اٹھائے ہوئے تھے۔ حضرت علیؑ کی علم برداری
 چند دنوں بعد یہ لشکر الکدر کے مقام پر پہنچا تو مسلمانوں کی یلغار کی خبر پا کر کفار کا یہ
 منہ منستر ہو گیا۔ اسلامی لشکر نے دشمنوں کے قریب پانچ سو اُونٹوں پر قبضہ کر لیا۔ اس مال
 میں سے خمس نکال کر ہر ایک کو دو دو اُونٹ ملے۔ الکدر کے مقام پر تین یوم کے
 بعد یہ لشکر حضرت علیؑ کی علم برداری میں واپس مدینہ پہنچ گیا۔
 اس طرح کے دیگر چھوٹے چھوٹے غزوات میں بھی حضرت علیؑ بڑھ چڑھ کر حصہ
 لے رہے نیز مدینہ منورہ پر کسی طرف سے اچانک حملے کے پیش نظر ہمہ وقت نگرانی د
 ہت کے لیے مستعد رہتے تھے۔
 وہ اُحد میں حضرت علیؑ کے کارنامے
 کفارِ قریش نے جنگِ بدر میں ہونے والی شکست و ہزیمت کا بدلہ لینے کے لیے
 مسلمانوں کو بھاری نقصان پہنچانے کی تمسین کھا رکھی تھیں، لہذا کچھ ہی عرصہ میں انھوں
 نے مدینہ پر شدید حملہ کی تیاریاں کر لیں۔ یوں ابوسفیان بن حرب کفارِ مکہ کی تین ہزار افراد
 کی فوج کو لے کر مدینہ کی جانب نکل کھڑا ہوا۔ اس لشکر میں سات سو زرہ پوش، دو سو
 سوار اور سترہ رجز خوان عورتیں بھی شامل تھیں۔ ڈھول گانے بجانے کے آلات
 سب اور فاحشہ عورتیں ہمراہ لیے یہ لشکر ۵ شوال سن ۴ ہجری کو روانہ ہوا اور کچھ دنوں بعد
 مکہ کے بالمقابل وادیِ ذی الحلیفہ میں اُترنے لگا۔

دشمنوں پر وار کرتے تھے۔

”علیؑ شہر خدا نے صفوں کی صفیں اُٹ دیں اور ذوالفقارِ حیدری نے چمک چمک کر
 اعلائے اسلام کے خرمن ہستی کو جلا دیا اور مشرکین کے پاؤں اکٹڑ گئے۔۔۔۔۔ اس طرح
 مسلمان منصور و مظفر ٹھہرے۔

اس معرکہ میں مجاہدِ اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس بھی شمولیت
 فرما رہے تھے۔ اس موقع پر حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

گھمسان کا رن پڑا تو اکثر شجاع اور دلیر جن میں میں بھی شامل تھا
 مدافعت لڑائی لڑ رہے تھے۔ حضورؐ سب سے زیادہ قوت سے مشرکوں
 کو پیچھے دھکیلتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ جب ہمیں خطرات گھیر
 لیتے تو ہم آپؐ کی پناہ میں آ جاتے۔ آپؐ ہم سب سے زیادہ دشمن
 کے قریب ہوتے تھے۔

اس جنگ میں سبھی مشکور اور بڑے بڑے کفار فی النار ہوئے لیکن صرف چند مہاجر
 اور آٹھ انصار شہید ہوئے۔ دشمن کے تقریباً ۷۰ آدمی واصلِ جہنم ہوئے اور اتنے ہی قیدی
 بنا لیے گئے۔ مقتولین میں گیارہ وہ اشخاص بھی شامل تھے جو مکہ میں حضورؐ کے قتل کی سازش
 میں شریک رہے۔ مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا مالِ غنیمت بھی لگا۔ اس میں سے ایک زرہ
 ایک اُونٹ اور ایک تلوار علیؑ (مشکل کشا) کو ملی۔

مختصر جنگِ بدر میں حضرت علیؑ مسلمانوں کے ہر اول دستے میں سب سے زیادہ
 جوانِ طاہر اور بہادر تھے۔ آپؐ نے گھمسان کے رن میں قوتِ ایمانی کے وہ جوہر
 دکھائے کہ ان کی کہیں اور مثال نہیں ملتی۔

غزوہٴ بنی سلیم اور علیؑ علمِ بردارِ اسلام

مسلمان ابھی غزوہٴ بدر سے فارغ ہو کر مدینہ میں پہنچے ہی تھے کہ چھ سات روز

اس کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ طلحہ زمین پر گر پڑا اور اس کا ستر کھل گیا۔ اگرچہ اس کی زوری اور کسمپرسی کی حالت میں طلحہ کا قتل نہایت آسان ہو گیا تھا لیکن غیرتِ اسد اللہی نے یہ گوارا نہ کیا اور اس کا کام تمام کیے بغیر اسے اسی حالت میں چھوڑ کر پلٹ گئے۔ کفار میں سے عثمان بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھایا تو اسے حضرت حمزہؓ نے گرا دیا اور اس کا بازو کاٹ دیا۔ پھر اسی جھنڈے کو ابو طلحہ بن ابی طلحہ نے اٹھایا تو سعد بن ابی وقاصؓ نے اسے قتل کر دیا۔ دوبارہ طلحہ بن ابی طلحہ نے پرچم اٹھایا تو حضرت علیؓ نے اسے قتل کر دیا۔ علی ہذا کہیں کفار میں سے کئی سورا جھنڈا اٹھاتے اور مسلمانوں کو لاکارتے رہے لیکن مسلمانوں میں سے کوئی نہ کوئی ان کا کام تمام کرتا رہا۔ جب رطاق بن شریح نے پرچم سنبھالا تو اسے علیؓ نے قتل کر دیا۔ پھر ایک حبشی غلام صواب نے پرچم لہرایا تو حضرت علیؓ نے اسے ہوشیاری کے ساتھ اسے بھی فی النار کر دیا۔ اس کے بعد علم کفر زمین پر ہی پڑا رہا اور کسی کو علم اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ جب تمام علم بردار واصلِ جہنم ہو گئے تو کافر منتشر کرنے لگے۔ مسلمانوں نے شدید حملے کیے تو کفار دُور بھاگ گئے۔

اس کیفیت کو دیکھ کر مسلمان سمجھے کہ دشمن پسپا ہو گیا ہے اور وہ مالِ غنیمت میں لپکے گئے۔ تیر اندازوں نے بھی اپنے مقام کو چھوڑ دیا۔ اس موقع پر کفار نے پلٹ کر تازی توڑ مار کر دیا جس سے مسلمانوں کو کافی نقصان پہنچا۔ باوجود اس نازک صورتِ حال کے رسول خداؐ ثابت قدمی کے ساتھ اپنے مقام پر قائم رہے۔ جب اس جنگ میں آپؐ سے صحابہ صحابی حضرت مصعب بن عمیر شہید ہوئے تو لوگوں نے شہادتِ رسولؐ کی افواہ اڑا دی۔ اس افواہ پر مسلمانوں میں بدولی پھیل گئی۔ جلد ہی یہ افواہ جھوٹ ثابت ہوئی۔ رسولؐ خدا بذاتِ خود جنگ آزما تھے۔ دشمن کی جانب سے کئی پتھر آپؐ کے قریب آ کر گر رہے تھے۔ ایک پتھر آپؐ کو لگا تو آپؐ گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔

اس نازک ترین موقع پر حضرت علیؓ نے حضورؐ کو اپنے ہاتھوں پر تھام لیا۔ آنحضرتؐ

اس لشکر کی آمد کی خبر سن کر حضور نبی معظمؐ کی سربراہی میں مسلمان مجاہد بھی مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ آپؐ نے مسلمانوں کو صبر و استقامت سے کام لینے کی تلقین فرمائی۔ مسلمان صفِ بستانہ اللہ کے رسولؐ کے ہمراہ تھے۔ ابتداء میں اسلامی لشکر کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی لیکن ثانوی مرحلے پر عبد اللہ بن ابی منافقؓ نے اپنے تین سو آدمی الگ کر لیے۔ بہر حال اللہ کے نبیؐ کا یہ لشکر کئی زورہ پوش افراد بھی اپنے اندر لیے ہوئے تھا۔ سپہ سالارِ اعظم خود بھی پوری طرح مسلح تھے۔ اس کا علم اسید بن حنظل کے ہاتھ میں تھا، خزرج کا علم خباب بن منذر کے ہاتھ میں اور مہاجرین کا علم حضرت علیؓ ابن ابی طالب کے ہاتھ میں تھا۔ یہ تینوں علم نیزوں پر نصب کیے گئے تھے جنہیں اللہ کے نبیؐ نے خود بنوایا اور تفویض فرمایا تھا۔

میدانِ اُحد میں پہنچے ہی رسول خداؐ نے بہترین جنگی بصیرت کے ساتھ لشکرِ اسلام کی صف بندی فرمائی۔ پہاڑی پر پچاس تیر اندازوں کا ایک اہم دستہ متعین فرمایا اور اُسے ثابت قدم رہنے کی تاکید فرمائی۔ عسکری ہدایات کے بعد آپؐ نے ایک تلوار اٹھائی اور فرمایا: ”کون ہے جو اس تلوار کو اس کا حق ادا کرنے کے لیے لے لے؟“ مختصراً تلوار ابو جہلہ کو ملی (شجاعتِ علیؓ میں اس جملے کے لکھنے کی کوئی تک نظر نہیں آئی۔ مؤلف)

علیؓ و حمزہؓ کے ہاتھوں کفار کے علم برداروں کا حشر

جب فریقین میدانِ اُحد میں صف آرا ہوئے تو کفار مکہ کے کمانڈر ابو سفیان نے لشکرِ اسلام میں سے اوس و خزرج کو پکار کر کہا کہ تم لوگ ہم جدِ برادران کے درمیان سے ہٹ جاؤ، ہمیں خود براہِ راست نبرد آزما ہونے دو۔ اس پر اوس و خزرج کے سربراہوں نے اُسے دھتکار دیا۔ پھر لشکرِ کفار میں سے طلحہ بن ابی طلحہ پرچم لہراتے ہوئے نکلا اور مسلمانوں میں سے کسی کو اپنے مقابلے کے لیے للکارا۔ اسلامی لشکر میں سے معمولی توقف کے بعد حضرت علیؓ میدان میں نکلے اور اس ناہنجار کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ آپؐ نے اپنی تلوار کے دار

بہادری رکھا۔

اس جنگ میں مسلمانوں کو دشمن کی طرف سے جس قتل و زخم کا نشانہ بننا پڑا اس کے علاوہ اللہ کے رسولؐ نے مسلمانوں کو ایک بار پھر جہاد کی تلقین فرمائی اور ڈھارس بندھائی لیکن اور متانت ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم لوگ بکے مومن رہے تو آخر فتح و کامیابی ہوگی۔

عَلَمٌ بَرَدَارٍ حَمَاءُ الْأَسَدِ

حضرات حمزہؓ و علیؓ اور دیگر اصحاب و فادار نے غزوہٴ اُحد میں انتہائی بہادری اور شہادت کا مظاہرہ کیا۔ حضرت علیؓ کا کردار اس جنگ میں بے مثال تھا۔ آپؓ نے جرأت کے ساتھ اپنے ہاتھوں پر دو بارہ حملے کا اندیشہ ہوا کہ وہ اُحد سے لوٹے ہی تھے کہ قریش کی طرف سے مدینہ پر دوبارہ حملے کا اندیشہ ہوا کہ وہ اُحد سے لوٹے والے مسلمانوں پر ایک اور ضرب لگانا چاہتے ہیں۔ اس صورتِ حال سے باخبر پر نبی اکرمؐ مدینہ منورہ سے تقریباً آٹھ میل دُور حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے۔ اس میں بھی لوہائے نبویؐ اٹھانے والے حضرت علیؓ ہی تھے۔ یہاں مسلمانوں کا وہی اُحد کے تین دن قیام پذیر رہا۔ راتوں کو پانچ سو مشعلیں روشن کی جاتی تھیں تاکہ دُور سے نظر آتی رہے اور اس روشنی کو دیکھ کر اور آوازوں کو سن کر دشمن کو مسلمان لشکر کی طرف سے اور عزائم کا پتا چلتا رہے۔ چنانچہ دشمن یہاں سے کچھ ہی فاصلے پر مقیم ہونے کے بعد مدینہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ پس اللہ نے اپنے رسولؐ کے دشمنوں کو ذلیل کر دیا۔

نبی غزوہٴ بنی نضیر میں عَلَمٌ بَرَدَارٍ

یہود کے ایک قبیلے بنو نضیر نے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے مضبوط قلعے بنا لیے

سیدھے کھڑے ہو گئے البتہ پھر گئے سے آپؐ کے نیچے کے چار دندان مبارک شہید ہو گئے۔ آپؐ کا سر اقدس بھی زخمی ہو چکا تھا۔ مسلمان خواتین جو دُشمنوں کی مرہم پٹی اور پانی وغیرہ کا انتظام کر رہی تھیں انہیں جب حضورؐ کی اس حالت کی خبر ہوئی تو وہ میدان میں آ گئیں۔ حضرت فاطمہؓ آپؐ کے زخم دھونے لگیں اور حضرت علیؓ پانی ڈالتے رہے۔

بہر حال جنگ کا نقشہ بدل چکا تھا۔ حضورؐ کے قتل کی افواہ کے باعث مسلمانوں میں جو سراسیمگی پھیلی اس کے بہت سے منفی اثرات بھی ہوئے۔ وہ آپس میں بھی لڑنے جھگڑنے لگے، لیکن جب حضورؐ کی خیر دعائیت اور سلامتی کا علم ہوا تو مسلمانوں نے واپس جاتے ہوئے کفار کا تعاقب کیا مگر وہ اپنی کامیابی کی خوشی میں دُور نکل گئے تھے۔ اس جنگ میں مسلمان شہداء کی تعداد ۷۰ اور مشرکین مقتولین کی تعداد ۲۳ تھی۔

اس جنگ میں بدستور تیر اندازی کرتے ہوئے حضورؐ کی کمان کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ مسلمانوں کو دبانے کے بعد جب کفار کا لشکر مکہ کی طرف واپس جا رہا تھا تو ابوسفیانؓ نے اور اس کے ساتھیوں نے اپنا پیچھا کرنے والے مسلمانوں کو پکار کر کہا تھا: آئندہ سال پھر بدر میں تم سے جنگ ہوگی۔ حضورؐ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ انہیں کہہ دو: ہمارے تمہارے درمیان پھر یہیں جنگ ہوگی۔

بعد ازاں حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: ”جا کر کفار مکہ کا حال دیکھو کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور اب ان کا کیا ارادہ ہے؟ اگر وہ گھوڑوں کو پیدل چھوڑ کر اُونٹوں کو پیدل ہانک رہے ہیں تو مدینہ کا قصد کر رہے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہٴ قدرت میں میری جان ہے اگر انھوں نے مدینہ کا رخ کیا تو میں وہیں پہنچ کر ان سے جنگ کروں گا۔“

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسولؐ خدا کے ارشاد کے مطابق میں کفار مکہ کے تعاقب میں نکلا کہ دیکھوں وہ کیا کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے گھوڑوں کو کوئل کر رکھا تھا اور اُونٹوں پر سوار ہو کر مکہ کی طرف جا رہے تھے۔ آپؐ نے دیر تک کفار کا

مسلمان دشمنی کی انتہا پر تھے، یوں انہیں مسلمانوں کے خون سے پیاس بجھانے کا ارادہ کر رہا تھا۔ اس جنگ میں یہود و قریش نے ایک باقاعدہ معاہدے کے تحت لڑا۔ وہ یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو مدینہ سے نکال باہر کیا جائے گا۔ چنانچہ کفار قریش مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہودیوں، قریشیوں اور ان کی مشترکہ فوج کی تعداد دس ہزار تھی جبکہ مقابلے میں صرف تین ہزار مسلمان تھے۔ انہوں نے دشمنوں کے عزائم کی خبر پا کر اب کی بار مدینہ ہی میں رہ کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے مدینہ کے اطراف میں خندق کھودی گئی۔ ان مجاہدوں نے قریب قریب ۴۰۰ گز لمبی اور ساڑھے دس فٹ گہری اور ساڑھے تیرہ فٹ عریض خندق کھود کر مدینہ کو محفوظ کر لیا تھا۔

اصل عمرو و نوفل

جب دشمنان اسلام مدینہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے ایک نئی ہی صورت حال دیکھی۔ لیکن انہوں نے مدینہ کے قریب پہنچ کر اجتماع کر لیا۔ مسلمان خندق کے اُس پار اپنا کھانا کھاتے رہے اور دشمنوں کی فوج محاصرہ پر ڈٹی رہی۔ قریش لشکری گھوڑوں پر سوار ہو کر خندق کے پار کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ایک مقام سے خندق کی چوڑائی قدرے کم تھی۔ قریش وہاں سے خندق عبور کر کے ایک پہاڑی دلدل میں پھنس گئے۔ حضرت علیؓ ان لوگوں کی ایک جماعت لے کر حملہ آور ہوئے اور کفار نے خندق پار کر کے جس سے پر قبضہ کر لیا تھا اُسے واپس لے لیا۔ خندق پار کرنے والوں میں ایک شخص عمرو بن ابی سفیان تھا جسے ہزار آدمیوں کے مقابلے میں طاقتور سمجھا جاتا تھا۔ عمرو نے خندق پار کرنے کے بعد کہا کہ ایک کا مقابلہ ایک سے ہونا چاہیے۔ لہذا عمرو کے مقابلے میں حضرت علیؓ کے لیے نکلے۔ عمرو حضرت علیؓ سے عمر میں بڑا تھا۔ اُس نے حضرت کو چیلنج کیا اور کہا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں لڑتا چاہتا کیونکہ میں نے تمہیں بچپن میں

تھے۔ یہ قلعہ مدینہ سے چند ہی میل کے فاصلے پر تھے اور یہود کے عزائم اچھے نہ تھے۔ انہیں اپنے وعدوں کی پاسداری کا خیال بھی نہ رہا تھا اور یہ بھی ذمہ تھا کہ مدینہ کے منافقین اور مکہ کے کفار بھی اب اُن کے مددگار ہوں گے۔ چنانچہ حفاظت خود اختیاری اور سیاسی پیش بندی کے لیے اس خطرے سے پہلے ہی نمٹ لیں۔

ربیع الاول ۴ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کو ساتھ لیے قبیلہ بنی نضیر کی طرف روانہ ہوئے۔ اس غزوہ میں بھی لشکر اسلام کا علم حضرت علیؓ کے سپرد کیا گیا۔ جب مسلمان (حضرت علیؓ کی علم برداری میں) بنی نضیر کے میدان میں پہنچ گئے تو دشمنوں نے قلعہ پر چڑھ کر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کر دی۔ مسلمانوں نے ان (امن دشمنوں) کے خلاف جوانی کا رروائی کی۔ اُن کا شدید محاصرہ کر لیا، اس کے ساتھ ہی ارد گرد کے کھجوروں کے باغات کو بھی کٹوا دیا۔ چند دن تک یہ محاصرہ جاری رہا اور بالآخر یہود نے اپنے ساز و سامان کے ساتھ وہاں سے جلا وطن ہونا قبول کر لیا۔ یوں وہ جیسے سو اڈنٹوں پر اپنا سامان لاد کر وہاں سے چل دیئے۔ ان کے چھوڑے ہوئے سامان، زرہوں اور اسلحہ پر قبضہ کر لیا گیا جس میں پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں ملیں۔ وہاں سے ملنے والی دولت مہاجرین میں اس نقطہ نظر سے تقسیم کر دی گئی کہ وہ خود کفیل ہو سکیں اور انصار ان کی مزید ذمہ داری اٹھانے سے سبکدوش ہو جائیں۔

اس غزوہ میں اگرچہ شدید جنگ و جدل کا موقع نہ آیا لیکن محاصرے کے دوران میں بنو نضیر کے بہادر تیر انداز غزوہ کو حضرت علیؓ ہی نے جہنم واصل کیا۔ بنو نضیر کے کچھ لوگ خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔

حیدر کی شجاعت پر خندق بھی گواہی ہے

غزوہ خندق یعنی جنگ احزاب کا واقعہ ماہ شوال سن ۵ ہجری میں پیش آیا۔ بنو نضیر کی جلا وطنی نے یہ رنگ دکھایا کہ انہوں نے قریش مکہ سے ساز باز کر کے انہیں ساتھ ملا لیا۔

اپنے ہاتھوں سے کھلایا ہے۔ لیکن شیر خدا نے فرمایا: میں تو تم سے لڑنا چاہتا ہوں۔ اس پر عمرو نے حضرت علیؑ کے سر پر کھوار کا وار کیا جس سے حضرت کے سر پر معمولی زخم آیا۔ جواباً شیر خدا نے وار کیا تو عمرو کی ایک ٹانگ کٹ گئی۔ وہ لڑکھڑا کر رہ گیا۔ وہ نہایت ہی ماہر اور تجربہ کار تھا۔ اُس ملعون نے اپنی کٹی ہوئی ٹانگ اٹھا کر حضرت پر دے ماری مگر حضرت علیؑ اس کے اس وار سے بھی بچ گئے اور پھر جوابی وار کر کے اسے واصل جہنم کر دیا۔ روایت میں ہے کہ اس دشمن اسلام کی عمر نوے سال تھی اور اس کی لاش دس ہزار درہم کی پیش کش پر مسلمانوں سے حاصل کی گئی۔

عمرو کے ساتھ نوفل بن عبد اللہ بن مغیرہ بھی خندق پار کر چکا تھا جسے مسلمان مجاہدوں نے پتھر مار مار کر گھائل کر دیا تھا۔ اس نے پکار کر کہا: اے جماعتِ عرب! اس نیم جانی سے قتل کر دینا بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے خندق میں اتر کر اس کو بھی فی النار کر دیا۔ جب خندق میں کفار نے تقریباً ایک ماہ تک مدینہ کا محاصرہ کیے رکھا اور فریقین کے درمیان حیر بارانی ہوتی رہی۔ محمد اللہ مسلمانوں کے پاس ایک سال سے زیادہ مدت کے لیے غذائی ذخیرہ موجود تھا۔ لیکن کفار کا ذخیرہ رسد ختم ہو رہا تھا اور وہ محاصرے سے تنگ آ چکے تھے۔ ادھر موسمِ برسات بھی شروع ہو گیا اور اللہ کے حکم سے ٹھنڈی ہوائیں بھی اُنھیں تباہ کرنے لگیں تو وہ مزید انتظار نہ کر سکے اور اپنا ہر طرح کا غرور و تکبر بھول کر دیران صحراؤں میں غلطاں ہو گئے۔ مگر طوفانِ باد و باران نے پھر بھی اُن کا پیچھا نہ چھوڑا۔ یوں مسلمان ہر طرح کے نقصان سے محفوظ رہے۔ صرف مجھے مجاہدین شہید ہوئے جبکہ تین مشرکین قتل ہوئے ان میں سے دو کو حضرت علیؑ ہی نے فی النار واسقر کیا۔

علیؑ، غزوہ بنی قریظہ میں

بنو قریظہ نامی یہودی قبیلہ مدینہ کے پاس ہی آباد تھا۔ اس نے یثاقِ مدینہ میں شامل ہونے کے باوجود عہدِ فتنی کو معمول بنالیا تھا۔ کفار کی جماعتوں کے ساتھ مل جانا اور

خندق پار کر چکا تھا جسے مسلمان مجاہدوں نے پتھر مار مار کر گھائل کر دیا تھا۔ اس نے پکار کر کہا: اے جماعتِ عرب! اس نیم جانی سے قتل کر دینا بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے خندق میں اتر کر اس کو بھی فی النار کر دیا۔ جب خندق میں کفار نے تقریباً ایک ماہ تک مدینہ کا محاصرہ کیے رکھا اور فریقین کے درمیان حیر بارانی ہوتی رہی۔ محمد اللہ مسلمانوں کے پاس ایک سال سے زیادہ مدت کے لیے غذائی ذخیرہ موجود تھا۔ لیکن کفار کا ذخیرہ رسد ختم ہو رہا تھا اور وہ محاصرے سے تنگ آ چکے تھے۔ ادھر موسمِ برسات بھی شروع ہو گیا اور اللہ کے حکم سے ٹھنڈی ہوائیں بھی اُنھیں تباہ کرنے لگیں تو وہ مزید انتظار نہ کر سکے اور اپنا ہر طرح کا غرور و تکبر بھول کر دیران صحراؤں میں غلطاں ہو گئے۔ مگر طوفانِ باد و باران نے پھر بھی اُن کا پیچھا نہ چھوڑا۔ یوں مسلمان ہر طرح کے نقصان سے محفوظ رہے۔ صرف مجھے مجاہدین شہید ہوئے جبکہ تین مشرکین قتل ہوئے ان میں سے دو کو حضرت علیؑ ہی نے فی النار واسقر کیا۔

نکات و سرایا میں حیدرؑ ہی مظفر ہیں

۵ اور ۶ ہجری کے دوران میں مسلمان کئی غزوات و سرایا میں مصروف رہے۔ ان میں حضرت علیؑ بہترین کردار ادا کرتے رہے۔ شعبان ۶ ہجری میں رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو ایک سو مجاہدین کی سرداری دے کر بنی سعد بن بکر کی طرف روانہ کیا۔ ان لوگ مسلمانوں کے خلاف خیبر کے یہودیوں کی مدد کے لیے جمع ہوئے تھے۔ ان

یہی مسلمانوں کے لیے ارد گرد کے دشمنوں سے چھٹکارا حاصل کرنا بہت ضروری تھا لہذا
اسلام نے مسلمانوں کو خیر کی طرف جہاد پر جانے کے لیے بلایا۔

۶ ہجری میں سولہ سو مجاہدین کی فوج خیبر کی طرف روانہ ہوئی جس میں گھڑسوار بھی
تھے۔ حضرت علیؑ پیش پیش تھے۔ مدینہ سے خیبر کا پانچ دن کا فاصلہ اس لشکر اسلام
تین دن میں طے کر لیا۔ خیبر کے یہودیوں نے فوراً اپنے مال اموال اور اہل و عیال
قلعہ سمیہ میں جمع کر لیا۔ مسلمانوں نے شب خون مارنے اور دشمن کی چالوں سے بچنے
کے لیے گرد و اح سے کھجور کے چار سو درخت کاٹ دیئے۔ اسی روز سخت جنگ ہوئی۔ قلعہ
یہود نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے اور اس طرح لشکر یہود اور لشکر اسلام میں سات
دن مسلسل لڑائی ہوتی رہی لیکن یہود کا سب سے بڑا قلعہ فتح نہ ہو سکا۔

حکم حیدر کرتار کو ملتا ہے

غزوہ خیبر کی ابتداء میں اسلامی لشکر کے علم بردار خباب بن منذر اور سعد بن عبادہ
لشکر خیبر میں حضرت علیؑ بھی شریک تھے لیکن آپؑ دو ایک دن تک آشوب چشم میں
تھے۔ ایک صبح حضور نبی اکرمؐ نے آپؑ کو بلا بھیجا اور آپؑ کی آنکھوں پر اپنا لعاب
سجھان لگا کر لوائے نبویؐ آپؑ کے سپرد فرما دیا۔ اس کے ساتھ رسولؐ اسلام نے دعا بھی
فرمائی: ”اے میرے خالق و مالک! علیؑ کو گری اور سردی سے محفوظ رکھنا۔“

حضرت علیؑ علیہ السلام فرماتے ہیں: مجھے اس کے بعد کبھی عارضہ چشم لاحق ہوا اور
نہ گری و سردی کی پروا رہی۔ حضرت علیؑ نے رسولؐ خدا سے سفید رنگ کا علم لیتے ہوئے
فرمایا: ”میں ان یہودیوں سے جنگ کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ وہ ہم جیسے ہو جائیں
(یعنی اسلام قبول کر لیں)۔“

حضور نبی اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”اے علیؑ! اپنا کام نہایت
تانت و وقار سے شروع کر دے اس طرح کہ دشمن کے میدان میں اتر کر پہلے اسلام پیش کر دے

کی خبر لینے کے لیے حضرت علیؑ پہنچے اور بڑی منصوبہ بندی سے چھاپا مارا تو وہ لوگ ڈر کر
بھاگ گئے۔ ان کے ساتھ وہاں کے چرواہے بھی ڈر کر فرار ہو گئے۔ اس طرح مسلمانوں
کے ہاتھ بہت سے جانور لگے۔ ان میں پانچ سو اونٹ اور دو سو بکریاں بھی شامل تھیں۔
حضرت علیؑ اہل اسلام کے لیے یہ سب کچھ لے کر واپس مدینہ پہنچ گئے۔

علیؑ معاہدہ صلح و امن کے راقم

سن ۶ ہجری میں حضور نبی کریمؐ اپنے پندرہ سو ساتھیوں کے ساتھ حج و عمرہ کے لیے
مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اس قافلہ رسولؐ کے پاس صرف سفری حفاظتی ہتھیار
تھے۔ جب اہل قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس قافلہ کو روکنے کی قسمیں کھائیں۔ عین
ممکن تھا کہ آپؐ کے مکہ پہنچنے پر اہل قریش فساد برپا کرتے، لہذا فریقین کی خواہش پر ایک
معاہدہ امن طے پایا۔ جب اسے تحریری صورت دینے کا وقت آیا تو حضورؐ نے حضرت علیؑ
سے معاہدہ تحریر کرنے کے لیے کہا۔ عربوں کے رواج کے مطابق معاہدہ فریقین کے
معروف اشخاص کے ناموں کے ساتھ ہی تحریر کیا گیا۔ اس معاہدے کے تحت فریقین نے
دس سال تک جنگ نہ کرنے کا عہد کیا۔ معاہدہ کے آخر میں تحریر تھا: ”یہ معاہدہ علیؑ بن ابی
طالب نے تحریر کیا ہے۔“

حیدر صفدر فاتح خیبر

مدینہ منورہ سے شام کی جانب چھیا نوے میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس
ریگستانی علاقے میں یہودیوں نے اپنی حفاظت کے لیے کئی قلعے بنا رکھے تھے۔ خیبر کے
یہودی بہت جنگجو اور بہادر لوگ تھے۔ مدینہ سے بھاگ کر آنے والے یہودی قبائل نے
بھی خیبر ہی میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ یہودی لڑائی کے وقت قلعوں کا استعمال کرنا خوب
جانتے تھے۔ ان کے قلعوں کی تعداد سات یا اس سے زائد بتائی جاتی ہے جن کے ساتھ کئی
ذیلی قلعے بھی موجود تھے۔ خیبر کے یہودی مکاری اور دھوکہ بازی میں بھی بہت مشہور تھے۔

اس غزوہ میں ۹۳ یہودی قتل ہوئے اور ۱۵ مسلمان شہید ہوئے۔ علاقے سے مسلمانوں کو بہت سا مال، اجناس اور مویشیوں کے لیے ذخیرہ میسر آیا۔ بہت سا جنگی سامان اور تورات کے کئی نایاب نسخے بھی ملے۔ لیکن یہودیوں کے مطالبہ پر یہ نسخے انہیں واپس کر دیے گئے۔

والفقار علی کا کیا کہنا

حضرت علیؑ اگرچہ جس جنگ میں بھی شامل ہوئے جرأت و بہادری اور طاقت و حکمت کے جوہر دکھائے لیکن غزوہ خیبر میں آپؑ کی شجاعت اپنے عروج کمال پر نظر آتی ہے۔ حضرت علیؑ سے پہلے قلعہ کو فتح کرنے کے لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی ایک بار حملہ کیا لیکن دشمنوں نے جوابی کارروائی کر کے انہیں قلعہ کی دیوار پر چڑھنے نہ دیا۔ پھر حضرت عمر حملہ آور ہوئے لیکن دشمن نے ان کے حملے کو بھی روک لیا۔ لیکن ان کے بعد جب علیؑ ابن ابی طالبؓ نے نہایت زوردار حملہ کیا تو کامیاب و کامران ہوئے۔ جلد ہی انہوں نے دشمن کی صفوں کو چیر ڈالا۔ اس کامیابی پر حضرت علیؑ خود بھی فرط جذبات اور شہیادیت سے بول اٹھے:

”میں علیؑ شہید خدا ہوں میں اللہ کے دشمنوں کا خاتمہ کروں گا۔“

حضرت علیؑ کا مرحب سے محاربہ

مرحب سے حضرت علیؑ کا مقابلہ و محاربہ بڑا دلچسپ اور پُر شکوہ ہے۔ مرحب عربوں کا ایک بہت بڑا جنگجو اور تلوار زنی و نیزہ بازی کا ماہر اور ذہنی تھا۔ اس پر مستزاد اس نے خود کو دہری آدمی زروہوں سے ڈھانپ رکھا تھا۔ ادھر حضرت علیؑ کی خود اور آہنی ڈھال چمک رہی تھی اور ان کے ہاتھ میں پیغمبر اکرمؐ کی تلوار ڈوالفقار تھی۔ حضرت علیؑ اس وقت بھولے اور مضبوط جسم و جان کے مالک تھے اور اس سے بڑھ کر انہیں اپنے اللہ پر کامل ایمان اور بھروسہ تھا۔ ان کے مقابل مرحب یہودی کے ذہن میں اپنی طاقت کا گھمنڈ سمایا ہوا تھا۔

اگر وہ تمہاری دعوت اسلام قبول نہ کریں تو پھر ان سے جنگ کرو۔ خدا کی قسم! اگر حق تعالیٰ تمہارے ذریعے ایک شخص کو بھی ہدایت فرما دے تو یہ تمہارے حق میں سرخ آونٹوں سے بھی کہیں بہتر ہوگا۔“

حضرت علیؑ روانہ ہوئے۔ قلعے کے نیچے پہنچ کر اپنا جھنڈا گاڑا تو قلعہ کے یہودی ان کے مقابلے کو نکلے۔ ان میں سے سب سے پہلے باہر آنے والا مشہور بہادر مرحب کا بھائی حارث تھا۔ حضرت علیؑ نے اُسے جلد ہی قتل کر دیا تو باقی یہودی قلعہ نامم میں منتقل ہو گئے۔

اب مقابلہ کے لیے خود مرحب نکلا۔ اس نے دو زہریلے پھنسیں رکھی تھیں اور اس کے پاس دو تلواریں تھیں۔ دو عمامے باندھ رکھے تھے اور عماموں پر ایک خود اور پتھر باندھے ہوئے تھا۔ ہاتھ میں نیزہ تھا اور تلواریں پہلوؤں میں حائل تھیں۔ مرحب نے حضرت علیؑ پر حملہ کیا۔ آپؑ کے ہاتھ سے ڈھال نیچے گر گئی تو آپؑ نے فوراً قلعہ کے پاس کے ایک دروازے کو اکھاڑ کر ہاتھ میں پکڑ لیا اور اسے اپنے پچاؤ کے لیے بطور ڈھال استعمال کرنے لگے۔ اس طرح آپؑ دروازہ ہاتھ میں لیے برابر دشمن کا مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے یہ قلعہ آپؑ کے ہاتھ پر فتح فرما دیا۔

علیؑ نے مرحب پر وار کیا جسے اس نے ڈھال پر روکا مگر حضرت علیؑ کی تلوار کا بھرپور وار اس کی ڈھال پر پڑا تو اس کے پرچے اڑ گئے۔ اس کی خود والے پتھر اور دو عماموں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اس کا شانہ (بھی) کٹ گیا۔ اس نے اپنی تلوار اپنے دانتوں میں پکڑ لی مگر اس میں مزید مقابلہ کی ہمت نہ رہی اور واصل جہنم ہو گیا۔

حضرت علیؑ کے ہاتھ پر پہلے قلعہ نامم فتح ہوا پھر قلعہ قوص فتح ہوا۔ مسلمانوں اور یہودیوں میں برابر جنگ کے شعلے بھڑکتے رہے اور مسلمان پیہم قلعے فتح کرتے چلے گئے یہاں تک کہ انہوں نے (حضرت علیؑ کی قیادت میں) تمام قلعے فتح کر لیے۔

را حیدر کزار کے سر ہے جنہوں نے اپنی بے مثال جرأت، قوت اور شجاعت سے نیز خدا سے دالہانہ عشق کا نمونہ پیش کرتے ہوئے ان دشمنانِ خدا و رسولؐ کے قلعوں کو فتح اور یوں خیبر شکن کے خطاب سے نوازے گئے۔

مکہ اور حضرت علیؑ

فتح مکہ میں بھی حضرت علیؑ کا کردار مسلمہ ہے۔ کفارِ قریش آپؐ کی شجاعت اور نبی کے کارناموں کو دیکھ دیکھ کر اور سن سن کر بہت خائف ہو چکے تھے۔ جب مکی سردار حنیف صلح حدیبیہ کی مدت بڑھانے اور معاہدے میں مزید استحکام کے لیے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُس نے حضرت علیؑ سے بھی سفارش کروانے کی کوشش کی مگر اُس نے فرمایا:

اے ابوسفیان! تم پر افسوس ہے واللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عمر مایا ہے اس لیے ہماری مجال نہیں کہ آپؐ کے سامنے لب کشائی کر سکیں۔ ابوسفیان حضرت فاطمہؑ سے بھی سفارش کروانے کی کوشش کی مگر مایوس ہوا تو صورتِ حال کی بنا پر آپؐ کے لیے حضرت علیؑ سے کہنے لگا: اے ابوالحسن! میں دیکھ رہا ہوں کہ معاملہ ہمارے لیے شدت اختیار کر چکا ہے۔ پس آپؐ ہی مجھے نصیحت کریں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

اس پر حضرتؑ نے جواب میں فرمایا: ”واللہ میں خود کوئی ایسی تدبیر نہیں جانتا جو تم کو بچا سکے۔ لیکن تم ہی ان کے سردار ہو اس لیے کھڑے ہو جاؤ اور باہم لوگوں میں صلح کی کا اعلان کر دو۔ پھر اپنے شہر کو لوٹ جاؤ۔“ پس اس کے بعد ابوسفیان مسجد میں پہنچا اعلان کرنے لگا: اے لوگو! میں آپس میں صلح کا اعلان کرتا ہوں۔ اس کے بعد ابوسفیان اپنے اُونٹ پر بیٹھ کر مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیکن اس دوران میں مسلمان حضورؐ کی قیادت میں مکہ پر چڑھائی کے لیے ایک جوار لشکر کی تیاری میں مصروف رہے اور پھر اسلامی لشکر مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہ تھا بھی طویل القامت اور ہر طرح سے مسلح اور اُسے کسی نے کبھی شکست سے ہمکنار نہیں کیا تھا۔ وہ اسی فخر و غرور میں سر مست تھا۔

اُس نے حضرت علیؑ سے دوبدو جنگ کے دوران میں وار کرنے میں پہل کی لیکن حضرت اس ملعون کے قوی و شدید وار سے اپنی ذہانت و مہارت کے سبب محفوظ رہے۔ اور پھر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ذوالفقارِ مرجب کے سر پر دے ماری۔ اس کا ریشہ ضرب سے مرجب کا سر دو ٹکڑے ہو کر شانوں سے لڑھک گیا اور اس ملعون کا غرور خاک میں مل گیا۔ اس مقابلے میں حضرت کی آہنی ڈھال ٹوٹ گئی تو آپؐ نے قلعے کے دروازے کو اکھاڑ کر اپنی ڈھال بنا لیا۔ یہ دروازہ بہت بھاری تھا اور لوہے کی پٹھوں سے جڑا ہوا تھا۔ اس دروازے کو اکھاڑنا اور پھر ایک ہاتھ میں اٹھا کر بطور ڈھال اسے استعمال کرنا کسی بھی سو رما کی طاقت و قوت سے باہر تھا۔ اللہ کے شیر نے یہ بھی ممکن کر دکھایا۔ اس منظر کو دیکھ کر اور مرجب کے سر کو دو پارہ ہوتا دیکھ کر یہودی بھاگ کھڑے ہوئے۔ جو تلوار کی زد میں آگئے جہنم رسید ہوئے اور جو پکڑے گئے انہیں قیدی بنا لیا گیا۔

خیبر شکن علیؑ

اسلامی جنگوں میں غزوہ خیبر کئی اعتبار سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور بہت ہی تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ یہودیوں نے خیبر کو ایک مضبوط قلعہ نمائستگی کا روپ دے رکھا۔ یہاں متعدد فوجی قلعے تھے اور پھر ہر قلعے کے ساتھ کئی ضمنی حفاظتی قلعے بھی موجود تھے۔ ان قلعوں کے اندر وافر اسلحہ اور جنگی ساز و سامان بھی موجود تھا۔ خیبر کے یہودی تھے بھی بہت مضبوط اور منظم۔ یہی نہیں خیبر میں مدینہ کے گروہ و نواح کے یہودیوں نے بھی آباد کاری کر لی تھی اور خیبر کے مقامی یہودیوں کے ساتھ اُن کے ملنے سے یہودیوں کی قوت دو چند ہو گئی۔ مدینہ میں بھی کفار کے بعد یہودی ہی مسلمانوں کے لیے بہت بڑا خطرہ تھے۔ چنانچہ وادی خیبر پر غلبہ اور تسلط حاصل کرنا مسلمانوں کے لیے ناگزیر تھا۔ اس مہم کی کامیابی

دیا۔ حنین مکہ سے تین دن کے فاصلے پر ہے۔ لشکرِ اسلامی کی رداگی کی خبر پا کر اہل حنین جنگ کی تیاری کرنے لگے تھے۔ اس سلسلے میں قبیلہ ہوازن، ثقیف اور بنو نضیر نے اتحاد کر کے بڑی جمعیت بنالی تھی۔ بعد میں ان لوگوں کے ساتھ بنو سعد بن مکر بن ہشم کے لوگ بھی آ کر شامل ہو گئے۔ اس طرح لشکرِ کفار کی تعداد ۲۰ ہزار کے قریب قریب تھی اور ان میں سے سب سے بہتر تیر انداز قبیلہ ہوازن کے لوگ تھے۔ ان کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کا لشکر ۱۲ ہزار افراد پر مشتمل تھا جن میں سے ۱۰ ہزار مدینہ سے مکہ آنے والے اور ۲ ہزار وہ لوگ تھے جو فتح مکہ پر اسلام لے آئے تھے۔ اس موقع پر مہاجرین کا علم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھا۔

دشمن حنین کے مقام پر جنگِ دادیوں میں چھپ گئے تھے لہذا جب مسلمان دادی حنین میں داخل ہوئے تو ان پر اطراف و جوانب سے حملہ ہو گیا۔ مسلمانوں نے جوابی حملہ کر کے دشمن کو بھاری نقصان پہنچایا لیکن جنگ اُحد کے لشکر کی طرح لوگوں نے مالِ غنیمت لوٹنا شروع کر دیا۔ اس اثناء میں دشمن نے ایک بار شدید حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا اور پسپا ہونا پڑا۔ اس افراتفری اور پسپائی کے عالم میں بھی حضرت علیؑ اور حضورؐ کے دیگر قریبی ساتھی ثابت قدم رہے۔ اللہ کے رسولؐ نے مسلمانوں کو دوبارہ جنگ کے لیے بلایا اور گھمسان کا رن پڑا۔ اب دشمن شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ قبیلہ ہوازن کے سردار اور سپہ سالار مالک بن عوف نے اسلام قبول کر لیا۔ مالِ غنیمت انہیں ہی تفویض کر دیا گیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے بہت سے مردوں اور عورتوں کو اسیر بھی بنالیا تھا۔ غزوہ حنین کے بعد اسی سال غزوہ طائف ہوا۔ اس کے بعد حضورؐ مدینہ منورہ پہنچے اور چند قبائل اور افراد کی جانب چھوٹی چھوٹی مہمیں بھجوانے کا اہتمام کیا۔ اس مقصد کے لیے مجاہدین کے چھوٹے چھوٹے دستے بنائے گئے اور پھر انہیں روانہ کیا گیا۔ قبیلہ کُے لوگ فلس نامی ایک بت کی پوجا کیا کرتے تھے اور نجد کے ایک حصے میں آباد تھے۔ حضورؐ

اسی اثناء میں بنو اسد کے حلیف حاطب بن ابی بلتعہ بدری نے قریش کو ایک خفیہ خط لکھا۔ اس خط میں مکہ پر مسلمانوں کی یلغار کی خبر دی گئی تھی۔ سارہ نامی ایک عورت یہ خط خفیہ طور پر مکہ پہنچانے پر مامور تھی جس نے اس خط کو اپنے بالوں کی مینڈھیوں میں چھپا رکھا تھا۔ حضورؐ کو بذریعہ وحی اس خط سے آگاہی ہوئی تو حضرت علیؑ اور زبیر بن العوامؓ کو اس کے پیچھے روانہ فرمایا۔ نیز فرمایا کہ تم جا کر اس عورت کو تلاش کرو اور اس خط کو حاصل کر کے اسے جانے دو۔ علیؑ و زبیرؓ نے اسے تلاش کر کے اونٹ سے اترنے کو کہا اور کجاوہ کی تلاش لی لیکن وہاں سے مطلوبہ خط حاصل نہ کر سکے۔ اس کی ہوشیاری و چالاکی پر حضرت علیؑ نے فرمایا: میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ رسولؐ خدا نے ہمیں جھوٹی خبر نہیں دی ہے اور نہ ہم نے جھوٹ بولا ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم وہ چھپا ہوا خط نکال کر ہمیں دے دو۔ چنانچہ اس نے اپنی مینڈھیوں کو کھول کر خط آپؐ کے حوالے کر دیا۔

مکہ پر یلغار کا بنیادی مقصد اسلام کی فردی قوت کا مظاہرہ اور دشمن کو خائف و مرعوب کرنا تھا۔ حضور نبی کریمؐ کو جب خدشہ ہوا کہ مسلمان قریش پر حملہ نہ کر دیں تو آپؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ حضرت سعد سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے قیس بن سعد بن عبادہ کو دے دو۔ حضرت علیؑ نے فوری طور پر اس حکم پر عمل کیا۔ اس کے ساتھ ہی رسولؐ رحمتؐ نے جملہ سردارانِ لشکر کو حکم دیا کہ جنگ سے باز رہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر رسولؐ خدا نے چونکہ سب اہل مکہ کو معاف فرما دیا تھا اور انہیں آزاد کر کے چھوڑ دیا تھا اس لیے انہیں طلقاء یعنی چھوڑے ہوئے بھی کہا جانے لگا۔ اسی لیے حضرت علیؑ نے امیر معاویہؓ سے فرمایا تھا کہ مکہ والے فتح کے حوالے سے ایک طرح مالِ غنیمت کا درجہ رکھتے تھے لیکن انہیں طلقاء قرار دے دیا گیا یعنی چھوڑ دیا گیا۔ پس آقاؐ اور آزاد کردہ غلام برابر نہیں ہوتے۔

علیؑ کا مگار حنین و طائف و طے

مکہ سے واپسی پر رسولؐ خدا نے لشکرِ اسلام کو دادی حنین کی طرف بڑھنے کا حکم

مزید گرمی اور قحط کی حالت میں ہونے کے باوجود لوگوں کو دعوتِ جہاد دی اور انہیں ان کی منزل بتائی۔ یہ بہت کٹھن اور مشکل دور تھا اس کے علی الرغم مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس موقع پر حضور نبی اکرمؐ نے اپنے غیاب میں اپنے خاندان کی حفاظت و خبر گیری حضرت علیؑ کے سپرد فرمائی اور انہیں مدینہ منورہ ہی میں چھوڑ گئے۔ چونکہ حبوک کی سمت جہاد کے لیے بڑھنے کا اعلان نہایت کٹھن، دشوار اور نامساعد حالات میں ہوا تھا اس لیے کچھ منافقین نے اس جہاد پر جانے کے لیے حیلے بہانے اور عذر پیش کرنے شروع کر دیے جن میں سے عبداللہ بن ابی پیش تھا اور اس اعلانِ جہاد کو بے موقع کارروائی قرار دے رہا تھا۔ اس توہینِ رسولؐ کے ساتھ ساتھ منافقین نے حضرت علیؑ کی شان میں بھی گستاخی پر مبنی کلمات کہے اور انہیں مدینہ میں چھوڑ جانے کے حوالے سے پروپیگنڈہ کیا۔ یہاں تک کہ حضرت علیؑ کی اس پروپیگنڈہ پر یہ حالت ہو گئی کہ آپؑ نے مدینہ میں رہنا عذاب سمجھنا شروع کر دیا۔ منافقین نے یہاں تک بکواس کی کہ حضرت علیؑ کا جنگ میں جانا ایک بوجھ تھا اس لیے حضورؐ انہیں ساتھ نہیں لے کر گئے۔ حضرت علیؑ ان باتوں پر اس قدر رنجیدہ ہوئے کہ جلد ہی جنگی ہتھیار باندھ کر حبوک کی جانب روانہ ہوئے اور مدینہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر جرف کے مقام پر آنحضرتؐ سے آ ملے۔

حضورؐ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے آپؑ کی پریشانی کو بھانپ لیا اور آپؑ کو منافقوں کی طرف سے ملنے والی اذیت کو دور کرنے کے لیے فرمایا:

”اے علیؑ! وہ لوگ سراسر جھوٹ بولتے ہیں۔ میں نے تمہیں اپنے خاندان کی خبر گیری کے لیے چھوڑا ہے۔ پس واپس چلے جاؤ اور میرے اور اپنے خاندان کی نگرانی کرنے میں میری نیابت کرو۔“

رسولؐ خدا نے مزید فرمایا:

”اے علیؑ! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے ایسے ہی قوت

نبی کریمؐ بت پرستی کے خاتمے کے لیے آئے تھے لہذا ۹ ہجری ربیع الآخر کے مہینے میں حضرت علیؑ کو ایک چھوٹا سادہ دے کر فلس کی تہذیب کے لیے روانہ فرمایا۔ اس فوج کشی میں حضرت علیؑ کی کمان میں ڈیڑھ سو انصار بھیجے گئے تھے جو ایک سو شتر سواروں اور پچاس گھڑ سواروں پر مشتمل تھے۔ حضرت علیؑ کے ساتھ اس موقع پر ایک بڑا سیاہ پرچم اور ایک چھوٹا سفید پرچم تھا۔ حضرت نے فوج کشی سے پہلے ہی اس علاقے کے بارے میں بہت زیادہ معلومات حاصل کر رکھی تھیں۔ اس لیے فجر کے وقت ہی پوری ہستی کو گھیرے میں لے لیا گیا اور اس کے فوراً بعد فلس کو توڑ پھوڑ کر نیست و نابود کر دیا گیا۔ اپنے سب سے بڑے بت کے منہدم ہو جانے پر وہاں کے لوگوں نے اپنے آپ کو حضرت علیؑ کے سپرد کر دیا۔ بے شمار مردوں اور عورتوں کو اسیر بھی بنا لیا گیا۔ یہاں سے چاندی کے زیورات اور مویشی بھی بطور مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ اسیروں میں حاتم طائی کی بیٹی سفانہ بھی شامل تھی۔ حضورؐ نے قیدیوں کے مدینہ پہنچنے پر اس کے ساتھ بہتر اور باعزت سلوک کیا جس سے وہ مسلمان ہو گئی۔ سفانہ کا بھائی عدی جو پہلے بھاگ گیا تھا وہ بھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ حضورؐ نے حاتم طائی کے قبیلے سے حاصل ہونے والا سارا مال واپس کر دیا اور اس کے اسیروں کو بحفاظت واپس بھیجنے کا اہتمام فرمایا۔ یوں قبیلہ طے کے ایک پرانے بت خانے میں تعلیماتِ اسلام کو پھیلانے کا سہرا حضرت علیؑ کے سر رہا۔ رقم ہے کہ اس فوج کشی میں حضرت علیؑ کو تین تلواریں، سوب، مخزم اور سیف یمانی اور تین زرہیں مالِ غنیمت میں سے حصہ کے طور پر ملیں۔

غزوہ حبوک اور علیؑ بمثل ہارونِ موسیٰؑ، جانشینِ محمدؐ

غزوہ حبوک رجب ۹ ہجری میں واقع ہوا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری غزوہ ہے۔ اس غزوہ کی وجہ یہ تھی کہ شاہ روم نے شام میں بہت زیادہ فوج کر لی تھی اور مسلمانوں کے لیے بہت بڑا خطرہ بن گیا تھا۔ حضورؐ نے اس خطرے سے نمٹنے کے لیے

کئی جنگوں کے آغاز میں فرداً فرداً محاربہ ہوتا تھا، حضرت علیؑ نے ان دو بدو محاربوں کو اپنے مد مقابل پر ہمیشہ فتح حاصل کی۔ یہ ابتدائی محاربہ کسی جنگ کا خلاصہ ہوتا ہے اور ہے حضرت علیؑ ہی جیت کر لشکر اسلام کی فتح کو یقینی بنا دیتے تھے۔

مختصر یہ کہ لشکر اسلام کے اس سب سے بڑے مجاہد اور سپہ سالار نے سب سے زیادہ دشمنان دین کو قتل کیا۔ اُن میں ایسے سورا بھی شامل تھے جو ہزار ہزار افراد کے برابر تھے۔

حضرت علیؑ اسلامی لشکروں کے سپہ سالار

کسی جنگ میں علم عموماً سب سے بہادر شجاع اور قوی و تجربہ کار جنگجو کو دیا جاتا ہے اور وہ علم بردار ہی سپہ سالار کہلاتا ہے۔ اس کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ہر حال میں علم کو بلند رکھے اور اس کی حفاظت کرے نیز دشمن پر کاری ضروری لگائے۔ حضرت علیؑ کو حضور نبی اکرمؐ نے اکثر و بیشتر غزوات میں خود اپنے دست مبارک سے علم دیا اور حضرت علیؑ ہمہ وقت علم برداری اور سپہ سالاری کی لاج رکھتے میں کامیاب رہے اور کامیاب کیوں نہ ہوتے وہ اللہ کے شیر اور اللہ کا ہاتھ تھے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ

غالب و کار آفریں کار کشا و کار ساز

(اقبال)



بازو بنو جیسے ہارون موسیٰ کے تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آنے والا۔

یوں حضرت علیؑ کی رنجیدگی کا ازالہ اور تسلی و تشفی کا سامان ہوا۔ تب تک پہنچ کر لشکر اسلام میں دن تک مقیم رہا لیکن دشمن سے مقابلے کی نوبت نہ آئی لہذا رسول خدا اسلامی لشکر کو ہمراہ لیے واپس مدینہ پہنچ گئے۔

حضرت علیؑ کی غزوات و سرایا میں مجموعی کارکردگی

حضور نبی کریمؐ کی زندگی میں ۲۷ غزوات اور ۴۷ سرایا وقوع پذیر ہوئے۔ سرایا چونکہ ایسی مہم کشی کو کہتے ہیں جس میں رسول اکرمؐ نے بذات خود شرکت نہ فرمائی بلکہ مختلف صحابہ کو روانہ فرمایا۔ چنانچہ تمام غزوات جن میں سے اٹھارہ میں تلوار کا استعمال نہ ہوا اور نو میں تلوار کا استعمال ہوا۔ میں حضرت علیؑ کا کردار نہایت فعال تھا۔ آپؑ نے ان غزوات میں بہت پُر جوش حصہ لیا۔ ان میں سے اکثر غزوات میں لوائے نبویؐ حضرت علیؑ کے ہاتھ میں رہا۔ کئی غزوات میں آپؐ مہاجرین کے علم بردار ٹھہرے اور یوں اسلام کی زبردست خدمت انجام دی۔

علیؑ ممتاز مغازی

مغازی الرسول میں حضرت علیؑ علیہ السلام کا کردار اور عمل مجاہدین کے مقابلے میں سب سے زیادہ اعلیٰ اور ممتاز رہا۔ ہر جنگ میں حضرت علیؑ شمع رسالت کے سب سے قریب رہنے والے پروانے تھے۔ غزوات نبویؐ میں جب چند مواقع پر لشکر اسلام کو نقصان اٹھانا پڑا اور پسپائی سے دوچار ہونا پڑا تو اس نازک صورت حال میں بھی جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے علیؑ اُن سب ہی سے ممتاز دکھائی دیتے ہیں۔ آپؑ خانوادہ رسولؐ میں سے تھے۔ حضرت حمزہؓ کی زندگی میں آپؑ اُن کے شانہ بشانہ رہے اور غزوہ احد میں اُن کی شہادت کے بعد بھی لشکر اسلام میں آپؑ کا رتبہ سب مجاہدین سے ممتاز نظر آتا

امام حق کسے باشد کہ بر کند او در خیر
نمی گفتش کہ یا حیدر نگہ بانت خدا باشد

امام برحق دہی ہے کہ جس نے قلعہ خیبر کا (بھاری) دروازہ توڑ دیا اور جسے
خیبر کی طرف جاتے ہوئے رسول خدا نے کہا: یا علی! جاؤ خدا تمہارا نگہبان
ہے۔ (خولجہ غریب نواز)

علی حق ہے

۲۰ مارچ ۱۸۸۹ء کو سر سید کا سید حسین بلکرای کے نام خط

”میں تو ان صفات کو جو ذات نبوی میں جمع تھیں دو حصوں پر تقسیم کرتا ہوں:
ایک سلطنت اور ایک قدوسیت۔ اول کی خلافت حضرت عمر کو ملی دوسری کی
خلافت حضرت علی و آئمہ و اہل بیت کو مگر یہ کہہ دینا تو آسان ہے مگر کس کو
جرات ہے کہ اس کو لکھے۔ حضرت عثمان نے سب چیزوں کو غارت کر دیا۔
حضرت ابو بکر تو صرف برائے نام بزرگ آوی تھے۔ بس میری رائے میں
ان بزرگوں کی نسبت کچھ لکھنا اور مؤرخانہ تحریروں کا زیر مشق بنانا نہایت
نامناسب ہے۔ جو ہوا سو ہوا جو گزرا سو گزرا۔“ (خطوط سر سید ص ۱۳۹)

سید ابوالاعلیٰ سودوی فرماتے ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہر حال
غلط ہوتا ہے خواہ وہ کسی نے کیا ہو۔ اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازی سے صحیح
ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے
کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے۔ (خلافت و ملوکیت)



امام برحق کا معیار شجاعت

[اولیائے اہل سنت کی نظر میں]

کفار خارجی را باور مکن اگر چه
قال الرسول گوید کذب است قال و قبیلش
”علی کے دشمن کی باتوں کا یقین نہ کرو چاہے وہ یہ کہے کہ رسول اللہ نے یہ
فرمایا ہے یہ سمجھو کہ وہ بالکل جھوٹا ہے۔“

شیر خداست حیدر نسبت کجا توان کرد
با آن کہ روزی بیجا بودند چوں شفاش
”علی خدا کے شیر ہیں آپ کا ان لوگوں سے کیا مقابلہ جو میدان جنگ میں
گیدڑ بنے ہوئے تھے (یعنی بھاگنا چاہتے تھے)۔“

(نظام الدین اولیاء)



امام حق کسے باشد کہ روز غزوة الخندق
بکشت آں عمرو کا فر را کہ تاویں بر ملا باشد
”امام برحق وہ ہے جس نے جنگ خندق میں عمرو ابن عبدود کو جہنم واصل کیا
(کل ایمان کا لقب پایا) اور دین کو بر ملا فرمایا۔“

امام حق کسے باشد کہ گر صف آید از عمر
نہ اندیشد سرموئے چو در عین غزا باشد
”امام برحق وہ ہے کہ اگر عین جہاد میں عمر ایک جہوم کے ساتھ آجائے تو بال
برابر ہر اسان نہ ہو۔“

میرے لیے ہے فقط زورِ حیدرؑ کافی
ترے نصیب افلاطون کی تیزیِ ادراک



ہے یقینِ مُردہ تو ہے سنگ بھی بدر
ہو یقینِ زندہ تو پھر حیدرِ گزار ہے تو



تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے
شہرِ قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے
توڑے مخلوقِ خداوندوں کے پیکر کس نے
کاٹ کر رکھ دیئے کفار کے لشکر کس نے



کہیں یہ رحمۃ اللعالمینؐ ہے
کہیں مولا علیؑ خیرِ ممکنِ عشق



نہ ستیزہ گاو جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ قلن نئے
وہی فطرتِ اسدِ اللہؐ وہی مرجی وہی عسری



اقبال اور زورِ حیدری و کزاری

دلوں کو مرکبِ مہر و وفا کر
جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے
حرمِ کبریا سے آشنا کر
اسے بازوئے حیدرؑ بھی عطا کر



خدا نے اُس کو دیا ہے شکوہِ سلطانی
کہ جس کے فخر میں ہے حیدری و کزاری



تیری خاک میں ہو اگر شر تو خیالِ فخر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شمع پر ہے مدارِ قوتِ حیدرؑ



دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیرِ اولیٰ
ہو جس کی فقری میں بوئے اسدِ اللہؐ



امارت کیا شکوہِ خسردی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زورِ حیدریؑ تجھ میں نہ استغنائے سلمانی



بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکہٴ دین و وطن
اس زمانے میں کوئی حیدرِ گزار بھی ہے



مشمولات

- ✽ عہد نبویؐ کے غزوات
- ✽ غزوہ بدر
- ✽ حضرت علیؑ بدر کی پیش بندی میں
- ✽ حضرت علیؑ کا قریش کے سقوں کو گرفتار کرنا
- ✽ علیؑ رایت بردار بدر
- ✽ علیؑ فاتح بدر
- ✽ جنگِ مغلوبہ اور کردارِ علیؑ
- ✽ غزوہ اُحد
- ✽ علیؑ رایت بردار اُحد
- ✽ چمکی حیدر کی تلوار
- ✽ جس نے علم بردارانِ قریش کو تیغ کیا وہ علیؑ تھے
- ✽ علیؑ محاذِ نبیؐ
- ✽ یا علیؑ! انہیں روکو
- ✽ لافٹی الاعلیٰ
- ✽ غزوہ بنی نضیر اور شجاعتِ علیؑ
- ✽ علیؑ علم بردارِ اسلام
- ✽ غزوہ احزاب (جنگِ خندق)

باب سوم

علیؑ الشیخ العرب

الامام الشیخ فرزندِ دہلیا میں حضرت علیؑ کا عالی کردار

علیٰ الشجع العرب

(ازراہ تشبیح غزوات و سرایا میں حضرت علیٰ کا مثالی کردار)

”حضرت علیؑ نے تبوک کے علاوہ تمام جنگوں میں پورے جوش و دلولہ سے حصہ لیا اور اپنی خدا واد قوت سے دشمنوں کے پرے اُلٹے مگر کسی مرحلہ پر نہ کسی بھاگنے والے کا پیچھا کیا نہ کسی زخمی پر ہاتھ ڈالا اور نہ کسی کی پردہ دری کی اور تاریخ میں ایسی مثالیں چھوڑ گئے جنہیں ہمیشہ اسلام کی اصول پرستی، صلح پسندی اور امن دوستی کے ثبوت میں پیش کیا جاتا رہے گا۔“ (علامہ مفتی جعفر حسین علی اللہ مقامہ)



بھلا جو مورخ رسولؐ کی فضیلت یا حقانیت کو وثوق و اطمینان کے ساتھ بیان نہ کرنا چاہتا ہو وہ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کے کسی کارنامہ بلکہ ان کے سوا دوسرے کچھ مسلمان سپاہیوں کی بھی جانبازی اور بہادری کا بیان کس طرح سے پسند کر سکتا ہے۔“ (علامہ سید علی نقی علی اللہ مقامہ)



علامہ سید محسن امین عالمی کہتے ہیں کہ سیرت حلبیہ میں غزوات کی تعداد ستائیس

- ✽ اشجع العرب بمقابلہ عماد عرب
- ✽ بوقت جنگ علیؑ لباسِ نبیؐ میں
- ✽ کھل ایمان کھل کفر کے مقابلے میں
- ✽ علیؑ کی ضربت عبادتِ ثقلین سے افضل ہے
- ✽ علیؑ سپہ سالارِ غزوہٴ بنی قریظہ
- ✽ خدا کی قسم! قلعہ فتح کر کے رہوں گا
- ✽ علیؑ قاتلِ خنی
- ✽ غزوہٴ خیبر
- ✽ اس سے پہلے جو آئے میدان میں.....
- ✽ حیدرؑ کزار و غیر قرار کی آمد
- ✽ علیؑ فاتحِ خیبر
- ✽ رزم ہائے علیؑ کے ذکرِ مزید کی کاوش

قوت حیدر گزار وہاں ملتی ہے
آہنی در بھی جہاں کاغذی در ہو جائے



مرحب کو جس نے ہل میں تیر تیغ کر دیا
اسلام کو اسی کی شجاعت پہ ناز ہے



کوثر یہ بات غزوہ خیبر بتا گیا
دین خدا ہے ناد علی کے حصار میں
(کوثر زیدی)



ہنر پہ علم دین کا گاڑا کس نے
لکار کے مرحب کو پچھاڑا کس نے
اصحاب پیبرؐ سبھی موجود تھے لیکن
بولو! در خیبر کو اکھاڑا کس نے

بتائی گئی ہے اور تفصیل جو بتاتی ہے اس میں اٹھائیس ہوتے ہیں۔ اس ترحیب
سے غزوہ بدر چوتھا قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح کہ ① بواط ② عثیرہ ③
سفوان ④ بدر الکبریٰ (اعیان الشیعہ ج ۲ ص ۱۵۰)۔ ان کے درمیان میں
تین چار سریوں کا ذکر ملتا ہے اور یوں مجموعی طور پر بدر کا نمبر جنگی کارروائیوں
میں تقریباً ساتواں پڑ جاتا ہے۔ (تاریخ اسلام ص ۱۶۶)



جہاد بدر و احد ہو کہ خندق و خیبر
خدا کا شیر سدا کامیاب آیا ہے



فتح اسلام پہ جس وقت کہیں بات ہوئی
لب تاریخ پہ حیدر ہی کا نام آیا ہے



جہاد حق میں علمدار اس کو کہتے ہیں
کہ جس کو لافتی إلا علی خطاب آئے



علی جو غزوہ خیبر سے کامیاب آئے
رموز ناد علی مثل انقلاب آئے



اکھاڑ کر در خیبر علی نے بتلایا
زمانے والو یہ دو انگلیوں کی طاقت ہے



جنگ نہ کیا جاتا تو اُن کی ملتی بھا خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ اگرچہ اسلام امن و سلامتی کا داعی و آشتی کا پیامبر ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دشمنوں کی چہرہ دستیوں اور انگلیوں کو دیکھتے ہوئے بھی خاموش رہا جائے اور انہیں اپنی من مانی کارروائیاں کرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا جائے۔ اللہ رب العزت نے مظلوم اور ستم رسیدہ لوگوں کو یہ حق دیا کہ وہ دشمن کی بڑھتی ہوئی جارحیت کے اسناد اور اپنے جان و مال کے تحفظ کے لیے ملتی جدوجہد کریں۔ مسلمان تو اس وقت انتہائے مظلومیت پر تھے اور اُن سے جینے کا حق نہ تھا۔ چھین لیا گیا تھا، لہذا اُن کے لیے جنگ کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ ویسے بھی جنگ کی مورد الزام وہی ٹھہرتا ہے جو دوسرے پر جنگ مسلط کرتا ہے، انسانی حقوق کو پامال کرتا ہے، چہرہ دہتی کرتا ہے اور کمزور و ناتواں لوگوں کو اپنے ظلم کا نشانہ بناتا ہے۔ اپنے حقوق کا تحفظ کرنے، فتنہ و فساد کے اسناد اور اعتقاد و عمل کی آزادی کے لیے دشمن سے ٹکرانا ہرگز مورد الزام قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اسلام بنیادی طور پر حرب و پیکار سے متنفر اور خونریزی کے مخالف ہے اور تمام عالم کے لیے امن و سلامتی کا مظہر ہے جیسا کہ لفظ اسلام ہی سے ظاہر ہے جو ”مسلم“ سے مشتق ہے جس کے معنی امن و سلامتی اور صلح کے ہیں۔ رنگ و نسل اور اعتقاد کے اختلاف کی بنا پر کبھی اور صرف آرائی اسلام میں قطعاً مذموم ہے۔ اسلام تو صرف دو صورتوں میں جنگ کی اجازت دیتا ہے۔

① یہ کہ دشمن مسلمانوں کے استیصال کے لیے مرکز اسلام پر حملہ آور ہوا ہو اور جنگ کے بغیر جان و مال اور ناموس کا تحفظ ممکن نہ ہو۔

② یہ کہ دشمن جنگی تیاریوں میں مصروف ہو اور ڈھیل دینے کی صورت میں اس کی عسکری قوت اور مادی وسائل کے بڑھ جانے کا خدشہ ہو۔

پیغمبر اسلام نے بھی انہی دو صورتوں میں علم جنگ بلند کیا اور مسلمانوں کو اجازت دی کہ وہ حیات ملتی اور حفاظت خود اختیاری کے قیام و بقا کے لیے دشمن سے لڑیں۔ مسلمان

عہد نبویؐ کے غزوات

ظلم کی انتہا دیکھیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت کے تیرہ سال بعد تک مشرکین کے مظالم سہتے سہتے جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو کفار و مشرکین نے وہاں پر بھی آپ کا پیچھا نہ چھوڑا بلکہ اپنے منصوبوں کی ناکامی پر اور بھی بیچ و تاب کھاتے ہوئے فتنہ و شورش کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں کو در بدر کرنے کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ اسلام کی خوشبو مدینہ و مضافات مدینہ میں پھیل رہی ہے تو وہ اسلام کی توسیع و ترقی کو روکنے کے لیے جنگ و جدل پر اتر آئے اور اپنی طاغوتی طاقت سے دین خدا کو کچلنے کا تمہیہ کر لیا۔ ادھر رسول اکرم قریش کی شرانگیزیوں کے باوجود بھی رزم و پیکار سے اجتناب چاہتے تھے، لہذا قبائل یہود سے صلح دامن کا تحریری معاہدہ کیا گیا اور قریش کی زیادتیوں کو نظر انداز کرتے رہے۔ آپؐ نے مسلمانوں کو جنگ اور لڑنے بھڑنے کی اُس وقت تک قطعاً اجازت نہ دی جب تک کہ قریش و یہود نے آپؐ پر جنگ مسلط نہ کر دی اور آپؐ کو اپنے دفاع کے لیے مجبور نہ کر دیا۔ چنانچہ تقاضائے فطرت کے مطابق وہ موقع بھی آن پہنچا کہ قدرت نے کفار کے بڑھتے ہوئے ظلم و تشدد کو روکنے کے لیے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت عطا کر دی۔ ارشاد رب العزت ہے:

”جن مسلمانوں کے خلاف کافر لڑا کرتے ہیں اب انہیں بھی جنگ

کی اجازت ہے۔ اس بنا پر کہ ان پر مظالم ہوئے اور یقیناً اللہ تو ان

کی مدد پر قادر ہے۔“

مؤرخین کا کہنا ہے کہ ان حالات میں اگر یہ اجازت نہ ملتی اور کفار کے خلاف

فرسے کی۔ کچھ ملک گیر کشور کشائیاں کرنے والے مسلمان شہنشاہ ضرور ایسی کارروائیوں کے ذمہ دار تھے لیکن یہ اُن کا ذاتی فعل تھا لیکن اُن کی یہ ہوس ملک گیری اسلام کے پھیلاؤ کے بجائے اپنی سلطنت کے پھیلاؤ کے لیے تھی لہذا یہ کہنا ہرگز ہرگز غلط ہے کہ اسلام سکوار اور دباؤ کا مرہونِ منت ہے۔ حقیقی اسلام کے پھیلاؤ کی ضمانت کو آنے معصومین کے طریقہ عمل میں مضمر ہے۔ آئندہ صفحات میں اسلام کے دفاعی پہلو اور ان جنگوں کے قانع اور علم بردار حضرت علیؑ کی بے مثال کارکردگی اور بے نظیر شجاعت پر روشنی ڈالنے کا اہتمام کیا گیا ہے جس کی ابتداء ہم حضرت علامہ مفتی جعفر حسین اعلیٰ اللہ مقامہ کے اس بیان سے کرتے ہیں:

”حضرت علیؑ علیہ السلام نے جو کہ کے علاوہ تمام جنگوں میں پورے جوش و ولولہ سے حصہ لیا اور اپنی خدا داد قوت سے دشمنوں کے پرے اُلٹے مگر کسی مرحلہ پر نہ کسی بھاگنے والے کا چھچھا کیا نہ کسی زخمی پر ہاتھ ڈالا اور نہ کسی کی پردہ وری کی اور تاریخ میں ایسی مثالیں چھوڑ گئے جنہیں ہمیشہ اسلام کی اصول پرستی، صلح پسندی اور امن دوستی کے ثبوت میں پیش کیا جاتا رہے گا۔“



اگرچہ ابتداء میں کمزور تھے لیکن وہ اپنی بے سروسامانی کے باوجود دشمن کی حشر سامانیوں سے ٹکرا گئے۔ کبھی بدر کے کنوؤں پر کبھی اُحد کی پہاڑیوں میں اور کبھی مدینہ میں رہ کر اپنی مدافعت اور حفاظت کے لیے کوششیں کیں۔ ان مقامات کے محل وقوع سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ہمیشہ دار الکفر کے رہنے والوں نے دارالسلام کے باسیوں پر جنگ مسلط کی۔ پیش قدمی دشمن ہی کی طرف سے ہوئی البتہ مسلمان اس پیش قدمی کو روکنے کے لیے صف آرا ہو گئے۔ محض خیر ایک ایسا مقام ہے جو اسلام کے مرکز سے دور تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ وہی لوگ تھے جو اپنی عہد شکنی کے نتیجے میں مدینے سے نکالے گئے تھے اور اب ایک بڑے لشکر کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے پرتول رہے تھے۔ وہ اپنے اڑوس پڑوس کے قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملا کر مضبوط فوجی اتحاد قائم کر چکے تھے۔ اگر تنبیہ اسلام اُن کی پیش قدمی کو نہ روکتے تو وہ مسلمانوں پر شدید حملہ کرتے اور دشمنوں کے اس سیلاب کو روکنا ممکن نہ رہتا۔

اسلام کے فلسفہ جہاد اخلاقی حدود و شرائطِ جدل اور جنگی ہدایات وغیرہ کا تذکرہ ابتداء میں کیا جا چکا ہے البتہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے کچھ بعد کچھ جارحانہ جنگیں بھی لڑی گئیں جن میں اخلاقی حدود اور اسلامی شرائط جہاد کو نظر انداز کر دیا گیا اور کچھ لوگوں نے حق کا معیار قہر و غلبہ کو قرار دے کر ان جنگوں کو بھی اسلامی جہاد میں شامل کر لیا ہے اور قتل و خونریزی کے ذریعے ہونے والی کامیابی کو حق و صداقت کی فتح کا نام دیا ہے۔ حالانکہ اسلام نے ایسے اقدامات سے سخت منع کیا ہے۔ دراصل یہ جنگیں اسلامی تعلیمات کے زیر اثر قطعاً نہیں لڑی گئیں اور نہ ان سے کوئی اسلامی مفاد حاصل ہوا۔ اسلام تو (۱) کراہ فی الدین کا پرچارک مذہب ہے۔ نیز قرآن میں جہاں جہاں بھی آیات جہاد نازل ہوئی ہیں وہ محض ایسے مواقع کے لیے ہیں جہاں دشمن اسلام کو قوت و طاقت سے دبانے اور مسلمانوں کی جمعیت کو کچلنے کے لیے لشکر کشی کرتا ہے۔

اسلام کی طرف سے نہ جارحانہ اقدام کی اجازت ہے اور نہ زبردستی اپنے عقائد

کے لیے حضورؐ نے عبداللہ بن جحش کو چند لشکریوں کے ہمراہ نخلہ کی طرف روانہ کیا۔ ایک اور مکہ کے درمیان واقع ہے۔ نخلہ میں ان کے ورود کے وقت قریش کا ایک طائف سے آتے ہوئے وہیں فروکش ہوا تو عبداللہ کے ہمراہیوں میں سے ایک نے نخلہ کے ایک شخص کو تیر مار کر ہلاک کر دیا اور دو گورقار کر لیا گیا۔ عبداللہ وغیرہ ان یوں اور تجارتی قافلہ کے مال و متاع کو سیٹ کر مدینہ پہنچ گئے۔ آنحضرتؐ نے عبداللہ کو سرزنش کی کیونکہ ماہِ رجب کی آخری تاریخ کو یہ واقعہ ہوا تھا اور اس مہینے میں جنگ منع ہے۔ آپؐ نے قیدیوں کو آزاد کر دیا اور قافلہ کا لوٹا ہوا مال بھی واپس کر دیا۔

پیغمبر اکرمؐ کی اجازت کے بغیر عبداللہ بن جحش سے سرزد ہونے والے اس انفرادی سر بھی قریش نے جنگ چھیڑنے کا بہانہ ڈھونڈ لیا اور اپنے متحمل (عمرو بن الحضری) انھیں کا ڈھنڈورا پیٹ کر جنگی تیاریاں کرنے لگے۔ ابوسفیان کی مکہ واپسی پر مسلمانوں نے اسے مدینہ سے گزرتا تھا۔ اُس نے قریش کو غلط اور شرانگیز پیغام بھجوا کر مسلمان دھاوا بول کر ہمارا تجارتی مال لوٹنا چاہتے ہیں لہذا تم جنگی ہتھیاروں کے ساتھ نکل کھڑے ہو۔ قریش بھی جنگ کے لیے آمادہ تھے فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔

ادھر ابوسفیان نے عام راستے کے بجائے ساحلِ سمندر کا راستہ اختیار کیا اور راجہِ جدہ مکہ پہنچ گیا۔ کچھ لوگوں نے کہا اب جنگ کی کیا ضرورت ہے مگر ابو جہل نہ مانا۔ اس کی ہٹ دھرمی سے صاف ظاہر تھا کہ قریش قافلہ کے بچاؤ کے بجائے ہر حالت میں مسلمانوں پر جنگ مسلط کرنا چاہتے تھے۔ ادھر ابوسفیان کے قافلے اور ابو جہل کی کمان میں لڑنے والے مسلح لشکر کی اطلاع مسلمانوں کو بھی پہنچ چکی تھی۔ چونکہ مسلمان تعداد میں کم اور ہتھیاروں سے کمزور تھے اس لیے وہ مسلح قافلے کے بجائے ابو جہل سے ڈر بیٹھ کر ہوجانے کو بہتر سمجھتے تھے۔ اس کی شہادت قرآن کی زبانی سنئے:

جب اللہ نے تمہیں اطلاع دی کہ کفار مکہ کے دو گروہوں میں سے

غزوہ بدر

۲ھ

کفارِ قریش نے مکہ میں مسلمانوں کا ہمینا دو بھر کر دیا تو وہ مدینہ ہجرت کر گئے لیکن ہجرت کے بعد قریش انصاریہ مدینہ کو بھی اپنا دشمن سمجھنے لگے اور پیغمبر اکرمؐ کی حمایت و حفاظت نیز اسلام کی روز افزوں ترقی کا سامان کرنے پر انصاریہ مدینہ پر فردِ جرم عائد کر دی۔ وہ مکہ کے بعد مدینہ میں ایک نئے دین کو پھلتا پھولتا دیکھ کر آتشِ زیرِ پا ہو گئے اور اپنے آداب و رسوم اور معاشرتی روایات کے تحفظ کے لیے اس نئے دین کو شیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکنے کا معصوم ارادہ کر لیا۔ اُن کی خواہش تھی کہ یا یہ دین ختم ہو جائے یا اس کے ماننے والے اس سے دستبردار ہو جائیں۔ قرآن مجید نے اُن کے اس قبیح عزم و خواہش کی عکاسی یوں کی ہے:

”یہ کفار ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا بس چلے تو تمہیں دین سے پھیر دیں۔“

ادھر یہود مدینہ بھی پیغمبر اکرمؐ سے دفاعی تعاون کا معاہدہ کر لینے کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑھتی ہوئی طاقت کو اپنے لیے خطرہ خیال کرتے ہوئے قریش سے رابطہ کرنے لگے۔ یوں یہود و کفار نے باہم گٹھ جوڑ کر کے ایک مشترکہ محاذ بنالیا اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ و دانیائیں کرنے لگے۔ فتنہ و فساد کو ہوا دینے کے لیے کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہوں پر حملہ کر کے اہل مدینہ کے مویشی ہٹا لیے تو آنحضرتؐ نے واوی سنوان تک اس کا پیچھا کیا لیکن وہ ہاتھ سے نکل گیا۔ اس طرح کی فتنہ انگیزیوں کے

”پیغمبر اکرمؐ بدر کے بارے میں پوچھا کرتے تھے جب ہمیں معلوم ہوا کہ مشرکین آگے بڑھ آئے ہیں تو رسول اکرمؐ بدر کی جانب روانہ ہوئے۔ بدر ایک کنویں کا نام ہے جہاں ہم مشرکین قریش سے پہلے پہنچ گئے۔“ (طبری ج ۲ ص ۱۳۳)

مختصراً کفر و اسلام کا پہلا معرکہ رونما ہونے والا تھا۔ حضور نبی اکرمؐ نے مسلمانوں کا حصہ معلوم کرنا چاہا کہ وہ کہاں تک عزم و ثبات کے ساتھ دشمن کا دفاع کر سکتے ہیں۔ آپؐ کے استفسار پر لوگوں نے مختلف جوابات دیئے۔ حضرات شیخین کے جواب پر حضورؐ نے منہ پھیر لیا (صحیح مسلم)۔ مقداد بن اسود نے پیغمبرؐ کے چہرے پر ہنکدہ کے آثار دیکھے تو عرض کیا: ”یا رسول اللہ! ہم بنی اسرائیل نہیں ہیں کہ جنہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا: تم جاؤ اور تمہارا خدا اور تمہی دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو رسالت سے سرفراز کیا ہے ہم آگے آگے پیچھے اور دائیں بائیں رہ کر لڑیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو فتح و نصرت عطا کرے۔“

اس جواب پر پیغمبر اکرمؐ شاد ہوئے اور مقداد کے حق میں دعا فرمائی۔ پھر انصاریؒ طرف رخ کر کے اُن کی رائے معلوم کی تو سعد بن معاذ انصاریؒ نے بڑی گرمجوشی سے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! ہم آپؐ پر ایمان لائے اور اطاعت کا عہد کیا لہذا ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔ اگر آپؐ سمندر میں کودیں گے تو ہم آپؐ کے ساتھ کودیں گے اور کوئی چیز ہماری راہ میں حائل نہیں ہوگی۔ آپؐ اللہ کا نام لے کر اُٹھ کھڑے ہوں۔ ہم میں سے کوئی ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔“

ایک سے تمہارا سامنا ہوگا اور تم لوگ یہ چاہتے تھے کہ جو قوت و طاقت نہیں رکھتا وہ تمہارے حصہ میں آئے۔“

اموی ہوا خواہوں نے تو مؤرخین سے یہ تک لکھوا ڈالا کہ پیغمبر ابوسفیان کے قافلہ کو لوٹنے نکلے تھے مگر اچانک کاروان تجارت کے بجائے لشکر قریش سے سامنا ہو گیا اور جنگ چھڑ گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض مسلمانوں کی نظریں مال و دولت پر تھیں اور وہ قافلہ کو لوٹنے کی خواہش رکھتے تھے مگر رسولؐ خدا کو بھی اس میں شریک کر لینا ستم ظریفی کی انتہا ہے۔

بخاری کی ایک روایت ہے:

”رسولؐ خدا تو قریش کے تجارتی قافلے کے ارادے سے نکلے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اچانک ان کا اور ان کے دشمنوں کا سامنا کرا دیا۔“ (ج ۳ ص ۳)

جب کہ اس کے برعکس حقیقت کی ترجمانی قرآن مبین نے کی ہے۔ واقعات بدر کے سلسلے میں ارشاد ہے:

”جس طرح تمہارے پروردگار نے تمہیں حق کے ساتھ گھر سے باہر بھیجا اس حالت میں کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جنگ سے ناگواری محسوس کر رہا تھا اور حق کے ظاہر ہونے کے بعد حق کے بارے میں تم سے جھگڑ رہا تھا۔ گویا ان کی آنکھوں کے سامنے انہیں موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔“

اس تصریح قرآن کی روشنی میں یقیناً رسولؐ خدا ابوسفیان کے قافلے کے لیے نہیں بلکہ لشکر قریش کے سامنے صف آرا ہونے کے لیے نکلے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرمان بھی مزید وضاحت کے لیے پیش ہے:

پھر حضورؐ نے خود اُن سے پوچھ گچھ کی تو انہوں نے ابوسفیان اور اس کے قافلے کے لاطعی کا اظہار کیا اور بتایا کہ قریش کا لشکر یہاں سے تین میل کے فاصلے پر موجود ہے۔ حضورؐ نے لشکر کی تعداد معلوم کی تو کہنے لگے: ہمیں لشکر کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں البتہ ہمیں تو کبھی دس اُونٹ نخر کیے جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ”پھر ان کی تعداد تو سو سے لے کر ایک ہزار تک ہے۔“ پھر آپؐ نے اُن سے ان کے سرکردہ افراد کے نام دریافت کیے تو انہوں نے قریش کے چند سرداروں کے نام لیے۔ آپؐ نے فرمایا: ”مکہ تو نے اپنے لشکر پاروں کو میدان میں لا اُٹھایا ہے۔“

لشکر قریش دادی بدر کے آخری کنارے پر ریت کے ایک ٹیلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ قریبا ایک ہزار لشکر، سات سو اُونٹ، تین سو گھوڑے اور نیزوں، تلواروں، ہتھیاروں کی کمی نہ تھی۔ اس کے برعکس مسلمان تعداد میں کم، سامان جنگ میں چند تلواریں، گنتی کی بارہنیں، بار برداری و سواری کے لیے صرف ۷۰ اُونٹ اور دو گھوڑے تھے۔ جہاں پڑاؤ ڈالا گیا تھا وہاں پاؤں ریت میں دھنس جاتے تھے مگر اللہ کی کار سازی سے رات کو خوب بارش پڑی جس سے ریت جم گئی اور پینے کے لیے پانی بھی فراوانی سے میسر ہو گیا۔ اس تاہم خداوندی سے مسلمانوں کی ہمت بندھ گئی اور وہ پورے مجاہدانہ جوش و جذبے کے ساتھ دشمن سے ٹکرانے کے لیے آمادہ ہو گئے۔

ابن اثیر طبری اور دیگر مؤرخین نے جنگ بدر کے واقعات میں سعد بن معاذ کے حضور سے بتائے جانے والے ایک چھپر اور رسول اللہ کے اس میں فروکش ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن روایت اس روایت کو جھوٹ کا پلندہ جانتی ہے۔ ابن ابی الحدید نے جج کہا تھا:

”مجھے عریش (چھپر) کے معاملہ میں بڑی حیرت ہے کہ مجبور کی اتنی شاخص جن سے چھپر بنایا گیا کہاں سے مہیا کی گئیں جبکہ بدر کی

پیغمبر اکرمؐ اس جواب پر بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

”خدا کی قسم! اب میں دشمن کے گر کر مرنے کی جگہوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔“

حضرت علیؑ بدر کی پیش بندی میں

پیغمبر اکرمؐ نے مہاجرین اور بقیہ انصار کے ۳۱۳ ہمراہیوں کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور بدر نامی چاہ سے کچھ فاصلے پر پڑاؤ ڈالا۔ دشمن کے اچانک حملے یا شب خون مارنے کے اندیشے کے پیش نظر آپؐ نے پیش بندی کرتے ہوئے حضرت علیؑ، سعد بن ابی وقاص اور زبیر ابن عوام کو حکم دیا کہ آگے بڑھ کر دشمن کے ٹھکانے کا پتہ لگائیں اور دیکھیں کہ وہ کتنے فاصلے پر موجود ہے۔ یہ تینوں دشمن کی تلاش میں چاہ بدر تک پہنچ گئے۔ وہاں پر چند اشخاص کو دیکھا جو انہیں دیکھتے ہی بھاگ اُٹھے۔

حضرت علیؑ کا قریش کے سقوں کو گرفتار کرنا

حضرت علیؑ نے ان بھگڑوں کا تعاقب کیا اور ان میں سے دو غلاموں کو پکڑ لیا اور انہیں اپنے ساتھ لے کر دربار رسولؐ میں حاضر کر دیا۔ رسول اکرمؐ نماز میں مصروف تھے۔ صحابہ انہیں دیکھتے ہی ان کے ارد گرد جمع ہو گئے اور گئے پوچھنے کہ تم کون ہو؟ کیا ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم قریش کے سقے ہیں، ہمیں پانی لانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ قریش کا نام سننے ہی صحابہ کے تیور بگڑ گئے اور انہیں مار پیٹ کے یہ کہلوانے کی کوشش کرنے لگے کہ وہ قریش کے غلام نہیں بلکہ ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ انہوں نے ڈر کے مارے کہہ دیا ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

”یہ عجیب بات ہے کہ وہ سقے بولتے ہیں اور تم انہیں پیٹتے ہو اور جھوٹ بولتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہو۔ یہ قریش ہی کے بیٹے ہوئے آدمی ہیں۔“

لہذا تم میں سے کوئی ابوالختری ابن حارث، عباس ابن عبدالمطلب یا کسی ہاشمی کو دیکھے تو اسے قتل نہ کرے۔ اس لیے کہ وہ جبراً لائے گئے ہیں۔“

پیغمبر اسلام کے اس اعلان پر بھی کچھ لوگ ناگواری کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکے۔ عتبہ ابن عتبہ نے کہا: ”ہم اپنے ماں باپ، بیٹوں، بھائیوں اور عزیزوں کو تیرے تیغ کریں، عباس کو چھوڑ دیں۔ خدا کی قسم! اگر میں ان سے دودھ دھو ہوا تو انہیں قتل کیے بغیر نہیں چلاؤں گا۔“

راایت بردار بدر

مذکورہ بالا ضروری ہدایت کے بعد رسول خدا نے فوج کی صفیں درست کر کے اور عتبہ و میسرہ ترتیب دے کر رایت جنگ حضرت علی کو دیا، اس وقت آپ کی عمر مبارک بیس برس کی تھی۔ (ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۲۳)

تفصیلی معلومات کے مطابق انصار کا علم سعد ابن عبادہ کو اور مہاجرین کا رایت علی ابن ابی طالب کو عطا کیا گیا۔ دشمن بھی ہتھیار سنبھالے میدان میں اتر آیا۔

علی فاتح بدر

قریش کی صفوں سے عتبہ ابن ربیعہ، اس کا بھائی شیبہ اور بیٹا ولید نکل کر مبارز طلب ہوئے۔ مسلمانوں کی طرف سے عوف ابن حارث، معوذ ابن حارث اور عبداللہ ابن رواحہ مقابلہ کے لیے نکلے۔ عتبہ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: ہم انصار مدینہ ہیں۔ عتبہ نے پیشانی پر تل ڈال کر کہا: تم ہمارے ہم مرتبہ نہیں ہو، پلٹ جاؤ اور پھر پیغمبر گرامی سے مخاطب ہوا:

”اے محمد! ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہم سروں کو بھیجو جو ہماری قوم میں سے ہوں۔“

سرزمین پر کھجور کے درخت پائے ہی نہیں جاتے تھے۔“

علامہ طبری نے بھی اعتراف کیا ہے کہ تمام امور لشکر سے علیحدہ رہ کر ایک چھپر میں بیٹھ کر بھلا کیسے انجام دیئے جاسکتے ہیں۔

واقعات بدر بھی شاہد ہیں کہ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو کر ان کا جوش و دلولہ بڑھایا۔ لشکر کی صف بندی کی، مینہ و میسرہ ترتیب دیا، موقع و محل کے مطابق جنگ کے احکام صادر فرمائے حتیٰ کہ دشمنوں کے قتل ہو کر گرنے کے واقعات کی نشاندہی کی اور ایک ماہر سپہ سالار کی طرح فوج کی کمان کی۔

حضرت امیر المومنین رسول خدا کی بدر کے دن سرگرمی و سرجوشی کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

”جب بدر کا دن آیا اور لوگ حاضر ہوئے تو ہم رسول اللہ کے دامن میں پناہ لیتے تھے۔ آپ کا رعب و دبدبہ سب لوگوں سے زیادہ تھا اور ہم سب لوگوں سے زیادہ آپ دشمن کے قریب پہنچے ہوئے تھے۔ جنگ بدر میں لشکر قریش میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل تھے جو در پردہ اسلام لاپچھے تھے لیکن ابھی اعلان اسلام نہ کر سکے تھے۔ یہ لوگ جنگ میں شریک ہونا نہ چاہتے تھے۔ مگر قریش انہیں زبردستی اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ رسول خدا نے ضروری سمجھا کہ جنگ کے آغاز سے پہلے ان لوگوں کے بارے میں مسلمانوں کو آگاہ کر دیں۔“

چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

”مجھے معلوم ہے کہ بنی ہاشم اور غیر بنی ہاشم میں سے کچھ افراد اگرچہ لشکر کفار میں شامل ہیں مگر وہ ہم سے جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے

انھیں کھول کر رسول خدا کی طرف دیکھا اور عرض کیا:

یا رسول اللہ! کیا میں بھی شہیدوں میں محسوب ہوں گا؟

فرمایا: ہاں! آپ بھی شہیدوں میں شمار ہوں گے۔

عبیدہ نے کہا: کاش آج ابوطالب زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ ہم نے ان کی بات کو

نہیں ہونے دیا کہ ہم محمد کو اس وقت دشمنوں کے حوالے کریں گے جب لڑتے لڑتے

کے سامنے مرجائیں اور بیوی بچوں کی یاد سے غافل کر دیئے جائیں۔

قریش کے یہ مانے ہوئے سورما واصل جہنم ہوئے تو کفار پر خوف و ہراس چھا

ابو جہل نے اس صورت حال کو دیکھا تو لگا چیخنے اور دم دلا سے دے کر ہمت بندھانے۔

اس کی اسی تحریک کے نتیجے میں طعمرہ ابن عدی کو جوش آیا اور وہ بدست ہاتھی کی طرح

بھونکتا ہوا نکلا۔ شیر جلی نے ایسا نیزہ مارا کہ لڑکھڑا کر زمین پر گرا اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ

گیا۔ اس موقع پر حضرت علی گویا ہوئے:

”خدا کی قسم! آج کے بعد یہ کبھی اللہ کے بارے میں ہم سے جنگ

اور دشمنی پر نہیں اُترے گا۔“

طعمرہ کے بعد عاص ابن سعید میدان میں اُترا تو اللہ کے شیر نے اُسے اپنی تلوار

کے ایک ہی وار سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر عبداللہ ابن منذر اور حرمہ ابن عمر گر جے

موتے ہوئے آئے مگر جلد ہی اسد اللہ کی تلوار سے قلمہ اجل ہو گئے۔ اب حظلہ بیچ و تاب

کھاتا ہوا نکلا۔ ید اللہ نے تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ چلایا کہ اس کا سر دو پارہ ہو گیا۔ آنکھیں

اُپر آگئیں اور تڑپ تڑپ کر خشک ہو گیا۔ یہ حظلہ ابوسفیان کا بیٹا اور معاویہ کا بھائی تھا۔ اس

سے پہلے اسی جنگ میں اس کا نانا عبثہ اور ماموں ولید حضرت کے دستِ اجل سے نجل

ہو چکے تھے۔ اس کا اظہار بیچ البلاغہ میں موجود حضرت کے معاویہ کے نام ایک خط میں یوں

کتاب ہے:

مغیر اسلام نے قریش کی اس رعونت کو دیکھتے ہوئے کہ وہ انصار کو اپنا مد مقابل

نہیں جانتے ان انصاریوں کی جگہ عبیدہ ابن حارث، حمزہ ابن عبدالمطلب اور علی ابن ابی

طالب کو بھیجا۔ عبیدہ نے قریش کا مطالبہ کیا تھا مگر رسول خدا نے قریشی ہاشمی، مطلبی مقابلہ کے

لیے بھیجے تاکہ کل کو کوئی یہ نہ کہے کہ اپنے قریبوں اور عزیزوں کو بچائے رکھا اور دوسروں کو

جنگ کے شعلوں میں جھونک دیا۔ عبیدہ ستر سال کے بزرگ تھے۔ حمزہ حضور کے ہم عمر اور

حضرت علی بیس سالہ نوجوان جو پہلی مرتبہ میدان کارزار میں اُتر رہے تھے۔ جب عبثہ کو

معلوم ہوا کہ عبیدہ، حمزہ اور علی لڑنے کے لیے آئے ہیں تو وہ کہنے لگا: یہ برابر کا جوڑ ہے۔

حضرت عبیدہ عبثہ سے، حضرت حمزہ شیبہ سے اور حضرت علی ولید سے نینچنے کے لیے

آگے بڑھے۔ ولید نے تلوار سونت کر حملہ کرنا چاہا تو حضرت علی نے تیر مار کر اسے بے بس

کر دیا اور اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ حملہ آور ہو سکے۔ اس نے تیر کھاتے ہی اپنے باپ کے

دامن میں پناہ لینا چاہی مگر فرزند ابوطالب کی شمشیر شرر بار سے بچ نہ سکا اور باپ کی آغوش

میں پینچنے سے پہلے ہی موت کی آغوش میں پہنچ گیا۔

شیر کردگار علی ولید کو قتل کرنے سے فارغ ہوئے تو مسلمانوں کی آوازیں سنائی

دیں: اے علی! شیبہ آپ کے چچا حمزہ پر غالب آ رہا ہے۔ علی نے آگے بڑھ کر دیکھا تو

دونوں کو آپس میں گھٹا ہوا پایا۔ تلواریں کند ہو چکی تھیں اور ڈھالوں کے کلڑے بکھرے

پڑے تھے۔ علی کی تیغ بے دریغ نے شیبہ کا سر بھی اُڑا ڈالا۔ اب حضرات علی و حمزہ عبثہ کی

طرف بڑھے جو جناب عبیدہ سے نیرد آزما تھا۔ عبیدہ عبثہ کے ہاتھوں گھائل ہو کر تاب

مقاومت کھو چکے تھے۔ قریب تھا کہ عبثہ انہیں شہید کر دے کہ علی و حمزہ کی تلواروں نے عبثہ

کا کام تمام کر دیا۔ وہ خاک و خون میں تڑپنے لگا تو اسلام کے یہ دونوں جانثار اپنے ساتھی

عبیدہ کو شدید زخمی حالت میں اٹھا کر رسول خدا کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے عبیدہ

کا سراپے زانوئے مبارک پر رکھا۔ عبیدہ کا پاؤں کٹ چکا تھا اور پٹلی کی ہڈی سے گودا

بہہ رہا تھا۔ آپ کی آنکھیں اٹک بار ہو گئیں۔ آنسو عبیدہ کے چہرے پر گرے تو انہوں

ہوا۔ آپؐ نے اس کے سر پر ایسی ضرب رسید کی جو اس کے خود کو کاٹتی ہوئی اور سر کو
ٹپتی ہوئی جڑے تک اتر آئی۔ دوسرا وار اس کی ٹانگوں پر کیا جس سے اس کے دونوں
پس کٹ گئے۔ رسولِ معظمؐ اس دشمنِ خدا و رسولؐ کو قتل ہوتا دیکھ کر دلشاد ہوئے اور فرمایا:
”اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری دعا کو شرفِ قبولیت عطا کیا۔“

کفار کا زور ٹوٹ گیا۔ برادرِ ایزدِ جہل ہشام اور دیگر سردارانِ قریشِ جہنمِ واصل
گئے۔ دشمنِ شکست کی آخری منزل پر پہنچ گیا۔ زوالِ آفتابِ زوالِ کفر بن کر آیا۔ دشمن
سارِ ڈال کر اور مال و اسباب چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ مسلمانوں نے کفار کے پیچھے
لے کر انہیں قتل کرنے کے بجائے گرفتار کرنا شروع کیا تاکہ زبردستی حاصل کر سکیں۔

تمام واقعاتِ جنگ مطمعِ موضوع نہیں، لہذا اجمالاً فتحِ بدر علیؑ کا جشنِ شجاعت بن کر
سب ہوئی۔ لوگوں نے مالِ غنیمت اور زبردستی حاصل کیا اور اسد اللہ نے ہمیشہ کی طرح
سب کی رضائیں اور محمدؐ کی دعائیں پائیں۔ آئیے اب ہم تنازعہ بحثوں کو چھوڑ کر شجاعتِ علیؑ
و غزوہٗ اُحد کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔ خواہش ہے کہ موضوع کا حصار اور واقعات کا
تعداد ذہن نشین رہے۔ نیز جنگوں کے تذکرے میں تکرار ہو اور نہ اس تیز رفتار دور کے
زمین کے اذہان پر بار۔



”میں (کوئی اور نہیں) وہی ابوالحسن ہوں جس نے تمہارے نانا عبیدہ
ماموں ولید اور بھائی حنظلہ کے پر غچے اڑا کر بدر کے دن مارا تھا۔“

جنگِ مغلوبہ اور کردارِ علیؑ

اب دشمن سمجھ گیا کہ اکیلے دو کیلئے ضخیم الہی کے بالمقابل جانا موت کو دعوت دینے
کے مترادف ہے۔ چنانچہ اُن روہاہِ صفوں نے جنگِ مغلوبہ کے لیے بڑھتا شروع کیا۔
مسلمان مجاہدین نے بھی ان کی بڑھتی ہوئی یلغار کے جواب میں قدم آگے بڑھانا چاہا مگر
رسولؐ خدا نے حکم دیا کہ اپنی صفوں کو درہم برہم نہ کرو اور قریش کے حملہ کو تیروں سے روکو۔
پھر دعا فرمائی: ”یا اہلباہا! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیری
پرستش کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ پروردگار اپنے وعدہ نصرت کو پورا فرما۔“ پھر نیند کی
ایک چھبکی لی اور آنکھیں کھولیں تو فرمایا: ”خدا کا شکر ہے اس نے میری دعا قبول فرمائی
اور ہماری امداد کے لیے فرشتے بھیج دیئے۔“ ارشاد رب العزت ہوا: ”میں ایک ہزار
فرشتوں سے جو پے در پے آئیں گے تمہاری مدد کروں گا۔“

اب قریشِ تیربارانی کے مقابلے میں تیربارانی کرتے ہوئے لشکرِ اسلام کے
قریب پہنچ چکے تھے۔ اہدِ مرسلؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ایک دم حملہ کر کے اُن پر
ٹوٹ پڑیں۔ ایک دم تلواروں کی جھٹکار اور تیروں کی بوچھاڑ سے میدانِ بدر گونج اٹھا۔
مسلمانوں نے خوب تلواریں چلائیں، مخالف صفوں کو حجر اور دشمنوں کو تہ تیغ کیا۔ علیؑ و حمزہؓ
شیروں کی طرح حملہ آور ہوئے اور کفار بھیڑوں کی طرح تتر بتر ہو گئے۔ سعد کہتے ہیں:

”میں نے بدر کے دن علیؑ کو لڑتے دیکھا اُن کے سینہ سے گھوڑے

کے ہنہانے کی سی آواز نکلتی رہی تھی اور برابر رجز پڑھتے جاتے تھے

اور جب پلٹے تو اُن کی تلوار خون سے رنگین تھی۔“

اچانک حضرت علیؑ کے سامنے سے پیغمبرِ اسلامؐ کا انتہائی ضیعتِ دشمنِ نوفل ابنِ خویلد

لوگوں کو راہِ خدا سے روک دیں۔ یہ غریب اسے خرچ کریں گے۔
پھر یہی مال اُن کے لیے حسرت و اندوہ کا باعث ہوگا۔ یہ شکست
کھا جائیں گے اور کفر اختیار کرنے والے یہ لوگ سیدھے جہنم پہنچا
دیئے جائیں گے۔“

قریش اپنے مصارفِ جنگ سے مطمئن تھے البتہ جنگجوؤں کی کمی تھی جو انہوں نے
مختلف قبائل میں آتش بیان شاعر بھیج کر پوری کی۔ نیز جنگجوؤں کے جذبات بھڑکانے کے
لیے چودہ عورتوں کا طائفہ بھی فوج میں شامل کیا گیا۔ ابوسفیان کی زوجہ ہندہ اس کی سرکردہ
تھی۔ جب تین ہزار کا یہ لشکر مٹھی بھر مسلمانوں کو کچلنے کے لیے مکہ سے روانہ ہوا تو آنحضرتؐ
کے چچا حضرت عباسؓ نے ایک شخص کے ذریعے اطلاع آنحضرتؐ کو پہنچا دی۔ اس اچانک
حملہ کی خبر کی تصدیق کے لیے حضورؐ نے دو آدمیوں کو بھیجا۔ انہوں نے واپس آ کر بتایا کہ
حضرت عباسؓ کی اطلاع سچ ہے۔ اگرچہ یہ وہی بدر کے شکست خوردہ لوگ تھے لیکن پہلے
سے زیادہ تیار ہو کر آئے تھے نیز اہل تہامہ اور بنو کنانہ کی شمولیت سے ان کی جمعیت بڑھ
گئی تھی۔ اس اچانک حملے سے مسلمانوں کی رائے میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا کہ کس طرح
دشمن سے مقابلہ کیا جائے۔ کچھ کہتے تھے کہ ناکہ بندی کر کے یا پھر شہر میں محصور رہ کر دفاعی
جنگ لڑی جائے۔ کچھ کا کہنا تھا کہ دشمن کو اپنی کمزوری اور بے طاقتی کا تاثر دینے کے
بجائے شہر سے باہر نکل کر لڑا جائے۔ مختصر اُمحی معظمؓ تھیں سب کا مدینہ سے باہر نکلے اور فرمایا:
”نبی کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ جب وہ جنگ کا لباس پہن
لے تو پھر جنگ کیے بغیر اُسے اُتارے۔“ (تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۹۰)

آپؐ کے یہ الفاظ اطمینان، استقلال اور جہاد کے غیر متبدل ارادہ کے ترجمان ہیں
کہ آپؐ نے غنیم سے کھلے میدان مقابلہ کرنا پسند فرمایا۔ ابنِ کثوم کو مدینہ کا نگران و منتظم
مقرر کیا گیا اور ۱۴ شوال ۳ ہجری کو نمازِ جمعہ کے بعد ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ رسول اکرمؐ

غزوہٴ اُحد

۳ھ

جنگِ بدر میں قریش کے ۷۰ نامور سوار مارے گئے تھے۔ ۷۰ قیدی بنا لیے گئے اور
باقی ہزیمت اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ اس شکستِ فاش پر قریش کے دلوں میں
غم و غصہ کی لہر دوڑ رہی تھی اور سینوں میں انتقام کی آگ سگ رہی تھی۔ اس جوشِ انتقام
کے سرد پڑ جانے کے خطرے سے انھوں نے عرب کے دستور کے مطابق اپنی عورتوں کو
مقتولین پر رونے سے منع کر رکھا تھا۔ وہ فیصلہ کن جنگ لڑنے کا سوچ چکے تھے۔ ابو جہل
اور دوسرے سروار مارے جانے کے سبب ابوسفیان کے قریش کا سربراہ بننے کا خواب پورا
ہو چکا تھا۔ اس نے قریش کو اپنا گرویدہ بنانے کے لیے قسم کھائی کہ جب تک قریش کے
کشتوں کا بدلہ نہ لے لوں سر میں تیل نہیں لگاؤں گا۔ چنانچہ ذی الحجہ ۲ ہجری کو وہ دوسو کی
ایک جمعیت کے ساتھ مدینہ پر تاخت و تاراج کے ارادہ سے نکل کھڑا ہوا اور مدینہ کے
قریب پہنچ کر کھیتوں میں کام کرتے ہوئے دو انصاری کسانوں کو قتل کروا اور کھجوروں کے
ایک باغ کو نذر آتش کر دیا۔ رسولِ خدا کو خبر ہوئی تو مقامِ کدر تک اس کا تعاقب کیا مگر وہ
نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ حملہ ایک بڑے حملے کی تمہید تھا۔ قریش کے سرواروں نے
گذشتہ سال کی تجارت کا مشترکہ منافع (۵۰ ہزار مثقال سونا اور ایک ہزار اُونٹ) جنگی
مصارف کے لیے مخصوص کر دیا۔ قرآن نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا:
”یہ کفار اپنے مال کو اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ اس کے ذریعے

سین آمادہ پیکار تھا۔ ہند اور اس کا طائفہ لشکر کی صفوں کے آگے کھڑا ہو کر جوش و جذبہ پیدا کرنے کے لیے دف بجارہا تھا اور ٹھک ٹھک کر گارہا تھا:

”ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں، قالینوں پر ناز و انداز سے اس طرح چلتی ہیں جس طرح سبک رو تھا پرندہ چلتا ہے۔ ہماری مانگ میں مٹک بھری ہے اور گردنوں میں موتی جگمگا رہے ہیں، اگر تم آگے بڑھو گے تو ہم تمہیں گلے سے لگائیں گی اور تمہارے لیے مسندیں بچائیں گی اور پیٹھ پھرائی تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گی اس طرح کہ گویا تم سے کبھی چاہت ہی نہ تھی۔“

ہنسی حیدر کی تلوار

خواتین قریش کے اس ترانہ کے ختم ہوتے ہی طلحہ جنگ بجنے لگا اور دودھ لڑائی شروع ہو گئی۔ قریش کا علم بردار طلحہ ابن عثمان ہتھیار سجا کر بڑے کز و فر سے میدان میں اُترا اور طعنا کہا:

”مسلمانو! تمہارا یہ خیال ہے کہ اگر تم میں سے کوئی مارا جائے تو جنت میں جاتا ہے اور ہم میں سے کوئی مارا جائے تو دوزخ ٹھکانا بنتا ہے چنانچہ تم میں سے جو جنت جانا چاہے اور مجھے دوزخ بھیجے کا آرزو مند ہو آئے اور مجھ سے لڑے۔“

حیدر صفدر تلوار لہراتے ہوئے اس سیاہ کار کے مقابلے میں نکلے۔ دونوں شمشیر بکف نبرد آزما ہوئے۔ طلحہ نے تلوار سے حملہ کیا۔ حضرت نے اس کا وار خالی دے کر جوابی حملہ کیا اور ایک ہی ضرب سے اُس کی دونوں ٹانگیں کاٹ کر رکھ دیں۔ کفر و معصیت کا پہاڑ ٹکڑا کر زمین پر گر پڑا۔ خدا کے رسول اور علیؑ کے آقائے اسے زمین پر گرتے اور کفار کے علم کو سرگوں ہوتے دیکھا تو صدائے تکبیر بلند فرمائی، اہل اسلام نے اللہ اکبر کا نعرہ

کوہ احد کی جانب روانہ ہوئے جہاں قریش کا لشکر پہلے ہی سے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ عبداللہ بن ابی اپنے تین سوساتھیوں سمیت لشکر اسلام سے کٹ کر واپس مدینہ آ گیا اور شہر کی حدود سے باہر جنگ لڑنے کا خطرہ مول نہ لینے کا بہانہ بنایا۔ اب مسلمان صرف ۷۰۰ نفر رہ گئے۔ رسول معظمؐ نے اپنے ان لشکریوں کے ساتھ دھن کوہ میں پڑاؤ ڈالا۔

دوسرے دن یعنی ۱۵ شوال بروز ہفتہ دونوں طرف کی فوجوں نے اپنے اپنے مورچے سنبھال لیے۔ مشرکین تعداد میں بھی زیادہ تھے اور اسلحہ بھی ان کے پاس وافر تھا۔ ان کے لشکر میں ۷۰۰ زرہ پوش تھے اور مسلمانوں کے پاس کل ایک سو زہر ہیں۔ اُن کے پاس تین ہزار اونٹ اور دو سو کوئل گھوڑے اور یہاں صرف دو گھوڑے، ایک رسول اللہ کے پاس اور دوسرا ابو بردہ کے پاس۔ سامان جنگ کی کمی متقاضی تھی کہ لشکر اس انداز سے ترتیب دیا جائے کہ دشمن کو ہر طرف سے حملہ کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ حفاظتی تدابیر اہناتے ہوئے رسول پاکؐ نے کوہ احد کو پس پشت رکھا اور مدینہ سادنے تھا۔ بائیں جانب کوہ عینین کے ایک ٹنگ ورہ پر عبداللہ ابن جبیر کی زیر نگرانی پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین کروایا گیا اور اسے فتح و شکست ہر دو صورتوں میں اپنی جگہ نہ چھوڑنے کی تاکید کی گئی۔ اگر ایسا بندوبست نہ کیا جاتا تو کفار مسلمانوں کو حصار میں لے لیتے اور جانیں بچا کر لے جانا مشکل ہو جاتا۔

علیؑ رايت بردارِ اُحد

بقیہ لشکر کی صف بندی یوں کی گئی کہ مینہ پر سجدہ ابن عبادہ کو، میسرہ پر اسیر ابن خہیر کو متعین کیا گیا۔ لوا مصعب ابن عمیر کو دیا اور رايت جنگ حضرت علیؑ کے سپرد کیا گیا جو جنگ بدر میں بھی علم بردار تھے اور بعد ازاں بھی علم بردار رسولؐ رہے۔

اُوہر دشمن کا لشکر بھی مینہ، میسرہ اور قلب لشکر میں منقسم، ہبل نامی بت کو ساتھ لیے اعل ہبل (ہبل کا بول بالا) کا نعرہ لگاتے، کیل کانٹے سے لیس اور تیر اندازوں سے

لگایا۔ حضرتؓ نے اس ملعون کا سر کاٹنا چاہا تو اسے برہنہ پایا، لہذا اس حالت میں دوسرا وار کرنا مناسب نہ سمجھا اور اسے تڑپتا سکتا چھوڑ دیا۔ موال کیا گیا کہ آپؐ نے اُسے خاتمہ کیے بغیر کیوں چھوڑ دیا؟ فرمایا:

”جب وہ بے پردہ ہو گیا تو مجھے اس پر حملہ کرتے ہوئے شرم محسوس ہوئی اور پھر اس نے مجھے قربت و عزیز داری کا واسطہ بھی تو دیا تھا۔“

مسلمانوں نے حوصلہ مندی سے آگے بڑھ کر کفار کے ریلے کو روکا، دونوں طرف سے کمائیں کڑکیں، تلواریں نکلرائیں اور گھسان کا رن پڑا۔ ابودجانہ انصاریؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور دیگر مجاہدین نے حملوں پر حملے کیے اور کفار کی صفوں کو الٹ کر رکھ دیا۔

اس جنگ میں رسولؐ عربی نے ابودجانہ کو ایک تلوار عطا کی تھی۔ ابودجانہؓ سر پر سرخ پٹکا باندھے، تلوار ہاتھ میں لیے دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں چیرتے ہوئے اس مقام پر پہنچ گئے جہاں خواتین کفار دف بجا بجا کر اپنے نفوس سے فوج میں جوش پیدا کر رہی تھیں۔ آپؐ نے ہند بن عتبہؓ پر تلوار اٹھائی اور چاہا کہ اس کے پرچے اڑا دیں مگر پھر اس خیال سے رک گئے کہ رسولؐ اللہ کی دی ہوئی تلوار کو ایک عورت کے خون سے رنگین کرنا مناسب نہیں۔

حضرت حمزہؓ کی شمشیر آبدار دشمن کے سروں پر پیہم چل رہی تھی۔ طلحہ کے مارے جانے کے بعد امین ابی طلحہؓ نے قریش کا علم بلند کیا تو آپؐ نے تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس کا کام تمام کر دیا۔

جس نے علم برداران قریش کو یہ تیغ کیا وہ علیؓ تھے

مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ دونوں صفوں کے درمیان علم کو لہراتے ہوئے حملوں پر حملے کر رہے تھے اور لشکر قریش میں سے جو بھی علم ہاتھ میں لیتا اُسے یہ تیغ کر کے

کفر سرگوں کر دیتے یہاں تک کہ آٹھ علم برداران کفر کو یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ کودیا۔ جب بنی عبدالدار میں سے کوئی پرچم اٹھانے والا نہ رہا تو اس قبیلہ کے ایک غلام نے علم سنبھال لیا۔ حضرتؓ نے آگے بڑھ کر اس کی کمر پر تلوار کا وار کیا اور اس کے سرے کر دیئے اور اس طرح علم برداروں کا خاتمہ کر دیا۔ امین اشیر رقم طراز ہے:

”جس نے علم برداران قریش کو یہ تیغ کیا وہ علیؓ تھے۔“ (تاریخ

کامل، ج ۲، ص ۱۰۷)

کفر کے علم برداروں کے قتل سے قریش کا دم خم جاتا رہا اور مسلمانوں کی ہمت بڑھ گئی۔ کفار کے مقابلہ میں ایک چوتھائی سے بھی کم ہونے کے باوجود وہ بڑی بے جگری لڑے اور دشمن کے سینوں کو چیدتے ہوئے اور صفوں کو اُلٹتے ہوئے اس کے پاؤں سے لڑ دیئے۔ سردار قریش ابوسفیانؓ بھی بھاگ نکلا۔ مسلمانوں نے جب کفار کو میدان چھوڑنے پر مجاگتے ہوئے دیکھا تو مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے حالانکہ دڑہ پر متعین تیر اندازوں کو اس اکر م صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر حال میں یہیں قائم رہنے کا حکم دیا تھا۔ خالد امینؓ اور عکرمہ امین ابی جہلؓ نے دڑہ کو خالی پا کر دوسو کی جمعیت کے ساتھ عقب سے حملہ کر دیا۔ دڑہ سے فرار نہ کرنے والے تیر اندازوں کے سر کردہ جناب عبداللہ ابن جبیرؓ نے اپنے دو چار ساتھیوں کے ساتھ بڑی جواں مردی سے مقابلہ کیا مگر وہ اس یلغار کو روک نہ سکے اور ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ خالد کے اس کامیاب حملہ کو دیکھ کر بھاگنے والے لوگ آئے۔ سرگوں علم کو ایک عورت عمرہ نے اٹھالیا۔ مسلمان بے خبری میں مالِ غنیمت اکٹھے رہے تھے کہ ایک طرف سے بھاگی ہوئی فوج نے پلٹ کر اور دوسری طرف سے خالدؓ دستہ نے گھیرا ڈال لیا۔ اس دو طرفہ یلغار سے مسلمان حواس باختہ ہو گئے۔ طبری رقم

”جب مسلمانوں پر مصیبت پڑی تو ان میں سے ایک تہائی قتل

اور دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑا۔ جب کفار کا پراچھا تو میں نے دیکھا کہ پیغمبر اکرمؐ میدان جنگ میں ثابت قدم کھڑے ہیں۔ غرض اس ہنگامہ واروگیر میں آپؐ نے ایک لمحے کے لیے بھی میدان کو چھوڑنا گوارا نہ کیا اور جان سے بے نیاز ہو کر دشمنوں پر حملہ آور ہوئے تیر و تلوار کے وار سہتے اور دشمن کی صفوں کو درہم برہم کرتے رہے اور پورے ثبات قدم کا مظاہرہ کرتے ہوئے پیغمبرؐ کے لئے سینہ سپر رہے۔

ابن سعد رقم طراز ہے:

”أُحد کے دن جب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تو علیؑ رسول اللہ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں سے تھے اور موت پر پیغمبرؐ کی بیعت کی تھی۔“ (طبقات ج ۳ ص ۱۲۳)

یا علی! انہیں روکو

اس دوران میں ۵۰ سواروں کا ایک دستہ رسول خداؐ پر حملہ آور ہونے کے لیے بڑھا

تو آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

”اے علیؑ! دشمن حملہ کے لیے بڑھ رہا ہے اسے آگے بڑھ کر روکو۔“ علیؑ نے شیرانہ حملہ کر کے انہیں منتشر کر دیا۔ پھر مشرکین نے دوسری سمت سے حملہ کرنا چاہا۔ حضورؐ نے فرمایا: ”اے علیؑ! اب انہیں روکو۔“ علیؑ شیر جلی نے انہیں بھی تتر بتر کر دیا۔ غرض جدھر سے ہجوم کفر آگے بڑھتا علیؑ علیہ السلام اُدھر دیوار آہن بن کر کھڑے ہو جاتے اور دشمن کے پرے توڑ کر رکھ دیتے۔ ان حملوں میں حفاظت رسولؐ کا فریضہ انجام دیتے ہوئے وحی رسولؐ نے شیبہ ابن مالک عامری سفیان ابن عوفیف کے چار بیٹوں ابوالہعثاء خالد ابوالحرء اور غراب کو قتل کر کے رسول خداؐ کو خون آشام تلواروں سے محفوظ رکھا۔

ہو گئے ایک تہائی زخمی ہو گئے اور ایک تہائی بھاگ کھڑے ہوئے۔

علیؑ محافظِ نبیؐ

البتہ اس ہنگامہ رست و خیز اور ہنگامِ امتحان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی جانثاران ڈٹے رہے۔ حضرت حمزہؓ نے سباع ابن عبدالعزیٰ کو اپنے سامنے سے گزرتا دیکھا تو ”اے ختنہ کرنے والی کے بیٹے“ کہہ کر اس پر چھپے اور اُسے وہیں ٹھنڈا کر دیا۔ جبیر ابن مطعم جس کا چچا طعیمہ ابن عدی جنگ بدر میں حضرت علیؑ کے ہاتھوں مارا گیا تھا اس نے اپنے غلام وحشی سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ محمدؐ علیؑ یا حمزہؓ کو قتل کر دے گا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ اور ہند بن عتبہ نے بھی اسے زر و جواہر سے نوازنے کا وعدہ کیا تھا۔ وحشی کے لیے علیؑ و نبیؐ پر حملہ کرنا تو مشکل تھا لہذا اس نے حضرت حمزہؓ کو شہید کرنے کی ٹھانی اور موقع پا کر پوری چابک دستی سے اپنا بھالا حضرت حمزہؓ کی طرف پھینکا جو آپؐ کی ناف پر لگا اور پیٹ کو چیرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ آپؐ اس شدید ضرب کے باوجود اس کی طرف لپکے مگر بے طاقتی کے سبب سے زمین پر گرے اور شہادتِ عظمیٰ کے بلند مقام پر فائز ہو گئے۔

ابن اثیر نے اسد الغابہ میں رقم کیا ہے:

”حضرت علیؑ نے فرمایا کہ جب بھگدڑ مچی تو رسول اسلام میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے مقتولین کے لاشوں میں دیکھا بھالا مگر کہیں نظر نہ آئے۔ میں نے دل میں کہا: ایسا تو ہونہیں سکتا کہ آپؐ میدان چھوڑ کر چلے جائیں اور جہاد اور راہِ خدا سے منہ موڑ لیں۔ کہیں اللہ نے مسلمانوں کی نازیبا حرکت پر غضب ناک ہو کر آپؐ کو زندہ آسمانوں پر نہ اُٹھالیا ہو اب میرے لیے یہی بہتر ہے کہ لڑتے لڑتے قتل ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے تلوار کا نیام توڑ ڈالا

ہے۔ یہ سنتے ہی شور برپا ہو گیا، محمد قتل کر دیئے گئے۔ منتشر مسلمانوں کی ہمت اور بھی
سے گئی۔ بھگدڑ مچ گئی، کچھ لوگ چٹالوں کی اوٹ میں چھپ گئے اور کچھ نے مدینہ
دم لیا۔ پیغمبر خدا انہیں پکارتے تھے:

”اے بندگانِ خدا! اے اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ۔“

ان مجید نے اس صورت حال کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

”جب تم پہاڑ پر چڑھے جا رہے تھے اور رسول پیچھے سے تمہیں پکار
رہا تھا مگر تم نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔“

ہمارا شاد رہانی ہوا:

”اگر پیغمبر (اپنی موت) مرجائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم
اٹلے پاؤں کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے اور جو اٹلے پاؤں پلٹے گا وہ
خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور خدا جلد ہی شکر گزاروں کو اچھا بدلہ
دے گا۔“

رسول خدا نے مصعب کی شہادت کے بعد لہوا حضرت علیؑ کے سپرد کر دیا تھا۔ آپؑ
کچھ دیکھنے میں مصروف تھے کہ رسول اللہ کی شہادت کی خبر سن کر چوٹے۔ مصلوں کو
ہوئے اس مقام پر آئے جہاں پیغمبر زندہ و سلامت موجود تھے اگرچہ آپؑ خود بھی
سے چور چور تھے مگر پیغمبر اکرمؐ کی حالت دیکھ کر خود کو بھول گئے۔ حضورؐ کو سہارا دے
کھائی کی طرف لے چلے۔ کعب ابن مالک کی نظر پڑی تو انہوں نے خوش ہو کر
کہا:

یہ وہی رسول خدا۔

آپؑ نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بچے کچھ مسلمانوں کے ہمراہ ایک
طرف چل دیئے۔ پیغمبر اکرمؐ کو وہاں پہنچا کر خود چشمہ مہر اس سے پانی ڈھال

لافتیٰ إلا علی

علیؑ کی اس فداکاری پر جبرائیل امینؑ نے خدمتِ رسولؐ میں عرض کیا:
یا رسول اللہ! ہمدردی و غم خواری اسے کہتے ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ایسا کیوں نہ ہو جبکہ علیؑ میرے اور میں اُن کا ہوں اور
جبرائیلؑ نے کہا: میں آپ دونوں کا ہوں۔ اسی موقع پر فضائے اُحد میں لَا مَسِيْفَ إِلَّا
ذُو الْفَقَامِ اور لَا فِتْنَى إِلَّا عَلِيٌّ کی صدا گونجی اور فرشتے سے عرش تک تحسین علیؑ کی آوازیں
سنائی دیں۔

علیؑ تحفِ رسالت میں معروف پکارے تھے کہ مشرکوں نے رسولؐ برحق پر ہجوم کیا اور
کچھ لعینوں نے براہِ راست آپؐ پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ ابن شہاب نے آپؐ کی جبینِ مقدس
پر ضرب لگائی۔ عتبہ ابن ابی وقاص نے یکے بعد دیگرے چار پتھر پھینکے جن سے آپؐ کے
چار دانت شہید ہو گئے اور ہونٹ شکافت۔ (بعض شیعہ علماء کا یہی موقف ہے جن میں علامہ
مفتی جعفر حسینؒ بھی شامل ہیں لیکن علامہ سید علی نقیؒ کا موقف اس کے برعکس ہے جس کا
تذکرہ آئندہ ابواب میں سے کسی میں کیا جائے گا)۔ ابنِ قتیہ نے قریب پہنچ کر تلوار کا وار
کیا جس سے خود کی کڑیاں پیشانیِ اقدس میں گر گئیں، چہرہ مبارک خون سے رنگین ہو گیا۔
ابی ابن خلف نے آگے بڑھ کر حملہ کیا تو حضورؐ نے ایک صحابی حارث ابن حمہ کے ہاتھ سے
نیزہ لے کر اس کی گردن پر مارا جس سے ہلکا سا زخم آیا مگر وہ اس زخم سے جانبر نہ ہوسکا اور
اُحد سے پلٹتے ہوئے واصلِ جہنم ہوا۔ ابو جہانہ انصاری اور مصعب بن عمیر اس موقع پر
حضورؐ کے سینہ پر رہے۔ ابو جہانہ حضورؐ پر جھک کر اپنی بیٹھ پر تیر کھاتے رہے اور مصعب
دشمن کے حملوں کو روکتے روکتے شہید ہو گئے۔ مصعب کے قاتل ابنِ قتیہ نے (مصعب
کے ہم شکل رسولؐ ہونے) کے سبب سے یہ سمجھا کہ اس نے پیغمبرؐ کو قتل کر دیا ہے اس نے
اپنی مصلوں کے قریب پہنچ کر فخر یہ لہجے میں کہا: میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل

غزوہ بنی نضیر اور شجاعت علیؑ

۴ھ

۴ ہجری کے ماہ صفر میں قبیلہ بنی عامر کا ایک سردار ابوہریرہ نجد سے مدینہ آیا تو رسول خدا نے اُسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اُس نے کہا کہ میں قبول اسلام کے لیے تیار ہوں لیکن بہتر یہ ہوگا کہ آپ مسلمانوں کی ایک جماعت میرے ہمراہ نجد روانہ کریں جو وہاں کے باشندوں کو دعوت اسلام دے۔

آپؐ نے اُس سے فرمایا: اندیشہ ہے کہ اہل نجد میرے فرستادوں کو گزند پہنچائیں گے! ابوہریرہ نے ان کی حفاظت کی ذمہ داری اور اپنی پناہ کا وعدہ کیا تو آپؐ نے ستر صحابہ کو جو زہد و تقویٰ اور عبادت و پرہیزگاری میں ممتاز تھے ایک مکتوب دے کر نجد روانہ فرمایا۔ انہوں نے نجد پہنچ کر بزموعہ میں منزل کی اور اپنے ایک قاصد کے ذریعے رسول اکرمؐ کا مکتوب ابوہریرہ کے چہچہے عامر ابن طفیل کو پہنچایا۔ اس دشمن خدا نے خط کو پڑھنا تو کجا اپنے سے بھی انکار کر دیا۔

یہ صورت حال دیکھ کر قاصد حرام ابن لھان نے کچھ کہنے کے لیے امان طلب کی لیکن اُن کے بیان دعا سے پہلے ہی عامر کے اشارے پر ایک شخص نے اُن کی پشت پر نیزہ مارا جو سینہ کو چیر کر پار نکل گیا۔ حرام زمین پر گرے اور مقام شہادت پر فائز ہو گئے۔

عامر لعین نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے قبیلہ والوں کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی لیکن انہوں نے ابوہریرہ کے عہد و پیمان کی بنا پر اس کام سے انکار کر دیا۔ اس شقی نے دوسرے قبائل سے مدد لی اور بزموعہ کے مقام پر مسلمانوں کو حصار میں لے کر دو

میں بھر کر لائے۔ اتنے میں جناب فاطمہ زہراءؑ چند خواتین کے ہمراہ تشریف لے آئیں اور آپؐ کو (زندہ و سلامت) دیکھ کر مطمئن ہوئیں اور بے ساختہ آپؐ سے لپٹ گئیں۔ پھر حضرت علیؑ کے ساتھ مل کر زخموں کو دھویا اور پورے کا ٹکڑا جلا کر زخموں پر رکھا جس سے خون ختم کیا۔ جنگ عموماً ختم ہو چکی تھی اور کفار اپنی فتح یابی اور مسلمانوں کی ہزیمت پر خوش تھے۔ دیگر تفصیلات سے قطع نظر اور اختصار کے پیش نظر ہم اُحد میں شجاعت علیؑ کے اس

بیان پر اپنی تحریر کو سمیٹتے ہیں:

”حضرت علیؑ اس غزوہ میں جس پامردی اور ثابت قدمی سے لڑے وہ جہاد اسلامی کا ایک عظیم نمونہ اور تاریخ کا ایک مثالی کارنامہ ہے۔ آپؐ تین جہاد شہنشاہ کی صفوں پر حملہ آور ہوتے رہے اور اپنے زور بازو سے اُن کی بڑھتی ہوئی یلغار کو روک کر اسلام اور بانی اسلام کا تحفظ کرتے رہے اور جب تک معرکہ کارزار گرم رہا ایک لمحے کے لیے ہاتھ قہقہہ شمشیر سے الگ ہوا نہ پائے ثبات میں جنبش ہوئی۔ حالانکہ آپؐ پے در پے حملوں سے بڑھ چکے تھے اور تیروں تلواروں کے وار سے گھائل ہو چکے تھے۔“

علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں: ”اُحد کے دن حضرت علیؑ کو تلوار کی سولہ ضربیں لگیں۔“^①

اس غزوہ میں مسلمانوں کو فتح تو حاصل نہ ہو سکی لیکن حضرات علیؑ و حمزہؑ اور دو چار دوسرے جانبازوں کی ثابت قدمی نے مسلمانوں کو شکست کی بدترین صورت سے بچا لیا۔^②

① جبکہ تاریخ غیبیہ از قاضی ابوالخا اور تاریخ کامل کے مطابق حضرات حمزہؑ و جعفرؑ اور بہت دور نکل جانے والوں میں شامل تھے۔

② اگر ہم اسلامی جہاد کے معیار کو دیکھیں تو پھر غزوہ اُحد میں بھی فتح اہل اسلام ہی کو حاصل ہوئی۔ مؤلف

کچھ۔ یہ ایک قسم کی جنگ و قتال کی دعوت تھی جس پر خاموش بیٹھنا عظیم اسلام سے محرومی کے مترادف تھا لہذا حضورؐ نے ایک مختصر سا لشکر ترتیب دیا اور بنی نضیر کے قلعوں کی طرف روانہ ہوئے۔

علیؑ علم بردار اسلام

مؤرخ طبری تحریر کرتے ہیں کہ (حسب سابق) اس دن بھی علم پیغمبر علیؑ ابن ابی طالب کے ہاتھوں میں تھا۔ بنی نضیر نے لشکر اسلام کو آتے دیکھا تو قلعہ بند ہو گئے۔ لشکر اسلام نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ بنی نضیر نے اندر سے تیر اور پتھر برسائے شروع کر دیئے مگر محاصرہ ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ایک دن چند یہودی قلعہ سے باہر نکلے تاکہ مسلمانوں پر تیر چلا کر انہیں محاصرہ اٹھا لینے پر مجبور کر دیں۔ ایک یہودی نے رسول خدا کے خیمے کا نشانہ لے کر تیر چلایا۔ حضورؐ نے کھلی جگہ سے خیمہ ہٹا کر پہاڑی کے دامن میں نصب کرنے کا حکم دیا۔

ابھی یہ تبدیلی ہو رہی تھی کہ حضرت علیؑ چپکے سے اس بدنہاد تیر انداز کا پتہ لگانے کے لیے چل دیئے۔ علیؑ کو نہ پا کر صحابہ نے پوچھا کہ علیؑ کہاں ہیں تو حضورؐ نے فرمایا: کسی کام سے گئے ہوں گے۔ تھوڑی دیر میں حضرت علیؑ اس یہودی کا سر لے کر خدمت رسولؐ میں آئے اور آپؐ کے قدموں میں ڈال کر کہا:

یہ ہے وہ بد بخت جس نے آپؐ کے خیمہ پر تیر چلایا تھا۔ یہ یہودیوں کا مشہور تیر انداز غول ہے اور ابھی اس کے نواسی قلعہ کے باہر گھوم پھر رہے ہیں۔ اگر چند آدمی میرے ساتھ چلیں تو انہیں بھی پکڑ لائیں۔ رسولؐ عیشم نے الود جانہ! سہل ابن حنیف اور دو چار اور آدمی آپؐ کے ساتھ کر دیئے۔ آپؐ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان یہودیوں کو قلعہ بند ہونے سے پہلے ہی گھیر لیا اور وہیں ان سب کا کام تمام کر دیا۔

بنی نضیر نے جب اپنے تیر اندازوں کو موت کے گھاٹ اترتے اور عبد اللہ بن ابی

آدمیوں کے علاوہ سب کو قتل کر دیا۔ زعمہ بنج رہنے والوں میں ایک کعب بن زید تھے جنہیں مشغول سمجھ کر چھوڑ دیا گیا تھا اور دوسرے عمرو بن اُمیہ تھے جنہیں قیدی بنا لیا گیا تھا اور بعد ازاں عام ابن طفیل نے اپنی ماں کی ایک نذر پوری کرنے کے لیے اسے رہا کر دیا تھا۔

عمرو مدینہ واپس آتے ہوئے بنی عامر کے دو آدمیوں کو دیکھ کر ان کی تاک میں لگ گئے اور جب وہ ایک درخت کے سائے میں سو گئے تو عمرو نے انہیں اپنے ساتھیوں کے قصاص میں قتل کر دیا اور خود مدینہ چلے آئے۔ یہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ ان دونوں کو رسول خداؐ تحریر امان دے چکے تھے۔ رسول خداؐ اس واقعہ سے آگاہ ہوئے تو فرمایا کہ جو کچھ ہوا غلطی کی بنا پر ہوا، ہمیں ان دونوں کا خون بہا دینا چاہیے۔

چونکہ پیغمبر اسلامؐ قبائل یہود بنی قیصاع بنی قریظہ اور بنی نضیر سے باہمی تعاون کا معاہدہ کر چکے تھے لہذا سوچا کہ بنی نضیر سے کچھ رقم بطور قرض یا اعانت لے کر ان متغولوں کا خون بہا ادا کر دیا جائے۔ بنی نضیر نے یہ رقم دینے پر آمادگی کا اظہار کیا لیکن جب آپؐ یہ رقم لینے بنی نضیر کی آبادی میں گئے اور ایک دیوار کے سائے سے ٹپک لگا کر تشریف فرما ہوئے تو بنی نضیر نے دیوار کے اوپر چڑھ کر ایک شخص کو آپؐ پر بھاری پتھر گرانے اور آپؐ کو قتل کرنے کی سازش کی جس کی اطلاع حضورؐ کو بذریعہ الہام نبی ہو گئی اور آپؐ فوراً وہاں سے اٹھ کر مدینہ چلے آئے۔ آپؐ نے محمد ابن مسلمہ کے ذریعے انہیں پیغام بھیجا کہ تم نے غداری و بد عہدی کی ہے اور میرے قتل کا ارادہ کیا ہے، لہذا اس دن کے اندر اندر اپنے ساز و سامان کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ اور کسی دوسری جگہ پر سکونت اختیار کر لو۔

بنی نضیر نے حضورؐ کا یہ تہدیدی حکم سنا تو خائف ہو کر فوراً مدینہ چھوڑنے پر تیار ہو گئے لیکن رئیس المنافقین عبد اللہ ابن ابی نے انہیں اپنے دہزار ساتھیوں نیز بنی نضیر و بنی غطفان کی معاونت کا پیغام بھیجا تو انہوں نے اس پشت پناہی پر رسول خداؐ کو کھلا بھیجا کہ ہم اپنے گھروں کو خالی نہیں کریں گے اور یہاں سے کہیں نہیں جائیں گے۔ آپؐ جو کر سکتے ہیں

غزوہ احزاب

۵۵

بنی نضیر مدینہ سے نکالے جانے کے بعد زیادہ تر خیبر میں آباد ہوئے تھے۔ وہ اپنی حد طبعیتوں کے سبب سے نیز جلاوطنی کا انتقام لینے کی خاطر غم و غصہ سے بچ و تاب لاتے رہتے تھے۔ انہیں اپنی کم طاقتی کا بھی احساس تھا، لہذا اپنی عسکری طاقت کو بڑھانے کے لیے مختلف قبائل خصوصاً قریش کو اپنے ساتھ ملا کر مدینہ پر چڑھائی کا سوچنے لگے۔ چنانچہ ان کے بیس آدمی بشمول بنی داکل کے چند سردار مکہ آئے اور یوسفیان اور قریشی سرداروں سے جنگ کے سلسلے میں بات چیت کی۔ قریش کے سینوں پر پہلے ہی پلوٹ رہے تھے۔ چنانچہ دونوں گروہوں نے اپنے سینے دیوار کعبہ سے مس کر کے اور بیس کھاکر باہم عہد و پیمان کیا اور مسلمانوں کے خلاف اُس وقت تک جنگ جاری رکھنے کا عزم کیا کہ جب تک انہیں کچل کر نہ رکھ دیا جائے قریش سے قول و قرار کے بعد بنی نضیر بنی غطفان کی طرف رجوع کیا اور انہیں بھی اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے۔ انانہ اور دوسرے قبائل سے بھی ساز باز کی اور چار ہزار لشکری جمع کر لیے اور عازم مدینہ ہوئے۔ راستے میں بنی اسد بنی سلیم بنی فزارہ بنی مرہ اور بنی اشجع کے لشکر آ کر ملتے رہے۔ یوں اُن کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ سواری و بار برداری کے لیے تین سو گھوڑے اور ہزار اونٹ اُن کے پاس تھے۔ اسلحہ اور سامانِ رسد کی بھی فراوانی تھی۔

اُن کی ان پوشیدہ کارروائیوں اور مسلمانوں پر بے خبری کے عالم میں حملہ کر دینے

بنی غطفان اور بنی قریظہ کو مدد کے لیے آتے نہ دیکھا تو اپنی شکست کا اعتراف کر لیا۔ وہ اپنی جان بخشی کی درخواست پر یہ جگہ چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے اور شام و خیبر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کی زمینیں اور باغات مالِ فے کے طور پر رسول خدا کی ملکیت قرار پائے۔

قوت کے مقابل مسلمانوں کی کمی اور کمزوری کا بڑی حد تک تذکرہ ہو گیا۔
جنگِ احزاب کے مزید اسباب و عوامل اور واقعات و حالات کا تفصیلی تذکرہ
موضوع کتاب سے خارج ہے۔ چنانچہ چند آیات قرآنی سے جنگِ احزاب پر روشنی
ڈالتے ہوئے ہم حضرت علیؑ کے کارناموں کی طرف بڑھتے ہیں۔ چونکہ مدینہ کے باسی
بنی قریظہ بھی آخر کار اپنے عہد و بیان کو توڑ کر قریش کے ساتھ مل گئے تھے۔ چنانچہ اس
دو طرفہ یلغار کے بارے میں ارشادِ باری ہوا:

”جس وقت وہ لوگ تم پر تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے کی
طرف سے آپڑے اور جس وقت تمہاری آنکھیں پتھر اگئیں اور دل
کھینچ کر گلوں میں آ گئے اور تم خدا کے متعلق مختلف گمان کرنے لگے
تب مسلمانوں کی آزمائش کا وقت آ گیا اور انہیں بڑی سختی سے جھنجھوڑ
دیا گیا۔“

جب کچھ ٹھہرے اور بے حوصلہ مسلمان اپنے گھروں کی چوری چکاری کا بہانہ
بنا کر واپس جانے کی اجازت مانگ رہے تھے تو ارشادِ رب العزت ہوا:
”اور جب ان میں سے ایک گروہ کہنے لگا کہ اے اہلِ مدینہ! تمہارا
یہاں کوئی ٹھکانہ نہیں لہذا پلٹ چلو اور ان میں سے ایک گروہ پیغمبرؐ
سے اجازت طلب کرتے ہوئے کہتا تھا کہ ہمارے گھر خالی پڑے
ہیں حالانکہ وہ خالی اور غیر محفوظ نہ تھے بلکہ وہ تو اس بہانے سے
بھاگنا چاہتے تھے۔“

قرآن کی زبانی عام مسلمانوں کی صورتِ حال کی اس تصریح کے ساتھ ساتھ چند
اہلِ ایمان کے عزم و یقین اور خود اعتمادی کی ترجمانی بھی قرآن کی زبانی ملاحظہ کیجیے:
”جب سچے ایمان داروں نے کفار کے جتھوں کو دیکھا تو کہنے لگے

کی خواہش کے علی الرغم بنی خزاعہ کے چند سواروں کے ذریعے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کو ان کی پیش قدمی کی اطلاع مل گئی۔ آپؐ نے دشمن کی کثرت و قوت اور اچانک حملے کے
پیش نظر مسلمانوں کو اکٹھا کیا اور دفاع کے طریق کار کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت
سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ اہلِ عجم کا دستور ہے کہ جدھر سے دشمن کے حملے
کا خطرہ ہو اودھر سے خندق کھود لیتے ہیں۔ ہمیں بھی یہ طریق کار اختیار کرنا چاہیے۔ یوں
خندق ہمارے لیے دفاعی قلعہ ثابت ہوگی اور دشمن باسانی اسے عبور کر کے یکبارگی حملہ آور
نہ ہو سکے گا۔ اس تجویز پر عمومی پسندیدگی کا اظہار کیا گیا نیز آنحضرتؐ نے بھی اسے قبول کیا
اور اس پر عمل درآمد کا حکم صادر فرمایا۔ سلمان فارسیؓ ہی اس کے ناظر و نگران ٹھہرائے گئے۔
سلمان خندق کھودنے میں بھی اس قدر مستعد تھے کہ ان کا کام دس آدمیوں کے برابر ہوتا
تھا۔ مہاجرین و انصار ہر دو انہیں اپنے اپنے گروہوں میں شامل کرنا چاہتے تھے اور کہتے
تھے سلمانؓ ہم میں سے ہے، سلمانؓ ہم میں سے ہے۔ سلمانؓ کے بارے میں رسول رحمت
نے یہ الفاظ سنے تو فرمایا: سلمانؓ ہم میں سے ہیں، سلمانؓ ہمارے اہل بیتؑ میں شامل
ہے۔

بہر حال تین ہزار مسلمانوں نے رات دن ایک کر کے پانچ گز چوڑی پانچ گز
گہری اور تین ساڑھے تین میل لمبی خندق کھودی۔ اس کے اندرونی کنارے پر آٹھ حفاظتی
چوکیاں قائم کی گئیں اور ہر چوکی پر ایک انصاری اور ایک مہاجر کے زیرِ نگرانی چند افراد متعین
تھے تاکہ دشمن خندق عبور کرنے لگے تو سنگباری کر کے اُسے روکیں۔ یہود اور مشرکین مدینہ
کے قریب پہنچے تو تین طرف سے مکانوں کی دیواروں، پہاڑیوں اور غلٹانوں کی وجہ سے
مدینہ کے محفوظ ہونے اور چوتھی طرف سے خندق حائل ہونے پر اہلِ مدینہ کے اس حفاظتی
اقدام پر شہنشاہ اُٹھے اور کہنے لگے:

خدا کی قسم! یہ ایسی چال ہے جو اب تک اہلِ عرب نے نہ چلی تھی۔
اس نئی جنگی تدبیر نے اُن کے منصوبے خاک میں ملا دیئے اور اُن کی کثرت و

کی شجاعت اور شمشیر زنی کی ایسی دھاک بیٹھ گئی کہ اکیلا ہزار کے برابر سمجھا جانے لگا۔

ہزار آدمیوں کے برابر سمجھے جانے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی شرکت سے فوج کا حوصلہ اتنا بڑھ جاتا تھا جیسے ایک ہزار کا اضافہ ہو گیا ہو۔ جب اس نے آگے بڑھ کر پکارا کہ (لھکر اسلام میں سے) میرے مقابلے پر کون آتا ہے تو کسی جانب سے کوئی جواب نہ ملا اور کسی کو اس کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: مَنْ لِهَذَا الْكَلْبِ، ”کون ہے جو اس کتے کو جواب دے۔“ حضرت علیؑ خندق کا کنارہ چھوڑ کر خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: انا لله يا نبي الله، ”یا رسول اللہ! میں اس کا مقابلہ کروں گا۔“

نبی اکرمؐ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ شاید کوئی اور اس کے مقابلہ کی ہمت کرے مگر جب کوئی آواز نہ آئی تو حضورؐ نے دوبارہ فرمایا: تم میں سے کون ہے جو اس کا مقابلہ ہو اور مسلمانوں کو اس کے شر سے بچائے۔ حضرت علیؑ پھر اجازت طلب ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا: ابھی ٹھہرو۔ عمرو پھر لکھارا: کون میرے مقابلے کو آتا ہے؟ مگر کوئی تیار نہ تھا۔ جب عمرو نے تیسری مرتبہ لکھارا اور کوئی اس کے مقابلہ کے لیے نہ نکلا تو اس نے طنزاً کہا: ”مسلمانو! تمہاری وہ جنت کیا ہوئی جس میں تمہیں مرکز جانا ہے اور وہ دوزخ کیا ہوا جو مرنے کے بعد ہمارا ٹھکانہ ہے۔ آؤ یا خود جنت میں جاؤ یا مجھے دوزخ میں بھیجو۔“

پھر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور لھکر اسلام کے قریب پہنچ کر رجز پڑھنے لگا: ”چینچے چینچے میری آواز بیٹھ گئی ہے۔ میں (تو) ان مقامات پر بھی بہادر جنگجو کی طرح جم کر لڑتا ہوں جہاں اچھے اچھے شجاع کمزوری دکھا جاتے ہیں۔ جنگ کی طرف میرے قدم تیزی سے بڑھتے ہیں

یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسولؐ نے وعدہ فرمایا تھا اور خدا اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کا ایمان اور جذبہ اتباع اور زیادہ ہو گیا۔“

انہی اہل ایمان کے سرداروں میں ایک، مکمل ایمان علیؑ بھی تھے جو تحفظ اسلام کے لیے ہمیشہ کی طرح سربکف تھے۔

ابوسفیان اور خالد بن ولید نے ۲۷ دن کے اس محاصرے سردی کی شدت اور فاقوں کی سختی سے تنگ آئے ہوئے کفار کی حالت کو دیکھ کر اور تیروں پتھروں کے تبادلے سے کوئی نتیجہ نہ نکلنے سے اکتا کر یہ فیصلہ کیا کہ پہرے داروں کی نظروں سے بچ بچا کر خندق کے نسبتاً کم چوڑے حصے سے اپنے گھڑ سوار سوار ماؤں کو خندق عبور کروائی جائے اور ان شہسواروں کے جوہر شجاعت دکھانے کے بعد فوجوں کو خندق کے اس پار اتار کر جنگ مغلوبہ کا سامان کیا جائے۔

اشجع العرب بمقابلہ عماد عرب

اپنے گھوڑوں کو ممیز لگا کر خندق پار کرنے والوں میں یوں تو سبھی آزمودہ کار اور جنگ آزما بہادر تھے لیکن اُن سب سے زیادہ مشہور بہادر اور نامور شمشیر زن عماد عرب اور فارس طلیل عمر ابن عبیدو عامری تھا۔ اس فارس طلیل کے بارے میں حضرت عمر کا بیان یہ تھا:

”یا رسول اللہ! میں ایک کاروان تجارت میں شریک ہو کر شام جا رہا تھا اور یہ بھی ہمارا ہم سفر تھا۔ جب ہمارا قافلہ مقام طلیل پر پہنچا تو ایک ہزار رہزنوں نے قافلہ پر حملہ کر دیا۔ تمام اہل قافلہ اپنا سامان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے مگر یہ اپنی جگہ سے نہ ہٹا اور اس طرح جی توڑ کر لڑا کہ رہزموں کو بھاگتے ہی بن پڑی اور ہمارا قافلہ صحیح و سالم منزل پر پہنچ گیا۔ اس واقعہ کے بعد اہل عرب کے دلوں پر اس

مجھے اکیلا نہ چھوڑنا اور تو بہترین وارث ہے۔“

جب علیؑ میدان کی طرف بڑھے تو نبی معظمؐ کی زبان صداقت بیان سے یہ الفاظ نکلے:

”الایمان کُلُّهُ اِلٰی الشُّرَکِ کُلُّهُ“ ”کل ایمان کل شرک کی طرف بڑھ رہا ہے۔“

اب علیؑ نے آگے بڑھ کر عمرو بن لکاکار اور اُس کے رجز یہ اشعار کے جواب میں

مایا:

”ظہروا! تمہاری لکاکار کا جواب دینے والا آ گیا ہے جو کمزور نہیں ہے“

وہ عزم و بصیرت کا مالک ہے اور سچائی ہی ہر رشکار کے لیے وجہ

کامرانی ہے۔ مجھے امید ہے کہ میں تمہارے لیے بین کرنے والی

عورتوں کا بندوبست کروں گا! ایسی ضرب سے جو اپنا کام کر کے مٹ

جائے گی مگر اس کا تذکرہ معرکوں میں ہمیشہ ہوتا رہے گا۔“

علیؑ و عمرو بالقابل کھڑے ہوئے تو دستور عرب کے مطابق عمرو نے پوچھا: میرا

حریف کون ہے؟ حضرتؑ نے جواب دیا: میں علیؑ ابن ابی طالب ہوں۔

عمرو بولا: لشکر اسلام میں تمہارے اعمام (چچاؤں) میں سے کوئی نہیں ہے جو مجھ

سے لڑنے کے لیے آتا۔ تم ابوطالب کے بیٹے ہو اور وہ میرے دوست تھے میں نہیں چاہتا

کہ اپنے دوست کے بیٹے پر ہاتھ اٹھاؤں اور اسے قتل کروں! لہذا تم واپس جاؤ اور کسی

ہوئے کو میرے مقابلہ کے لیے بھیجنا کہ تمہاری جگہ وہ میرے ہاتھ سے قتل ہو۔ شیر کردگار

نے کہا: لیکن میں تو تمہارا خون بہانا پسند کرتا ہوں۔

اہل سنت کے مشہور عالم صدق ابن ہشیب لکھتے ہیں کہ عمرو نے ابوطالب سے

اپنی دوستی کا اظہار محض اپنی جان بچانے کے لیے کیا تھا کیونکہ وہ جنگ بدر میں دیکھ چکا تھا

کہ جو بھی علیؑ کے مقابلہ میں گیا وہ اپنی جان سلامت لے کر واپس نہ آیا، لہذا اس نے چاہا

کہ علیؑ سے لڑنے کی نوبت نہ آئے اور مقابلہ کسی اور سے ہو۔ جب عمرو نے دیکھا کہ

اور ایک جوانمرد کی سب سے بڑی خوبی سخاوت و شجاعت ہی تو

ہے۔“

عمرو کے بار بار لکاکار نے اور کسی کے اُس کا غرور توڑنے کے لیے نہ نکلے بلکہ

خاموشی تک نہ توڑنے کے بارے میں تاریخ نویسوں نے مسلمانوں کی بے حسی کو یوں ثبت

برقرطاس کیا ہے: کانھم راؤ وسھم الطیر ”گو یا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے

تھے۔“

علیؑ اُس کی اس جسارت پر بیچ و تاب کھا کر رہ گئے اور پیغمبرؐ گرامی سے عرض گزار

ہوئے:

یا رسول اللہ! اب مجھے اس سے دو دو ہاتھ کرنے کی اجازت دے (ہی) دیجیے۔

رسولؐ خدا کا علیؑ کو فوراً اجازت نہ دینے کا سبب یہ تھا کہ دوسروں کی ہمت و جوانمردی کی

آزمائش کریں کہ کس کی رگب حمیت پھڑکتی ہے اور کس کا خون شجاعت زور مارتا ہے۔ نیز

حضورؐ دوسروں کا یہ بہانہ ختم کرنا چاہتے تھے کہ علیؑ کے میدان میں اتر آنے سے ہم خاموش

ہو گئے ورنہ ہم بھی عمرو کے مقابلے پر جانے کے لیے تیار تھے۔

پھر رسولؐ خدا نے شیر خدا کی جرأت و خود اعتمادی کا جو ہر نمایاں کرنے کے لیے اُن

سے کہا: ”یہ شہسوارِ طلیل عمرو ابن عہدو ہے۔“ علیؑ نے کہا: ہوا کرے میں بھی تو علیؑ ابن ابی

طالب ہوں۔“

بوقتِ جنگ علیؑ لباسِ نبیؐ میں

اب نبیؐ نے علیؑ کے سر پر اپنا عمامہ سحاب رکھا، زرہ ذات الفضول پہنائی، کمر میں

ذوالفقار لٹکائی اور بارگاہِ ایزدی میں ہاتھ اٹھا کر عرض کیا:

”خداوند! تو نے عبیدہ کو بدر کے دن اور حمزہ کو اُحد کے دن اٹھا لیا۔“

اب (میرے پاس) ایک علیؑ ہیں ان کی حفاظت فرما۔ پروردگار

اور اس کے پاؤں پر اس طرح تلوار ماری کہ اس کی دونوں ٹانگیں کٹ گئیں۔ عمروؓ لڑکھڑا کر زمین پر گرا۔ علیؓ نے نعرہ بکیر بلند کیا اور اس کے سینے پر سوار ہو کر اس کا سر کاٹ لیا۔^① صحابہ گردوغبار کی وجہ سے کچھ نہ دیکھ سکے لیکن جب نعرہ بکیر سنا تو سمجھ گئے کہ علیؓ کا مران ٹھہرے اور عمروؓ واصل جہنم ہوا۔

غبار کا رزار چھٹا تو خلق نے یہ منظر دیکھا کہ مرتضیٰ علیؓ ایک ہاتھ میں شمشیر خون آلود اور دوسرے میں سر عمروؓ خون میں غلطان لیے اس طرح جھومتے چلے آ رہے تھے جس طرح شیر ببر ہلکی ہلکی پھوار میں لہراتا اور تل کھاتا ہوا چلتا ہے۔ اُس وقت زبان شیر یزدان پر نعرہ گونج رہا تھا:

”میں علیؓ ہوں اور عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ جو عمروؓ کے لیے بھاگنے سے موت بہتر ہے۔“

علیؓ کی ضربت عبادتِ ثقلین سے افضل ہے

علیؓ کو اس شان سے چلتے ہوئے آتا دیکھا تو کچھ بغض و حسد کے ماروں نے کہا: آج تو علیؓ بڑی رعونت سے چل رہے ہیں۔

آقائے نامدارؓ نے سنا تو فرمایا: میدانِ جنگ میں رب ذوالجلال کو بھی چال پسند ہے۔ اور جب علیؓ بارگاہِ نبوت میں باریاب ہوئے تو رسولؐ آخر نے انہیں سینے سے لگاتے ہوئے اُن کی اس عظیم خدمتِ اسلام کا اعتراف کرتے ہوئے یوں فرمایا:

صَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ

”خندق کے روز علیؓ کی ایک ضربت جن و انس کی عبادت پر بھاری

ہے۔“ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۲)

① حیات القلوب: تاریخ اسلام اور سیرت امیر المومنینؓ کے فاضل مؤلفین نے عمروؓ کے علیؓ کے منہ پر تھوکنے اور حضرتؓ کے اس کے سینے سے اُتر جانے کی روایت نقل نہیں کی۔

حیلے بھانے سے جان چھڑانا مشکل ہے تو لڑنے پر تیار ہو گیا۔ آپؐ پیادہ تھے اور عمروؓ گھوڑے پر سوار چنانچہ آپؐ نے چاہا کہ اسے گھوڑے سے نیچے اُتر دالیں (کیونکہ پیادہ ہمیشہ سواریِ زمیں آتا ہے)۔ فرمایا: عمروؓ! سنا ہے کہ اگر حلیف میدانِ جنگ میں تم سے تین باتوں کی درخواست کرتا ہے تو تم ایک ضرور مان لیتے ہو۔

عمروؓ نے کہا: ہاں۔ فرمایا: پھر میری پہلی خواہش یہ ہے کہ تم اسلام قبول کر لو تا کہ مجھے تم سے لڑنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ عمروؓ نے کہا: یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنا آبائی دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کرو۔

حضرتؐ نے فرمایا: پھر میری دوسری خواہش یہ ہے کہ تم اپنے لشکر سے علیؓ کو ہر واپس چلے جاؤ۔

عمروؓ بولا: میدان سے منہ موڑنا مردوں کو زیب نہیں دیتا اور میں یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ عورتیں میرے فرار پر مجھے طعنے دیں نیز میری شجاعت پر حرف آئے۔ فرمایا: اگر تم یہ بھی نہیں مانتے تو میری آخری خواہش یہ ہے کہ تم گھوڑے سے نیچے اُتر آؤ اور مجھ سے جنگ کرو۔

یہ سن کر عمروؓ غصے سے پیچ و تاب کھاتا ہوا نیچے اُترا اور اُترتے ہی اپنی تلوار سے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ قتل کیے یا قتل ہوئے بغیر میدان سے ہٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور یہ مدعا بھی ہو سکتا تھا کہ اپنی قوت و طاقت اور تیغِ زنی میں مہارت کا تاثر دے کر حریف کو مرعوب و متاثر کرے۔ لیکن علیؓ بڑے سے بڑے شہزادوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اس سے کیا مرعوب ہوتے! آپؐ نے اس غرورِ کفر کو خاک میں ملانے کے لیے (حسب روایت) اُلٹا اسے موقع دیا کہ پہلے حملہ کرے۔ وہ تلوار سونت کر حضرتؐ پر حملہ آور ہوا۔ آپؐ نے سپر پر اس کا وارو کا مگر اس چیل تن شمشیر زن کی تلوار کا اُچھٹا ہوا وار حضرتؐ کے سراقہ پر لگا اور پیشانی خون سے رنگین ہو گئی۔ اب کُل ایمان کی تلوار کُل کفر کو کاٹنے کے لیے نکلی۔ آپؐ زخمی شیر کی طرح اس دشمنِ اسلام پر جھپٹے

علیؑ — سپہ سالارِ غزوہٴ بنی قریظہ

۵۵

غزوہٴ احزاب میں یہود اور مشرکین نے مشترکہ محاذ کے باوجود شکست کھائی تو پیغمبرِ اسلامؐ نے حمی بن اخطب کی باتوں میں آنے والے اور مسلمانوں سے علاقہٴ غداری کرنے والے بنی قریظہ کی طرف فوج بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔ آنحضرتؐ نے تیس خزرجیوں کا ایک ہراول دستہ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی قیادت میں ان کی طرف بھیجا۔ طبریؒ نے طراز میں:

”پیغمبرِ اکرمؐ نے علیؑ ابن ابی طالبؑ کو راستہ حق دے کر بطور مقدمہٴ الجھش بنی قریظہ کی طرف بھیجا۔“

بنی قریظہ کو اپنی غداری اور بدعہدی کی بنا پر پہلے ہی مواخذہ کا اندیشہ تھا لہذا انہوں نے اپنے ایک قلعہ میں پناہ لے لی اور یہ سمجھا کہ اس قلعہ کو سر کرنا مسلمانوں کے بس کا روگ نہیں۔ شیر خدا ان کے اس قلعہ کے پاس پہنچے تو زمین میں نیزہ نصب فرمایا۔ ان بدطینتوں نے رسولِ خدا کی شان میں نازیبا کلمات کہے اور گالی گلوچ پر اتر آئے۔ آپؐ ان کی اس بدزبانی کو سن کر واپس آنے لگے تاکہ پیغمبرِ اکرمؐ کو ان کے قلعہ کے نزدیک جانے سے روک دیں۔ ابھی آپؐ راستے ہی میں تھے کہ رسولِ اکرمؐ تشریف لے آئے۔ حضرت علیؑ نے صورتِ حال سے آگاہ کیا تو حضورؐ نے فرمایا: ”جب وہ مجھے دیکھیں گے تو بدزبانی کی جرات نہ کر سکیں۔“ چنانچہ وہاں پہنچ کر انہیں حبیہ و سرزنش فرمائی اور قلعہ کے سامنے

مولائے کائناتؑ نے عرب کی عام روش کے برخلاف عمرو کی زمرہ تک بھی نہ اتاری تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا: مجھے شرم آئی کہ میں اس کی لاش کو برہنہ کر کے زمرہ اتاروں۔ آپؓ کی اس عالی ظرفی اور بلند کرداری کا اعتراف دشمن (عمرو) کی بہن بھی کیے بغیر نہ رہ سکی اور کہہ اٹھی: ”اس کا قاتل کوئی شریف اور عالی ظرف انسان ہے۔“ جب اُسے معلوم ہوا کہ عمرو کا قاتل علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے تو اُس نے برجستہ دو شعر کہے جن کا مفہوم حسبِ ذیل ہے:

”اگر عمرو کا قاتل سوائے علیؑ کے کوئی اور ہوتا تو میں رہتی دنیا تک اس پر روتی۔ مگر اس کا قاتل تو وہ ہے جس میں کوئی برائی (تک) نہیں ہے اور جس کا باپ سردارِ مکہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔“

عمرو مارا گیا تو اس کے ساتھیوں میں مبارزِ طلبی کی جرأت ہی نہ رہی۔ وہ سب کے سب خندق کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ علیؑ نے گھبراؤ والا اور عمرو کے بیٹے حمل کو بھی تلوار کی ضرب سے ڈھیر کر دیا۔ نوفل ابن عبد اللہ خندق پھلاکتے ہوئے اس میں گرا تو مسلمانوں نے پتھر مارنے شروع کر دیئے۔ وہ بولا مجھے مارنا ہی چاہتے ہو تو ذلت سے نہ مارو تم میں سے کوئی نیچے اترے اور مجھ سے لڑے۔ علیؑ خندق میں اترے اور ایک ہی ضرب میں اُس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ منبہ ابن عثمان خندق عبور کرتے ہوئے تیر سے زخمی ہو گیا اور مکہ پہنچ کر جہنم واصل ہوا۔ عکرمہ اور ضرار ابن خطاب فہری نے بھاگ کر خندق کو پھاندا اور اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔

مزید تفصیلات سے قطع نظر جبکہ احزاب یا جنگِ خندق میں مشرکین کے چار آدمی مارے گئے جن میں سے تین حضرت علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوئے اور چوتھا زخمی حالت میں مکہ پہنچ کر ختم ہو گیا۔ علمائے کرام کی تحقیق کے مطابق غزوہٴ خندق اور محاربہٴ طالوت و جالوت میں بڑی حد تک مشابہت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔



نہ مانی اور فرمایا کہ تمہیں خود کو غیر مشروط طور پر ہمارے سپرد کرنا ہوگا پھر ہم جو مناسب سمجھیں گے فیصلہ کریں گے۔ نباش نے واپس آ کر انہیں آگاہ کیا تو انہوں نے حضورؐ سے ابولبابہ انصاری کو اپنے پاس بھیجنے کی گزارش کی تاکہ ان سے بات چیت کر کے کوئی حتمی فیصلہ کریں۔ ابولبابہ کی آمد پر یہود نے ابولبابہ سے پوچھا کہ ہم اپنے آپ کو غیر مشروط طور پر تمہارے سپرد کر دیں؟ تو اُس نے زبان سے تو کہا ہاں مگر گروں پر ہاتھ پھیر کر اشارہ کیا کہ ہم سبھی قتل کر دیئے جاؤ گے۔ سو انہوں نے خود کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا۔ بعد ازاں یہود نے سعد بن معاذ کے ثالثی فیصلہ پر عمل کرنے کو کہا۔ آنحضرتؐ نے سعد کو ثالث قرار دیئے جانے کی اجازت دے دی۔

خدا کی قسم! قلعہ فتح کر کے رہوں گا

ادھر حضرت علیؑ نے ان کے اپنے آپ کو حضورؐ کے سپرد نہ کرنے پر فرمایا:

”خدا کی قسم! میں یا تو شہید ہو جاؤں گا جیسے حمزہ شہید ہوئے یا ان کے قلعہ کو فتح کر کے رہوں گا۔“

یہ کہہ کر آپؐ زبیر ابن عوام کو ساتھ لے کر قلعہ پر حملہ کے لیے بڑھے۔ بنی قریظہ نے آپ کو آتے دیکھا تو جیج اُٹھے اور پکار پکار کر کہنے لگے:

ہم سعد ابن معاذ کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ سعد (غزوہٴ احزاب میں شمولیت کی وجہ سے) زخمی حالت میں سواری پر بیٹھ کر ثالثی کے لیے تشریف لائے تو بنی اوس نے انہیں گھیر لیا اور بنی قریظہ کے ساتھ زری کے برتاؤ کی سفارش کرنے لگے۔ لیکن سعد نے حق و انصاف کے تقاضے کے مطابق کسی قسم کی رو رعایت نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ پھر انہوں نے یہ فیصلہ فرمایا:

بنی قریظہ کے مردوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے، عورتوں کو کنیریں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے اور ان کے اموال و املاک مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ اس

خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا۔ لشکرِ اسلام نے اس قلعہ کو اپنے حصار میں لے لیا اور محصورین پر آمدورفت کی راہیں مسدود کر دیں۔ حی ابن اخطب بھی محصورین میں شامل تھا کیونکہ اُس نے بنو قریظہ سے وعدہ کر رکھا تھا کہ شکست کی صورت میں انہی کے یہاں ٹھہرے گا اور جو مصیبت آ پڑی اس میں برابر کا شریک ہوگا۔

ریس بنی قریظہ کعب بن اسد نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کے اس سخت محاصرہ میں بچت کی کوئی صورت نہیں تو اس نے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے کہا:

”محمدؐ کی نبوت کا تذکرہ آسانی کتب میں موجود ہے، لہذا بہتر یہ ہے کہ ہم ان کی نبوت کا اقرار کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور اپنے جان و مال کا تحفظ کر لیں۔“

لیکن اہل قبیلہ تبدیلیِ مذہب کے لیے تیار نہ ہوئے تو کعب نے کہا: پھر اپنے بچوں اور عورتوں کو ٹھکانے لگاؤ اور قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرو اور بچوں اور عورتوں کی طرف سے بے فکر ہو کر پوری یکسوئی اور تندی سے لڑو۔

اہل قبیلہ اپنے بچوں اور عورتوں کے خون سے بھی ہاتھ رنگین کرنے پر تیار نہ ہوئے تو اس نے شب سبت کو مسلمانوں پر شب خون مارنے کی رائے دی جسے اہل قبیلہ نے اپنے دین و آئین کی خلاف ورزی اور سبت کی بے حرمتی قرار دیتے ہوئے قبول نہ کیا تو کعب نے کہا: تم عقل و خرد سے عاری ہو اور اپنے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہو۔

بنی قریظہ کو محاصرہ میں گھرے ہوئے چکیں دن گزر گئے تھے۔ وہ تیر اور پتھر برس آنے کے باوجود مسلمانوں کے حصار کو نہ توڑ سکے تھے۔ آخر محاصرہ کی شدت سے تنگ آ کر انہوں نے نباش ابن قیس کے ذریعے اس شرط پر ہتھیار ڈالنے پر رضامندی ظاہر کی کہ انہیں اپنی عورتوں، بچوں اور ہتھیاروں کے علاوہ مال و اسباب بھی اُنہوں پر لاوا کر لے جانے کی اجازت دی جائے۔ حضورؐ نہ مانے تو انہوں نے مال و اسباب یہیں چھوڑ جانے اور خود بیوی بچوں سمیت کہیں نکل جانے کی اجازت مانگی لیکن رسول معظمؐ نے یہ بات بھی

غزوہ خیبر

۷۷

خیبر عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی قلعہ و حصار کے ہیں۔^① ہجرت کے ساتویں سال کے آغاز میں رسول اسلامؐ نے بوجہ خیبر پر چڑھائی کا ارادہ فرمایا۔ یہ مدینہ سے ۸۰ میل کے فاصلہ پر حجاز و شام کی سرحد پر واقع ہے اور اپنے کھجوروں کے باغات نیز سرسبز و شاداب کھیتوں کے سبب سے دور دور تک مشہور ہے۔ خیبر کا علاقہ یہودی آبادی پر مشتمل اور ان کی جنگی قوت کا مرکز تھا۔ ان کے چھوٹے بڑے سات قلعے تھے جن کے نام باعم، کنبہ، شق، مطاء، وطیح، سلاسل اور قوص تھے۔ ان قلعوں میں دس ہزار یا چودہ ہزار یہودی آباد تھے جن میں وہ یہود بھی شامل تھے جو مدینہ سے جلاوطن ہو کر آئے تھے اور پھر انہوں نے مشرکین سے مل کر پیغمبر اکرمؐ سے جنگ بھی کی تھی۔ وہ صلح حدیبیہ کو مسلمانوں کی کمزوری اور ناقصی خیال کر رہے تھے۔ اس غلط فہمی نے انہیں ہمت دلائی اور وہ مسلمانوں کی صلح پسندانہ روش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مرکب اسلام کو تاخت و تاراج کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ دراصل وہ غزوہٴ احزاب میں ناکامی کی نکتہ بھی مٹانا چاہتے تھے۔

پیغمبر اکرمؐ کو جب ان ناعاقبت اندیشوں کے امن دشمن عزائم اور غیر اخلاقی کوششوں کا علم ہوا تو آپؐ نے تادیبی کارروائی ضروری جانی تاکہ ان فتنہ انگیزوں کو کچل کر امن قائم رکھا جاسکے۔ آپؐ سولہ سو صحابہ کے ساتھ جن میں دو سو سوار اور بقیہ پیادہ تھے

① ایک قول یہ ہے کہ علاقہ میں یثرب اور خیبر نام کے دو بھائی تھے۔ یثرب اور خیبر انہی کے ناموں پر آباد ہوئے۔

فیصلہ پر عمل ہوا۔ ان کے مرد قتل کر دیے گئے، عورتیں اور بچے قیدی بنا لیے گئے اور مال تقسیم کر دیا گیا۔

علی قاتل حیی

اس بناوت کا اولین محرک اور عظیم دشمن اسلام حیی بن اخطب جب قتل کے جانے کے لیے حضرت علیؑ کے سامنے پیش ہوا تو اس نے اعتراف کیا: یہ ایک شریفانہ قتل ہے جو ایک شریف کے ہاتھوں ہو رہا ہے۔
پھر حضرتؑ سے فرمائش کرنے لگا کہ مجھے قتل کرنے کے بعد سیرالباس اُتار کر مجھے بے پردہ نہ کیجیے گا۔
آپؑ نے فرمایا: دشمن کو قتل کرنے کے بعد عریاں کرنا میرا شیوہ نہیں ہے۔

معت مٹائی۔ اگرچہ (علامہ طبری کے بیان کے مطابق) لشکری ان کی قیادت اور بزدلی کو وجہ شکست قرار دیتے تھے۔

پیغمبر اکرمؐ کے درو شقیہ میں کچھ کی ہوئی تو خیمہ گاہ سے باہر تشریف لائے اور فوج میں پھیلی ہوئی بزدلی کا ازالہ کرنے کے لیے فتح و نصرت کی نوید سنائی۔

حیدر کزار و غیر فرزا کی آمد

تاریخ غمیس (ج ۲ ص ۵۳) پر مرقوم ہے کہ رسول معظمؐ نے فرمایا:
”خدا کی قسم میں کل علم اس کو دوں گا جو یہیم حملہ کرنے والا ہوگا اور
راہ فرار اختیار کرنے والا نہ ہوگا۔ وہ خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور
خدا و رسولؐ اسے دوست رکھتے ہیں اور اُسی کے ہاتھوں اللہ (ہمیں)
فتح دے گا۔“

اگر ہم رسول معظمؐ کے ان جملات پر غور کریں تو ایک طرف تو سابقہ سردار لشکری
کم ہمتی، نامردی اور فوج کی بزدلی کی آئینہ داری کی گئی ہے اور دوسری طرف پورے وثوق
کے ساتھ نئے علم بردار کی فتح و نصرت کی پیش بینی کی گئی۔ حدیث کے ان مختصر الفاظ میں
مہذب علیؑ کے بے پایاں دفتر بند ہیں۔ اس مختصر حدیث میں حضرت علیؑ کی پانچ صفات کا
تذکرہ ہے۔

❖ پہلی یہ کہ وہ مرد ہوگا

❖ دوسری یہ کہ وہ کزار غیر فرزا ہوگا

❖ تیسری یہ کہ وہ خدا و رسولؐ کو دوست رکھتا ہوگا

❖ چوتھی یہ کہ خدا و رسولؐ اسے دوست رکھتے ہوں گے

❖ اور پانچویں صفت یہ کہ خدا اُس کے ہاتھوں پر قلعہ فتح کرے گا۔

قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب یہود نے لشکر کو دیکھا تو اُن کے بڑھتے ہوئے
قدم رُک گئے اور بدحواس ہو کر اپنے قلعوں کی طرف بھاگے۔ رسولؐ گرای کو احساس تھا کہ
ان کے حلیف و معاہدہ جنگ میں ان کا ساتھ دیں گے اس لیے خیبر اور بنی غطفان کی
بستیوں کے درمیان مقام رجیع پر پڑاؤ ڈالا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب بنو غطفان مسلمانوں
کے خلاف اہل خیبر کی مدد کے لیے نکلے تو مسلمانوں کو راستے میں حائل پا کر رُک گئے اور
اپنی تباہی کے خوف سے اپنے گھروں میں واپس چلے گئے۔ اس کے بعد مسلمان خیبر کے
محاصرہ کے لیے آگے بڑھے۔ یہودیوں نے عورتوں اور بچوں کو قلعہ کتیہ میں محفوظ کر دیا
اور خود دوسرے قلعوں میں قلعہ بند ہو کر مسلمانوں پر تیر برس آنے لگے۔ مسلمانوں نے مختلف
جہڑیوں کے بعد چند ایک گڑھیاں فتح کر لیں مگر جس قلعہ پر فتح منحصر تھی وہ ابن ابی الحقیق
کا قلعہ تھا جو ایک پہاڑی ڈھلان پر واقع تھا۔ اس پہاڑی کا نام قوص تھا لہذا یہ قلعہ بھی
قوص کے نام سے مشہور ہو گیا۔ تاریخ و حدیث میں اسی مرکزی قلعہ کو قلعہ خیبر کے نام سے
موسوم کیا جاتا ہے۔ اس قلعہ کے آگے ایک گہری خندق کھدی ہوئی تھی اور اپنی مضبوطی کے
اعتبار سے بھی ناقابلِ تسخیر تھا۔

اس سے پہلے جو آئے میدان میں.....

غزوات میں سپہ سالاری کے فرائض عموماً پیغمبرؐ گرای قدر خود انجام دیتے تھے اور
علم برداری کا منصب حضرت امیر المومنین علیؑ کے سپرد فرماتے تھے مگر پیغمبرؐ چند دنوں سے
درو شقیہ میں مبتلا تھے اور حضرت علیؑ آشوب چشم کی وجہ سے لشکر کے ساتھ نہ آ سکے تھے۔
اس سے کچھ لوگوں کو اپنی بہادری کی دھاک بٹھانے کا موقع بھی ملا۔ حضرت عمرؓ نے علم
ہاتھوں میں لیا اور ایک فوجی دستہ کے ساتھ قوص پر حملہ آور ہو کر اسے فتح کرنے کے لیے
ہاتھ پاؤں مارے مگر ناکام واپس آئے۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے ایک ناکام کوشش کی۔
دوبارہ حضرت عمرؓ حملہ آور ہوئے مگر ناکام ہوئے اور فوج کو اپنی ہزیمت کا ذمہ دار ٹھہرا کر

رَمَدِ آلِودہ آنکھیں تھیں علی کی جگہ خیبر میں
دوائے چشم مضر تھی پیغمبرؐ کے لبِ تر میں
بنا آپ دہن اکسیر آنکھوں میں جلا آئی
مبارک تھی شفا یابی مبارک تھی مسیحا
کہا اس کو علمِ دوں گا جو ہمشیرِ دو بیکر ہے
دلیر وصفِ حکمِ جانباز و شیدائے پیمر ہے
وہ سرمستِ دلائے داور و محبوبِ داور ہے
وہی قلعہ کشا و فاتحِ درِ ہائے خیبر ہے
زمانہ بھر میں اس کو ہی نبیؐ نے یہ شرف بخشا
کہ اپنی جانشینی اور اخوت کا دیا تمنا!

جب علیؑ کی آنکھیں روشن ہو گئیں تو پیغمبر اسلامؐ نے اپنے ہاتھ سے زرہ پہنائی
مگر میں تلوار لٹکائی اور علم دے کر فتحِ خیبر کا حکم دیا۔

فتحِ خیبر

علیؑ علم لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور جاتے ہوئے رخِ موڑ کر رسول خداؐ سے
پوچھا کہ کب تک لڑوں؟

رسول خداؐ نے فرمایا: جب تک وہ اسلام کو قبول نہ کر لیں۔ اگر تمہارے ذریعہ ایک
شخص بھی راہِ حق پر آ گیا تو وہ تمہارے لئے سرخ اُونٹوں سے بہتر ہوگا۔ حضرتؐ دوڑتے
ہوئے میدان کی طرف آئے۔ کچھ لوگوں نے کہا: ذرا ٹھہریے ہم بھی ساتھ ہوں لیں مگر
حضرتؐ نے جوشِ شجاعت میں توقف نہ کیا اور قلعہ قوص کے قریب پہنچ کر ہی رُکے۔ آپؐ
نے علم کو سنگلاخِ زمین میں گاڑ دیا۔ ایک یہودی نے قلعہ کے اوپر سے یہ منظر دیکھا تو متحیر
ہو کر بولا: آپ کون ہیں؟ حضرتؐ نے فرمایا: میں علیؑ ابن ابی طالب ہوں۔ اس یہودی

”اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں پراباندھ کر
لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔“

جب رسول معظمؐ نے اللہ کے اس دوست کو علم عطا کرنے کا اعلان کیا تو ابنِ امیر
کے مطابق: قریش میں سے ہر ایک یہ اُمید رکھتا تھا کہ (صبح) وہی علم دار ہوگا۔ (تاریخ
کامل، ج ۲، ص ۱۴۹)

چنانچہ صبح دم ہی صحابہ خیمہ پیغمبرؐ کے آگے جمع ہو گئے اور درخیمہ پر نظریں گاڑ دیں۔
محمد بن اسماعیل بخاری لکھتے ہیں:

”وہ صبح ہی صبح رسول خداؐ کے پاس جمع ہو گئے اور ہر ایک یہ اُمید
لگائے ہوئے تھا کہ علم اُسی کو ملے گا۔“ (بخاری، ج ۱، ص ۵۴۵)

اب ہم ذیلی تفصیلات میں جائے بغیر حضرت علیؑ کی آمد اور فتحِ خیبر کی طرف
آتے ہیں۔ رسول خداؐ نے اپنی خیمہ گاہ کے سامنے جمع اس مجمع پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا: علیؑ
کہاں ہیں؟

کسی کو یہ سان گمان بھی نہ تھا کہ علیؑ کا نام لیا جائے گا۔ ہر طرف سے شور اٹھا کہ
ان کی تو آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ فرمایا: کسی کو بھیجو اور انہیں بلاؤ۔ چنانچہ مسلم بن اکوع گئے
اور حضرتؐ کو لے آئے۔ رسول خداؐ نے اُن کا سراپے زانو پر رکھ کر آنکھوں پر لعابِ دہن
لگایا اور فرمایا:

”بارِ اہل! انہیں گرمی اور سردی کے اثرات سے محفوظ رکھ اور دشمن
کے مقابلے میں ان کی نصرت و امداد فرما۔“

رسول کریمؐ کے لعابِ دہن نے اکسیر کا کام کیا اور اسی وقت آشوبِ چشم جاتا رہا۔
اس موقع پر حسان بن ثابتؓ نے نہایت خوبصورت عربی اشعار میں اظہارِ عقیدت کیا جن کا
منظوم اُردو ترجمہ کچھ یوں ہے:

لیے چھوڑ دے۔ میں ایک باعزت اور طاقتور جوان کی طرح کفار کی صفوں پر تلوار چلاؤں گا اور تمہیں (یہود کو) تلوار سے وسیع پیمانے پر قتل کروں گا۔

مرحب لعین نے آگے بڑھ کر شیر خدا پر تلوار کا وار کرنا چاہا لیکن آپؐ نے اسے موقع ہی نہ دیا اور پھر تاک کر تلوار اُس کے سر پر ماری جو خود کو کاٹتی اور سر کی ہڈی کو توڑتی ہوئی مرحب کے جیزوں تک اُتر گئی۔ مرحب زمین بوس ہوا اور گرتے ہی دم توڑ گیا۔ یہودیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ پھر چند اور نامور شجاع بھی شمشیرِ علیؐ سے لقمہ اجل بن گئے تو اُن میں بھگدڑ مچ گئی۔ حضرت لڑتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ ایک یہودی نے آپؐ کے ہاتھ پر ضرب لگائی جس سے سر چھوٹ کر گر پڑی۔ آپؐ نے اعجازی قوت و طاقت سے ایک دروازہ اُٹھا کر اسے سر بنایا۔ یہ دروازہ اتنا وزنی تھا کہ بعد میں آٹھ آدمیوں نے مل کر اسے اٹھانا چاہا مگر اٹھا نہ سکے۔ جب حضرت عمرؓ نے بڑی حرمت سے آپؐ سے پوچھا تھا کہ آپؐ نے اپنے ہاتھوں پر اتنا بڑا بوجھ کیسے اٹھایا تھا تو فرمایا:

”مجھے وہ اپنی سپر سے زیادہ وزنی معلوم نہ ہوا۔“ (مناقب ج ۱ ص ۴۴۴)

آپؐ نے مزید فرمایا:

”میں نے خیبر کا دروازہ اپنی جسمانی قوت سے نہیں اُکھاڑا بلکہ ربانی قوت سے اُکھاڑا ہے۔“ (تاریخ خمیس ج ۲ ص ۵۲)

رزم ہائے علیؐ کے ذکرِ مزید کی کاوش

غزوہ خیبر کو ضعیف الہی اور شیر کردگار کے جہادی کارناموں کا نقطہٴ عروج مان کر قلم رک گیا تھا کہ اب کیا رقم کرے مگر تاریخی کوائف متقاضی ہوئے کہ دیگر جنگوں کا ذکر بھی کیا جائے۔ چنانچہ باب آخر ”شانِ ضربِ علیؐ میں شیعہ تحقیق و ترویج کے مطابق حمر الاسد غزوہ حدیبیہ (صلح حدیبیہ) غزوہ حنین، غزوہ بدر الموعود اور فتحِ فک میں مولا مشکل کشا کی مشکل

نے حضرتؐ کے تیور دیکھے تو کہا: اے گردہ یہود! اب تمہاری ہلکت یقینی ہے۔

یہودیوں کو قیام کی مضبوطی پر بڑا ناز تھا اور پہلے علم برداروں کی ناکامی پر اُن کے حوصلے بھی بڑھے ہوئے تھے مگر اپنے ہی ایک ساتھی سے حوصلہ شکن الفاظ سنے تو ان میں کھلبلی مچ گئی اور ان کے دلوں پر رعب چھا گیا۔ اب اسلامی لشکر کے کچھ مجاہد بھی حضرتؐ کے پاس پہنچ گئے اور قلعہ کے سامنے پرا جما کر کھڑے ہو گئے۔ قلعہ کے سردار مرحب کا بھائی جو اس سے پہلے بھی میدان میں نکل چکا تھا ایک فوجی دستہ لے کر قلعہ سے باہر آیا اور ایک دم حملہ کر کے دو مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ حضرت علیؐ نے بڑھ کر اس پر ایسا وار کیا کہ اُسے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ مرحب نے جب یہ دیکھا کہ اس کا بھائی مارا جا چکا ہے تو اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اس نے زہہ پٹنی سر پر پتھر کا تراشا ہوا خود رکھا اور دو تلواریں اور تین بھال کا نیزہ لیے قلعہ سے باہر آیا اور رجز پڑھتے ہوئے مبارز طلب ہوا:

”اہلِ خیبر جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں، ہتھیار بند بہادر اور آزمودہ کار ہوں۔“

اس خونمد اور شد زور کے مقابلے کی کسی کو جرأت نہ تھی۔ دیارِ بکری رقم طراز ہیں:

”مسلمانوں میں سے کسی کے بس کی بات نہ تھی کہ جنگ میں اس کے مد مقابل ہوتا۔“ (تاریخ خمیس ج ۲ ص ۵۰)

جناب امیرؓ، شیعہ کے پیر نے اس کا یہ رجز سنا تو یوں رجز پڑھتے ہوئے اس کے مقابلہ میں اُترے:

”میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ میں شیرِ نر اور اسدِ پیشہ شجاعت ہوں جس کی کلاںیاں مضبوط اور گردن موٹی ہے جیسے جنگل کا وہ شیر جو دیکھنے میں ڈراؤنا ہو۔ میں تم پر ایسا وار کروں گا جو جوڑ بند توڑ ڈالے اور حریف کو درندوں کا لقمہ بننے کے

احزاب (خندق) بنی قریظہ کی سرکوبی

۵۶

غزوہ بنی لویان، غزوہ ذی قرد (بعض مؤرخین نے غزوہ بنی مصطلق اور ذات الرقاق کا تذکرہ بھی اسی سال میں کیا ہے جو میرے نزدیک درست نہیں ہے) 'معرکہ مدینہ'

۵۷

معرکہ خیبر، فک، غزوہ داوی القری۔

۵۸

جنگ موہن فتح مکہ، غزوہ حنین، جنگ اوطاس، طائف کا محاصرہ (ہم محاصرہ طائف و طائف میں اس کی تفصیل درج کر چکے ہیں) یمن میں اسلام۔

۵۹

بنی حنیملہ کی سرکوبی، سریہ ولدی الرتل، سریہ بنی کعب، غزوہ تبوک۔

۶۰

سریہ بنی زبید

۶۱

جیش اسامہ

غالباً غزوات اور سرایات کی مذکورہ بالا تفصیل ۲۷ غزوں اور ۵۶ سریوں کو محیط نہیں ہے۔ میرے خیال میں مزید تفصیل کے حصول و استفادہ کے لیے حیات القلوب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

کشتائی اور حق نمائی پر مواد شامل کر دیا گیا ہے۔

اب ضروری محسوس ہوتا ہے کہ دیگر معلوم غزوں اور سریوں کا سرسری ذکر بھی کر دیا جائے اور جس جس جنگ میں حضرت علیؑ کی شجاعت کا حال تفصیل سے میسر ہو اُسے بھی نہایت قریطاس بنا دیا جائے۔ اس کے لیے تمام اسلامی و غوی جنگوں کا تاریخ وار جائزہ لینا پڑے گا۔ صد شکر کہ علامہ فروغ کاظمی کی معروف کتاب "تفسیر الاسلام" اس سلسلہ میں معاون ہوئی جس میں مرقوم ہے:

دور رسالت میں جہاد و طرح کے ہوتے تھے: ایک وہ جس میں پیغمبر اسلام بنفس نفیس خود شرکت فرماتے تھے اس کو مؤرخین کی اصطلاح میں غزوہ کہتے ہیں۔ دوسرا وہ جس میں آنحضرتؐ خود نہیں جاتے تھے بلکہ کسی دوسرے کو اپنے قائم مقام کی حیثیت سے بھیجے تھے اس کو سریہ کہا جاتا ہے۔ اسلامی غزوات کی تعداد ۱۹ سے ۲۷ تک ہے اور سریوں کی تعداد ۵۶ ہے (صفحہ ۳۲۹)۔

اب تفسیر اسلام کے مطابق ان تمام جنگوں کا سن وار جائزہ لیا جاتا ہے۔

۶۲

غزوہ ابوا، سریہ رالی، سریہ سیف البحر، سریہ خراز، غزوہ ذوالعشیرہ، جنگ بدر، غزوہ قرقر، الکدر، غزوہ بنی سلیم، غزوہ بنی عطفان، غزوہ بنی قیقاع، غزوہ سویق۔

۶۳ جنگ احد

حضرت علامہ نے اس سال میں مزید کوئی غزوہ یا سریہ نہیں لکھا۔

۶۴

سریہ ابوسلمہ، سریہ ابن اثیم، رجیع کا المیہ واقعہ، بحر معونہ، غزوہ بنی نضیر۔

۶۵

غزوہ ذات الرقاق، غزوہ دومتہ الجندل، غزوہ بنی مصطلق (غزوہ مریسج)، غزوہ

فتح مکہ میں حضرت علیؑ کی بت شکنی بھی عالم شرک و کفر کے خلاف ایک بڑی جنگ تھی جس میں رسول خداؐ نے آپ کو اپنے کندھوں پر سوار کر کے کعبہ کو بتوں سے پاک کر لیا۔ فتح مکہ میں علم بھی سعد سے واپس لے کر حضرت علیؑ کے سپرد فرمایا جسے ابن خلدون نے بھی تحریر کیا ہے۔ طبع ثانی میں مزید تفصیل کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔ علماء سے تعاون کی درخواست ہے۔

نوٹ: رجحان اور بر موعودہ کا ذکر غزوہ بنی نضیر کے ذیل میں ہو چکا ہے۔



باب چہارم

عقیم علیؑ ہے عقیم محمدؐ

ناکین، ناکین اور ناکین سے جگتیں مع شہادت الام

- حضرت علیؑ کا بصرہ کی جامع مسجد میں خطبہ
- حضرت علیؑ کے مختلف شہروں کے لئے نمائندے
- جنگ صفین
- قتل عثمان کی خبر شام میں
- معاویہ کا ردِ عمل
- حضرت علیؑ کا معاویہ کی طرف بیعت کے لیے خط
- معاویہ کا عمر عاص سے رابطہ
- قتل عثمان اور علیؑ کے خلاف پروپیگنڈے
- حضرت علیؑ کے قاصد کی واپسی اور مزید غلط و کتابت
- معاویہ اور جنگ کی تیاری
- حضرت علیؑ کا عمرو بن عاص کو خط
- عبداللہ بن مسعود وغیرہ کا صفین میں شمولیت سے انکار
- حضرت علیؑ کا اپنے نمائندوں کو بلا بھیجنا
- حضرت علیؑ کا بابل کے خرابہ سے گزر
- محل کی علم داری
- حضرت علیؑ کا مالک اشتر کو امیر مقرر کرنا
- مقام صفین میں لشکر کا پڑاؤ
- عبداللہ بن عمر کو حضرت علیؑ کی سرزنش
- ربیع الثانی سے محرم تک کے مختصر حالات
- حضرت علیؑ کے جنگ صفین میں علم دار
- معاویہ کے صفین میں علم دار

مشمولات

- جنگ جمل
- بیعت علیؑ
- عراق کے سفر کا ارادہ
- نمائندگان کی روانگی
- طلحہ و زبیر کی حضرت عائشہ سے ملاقات
- حضرت علیؑ اور معاویہ کی خط و کتابت
- معاویہ کے قاصد کی چال بازی
- زفر جسی کا قاصد معاویہ کو جواب
- حضرت علیؑ کی عراق کی طرف روانگی
- حضرت علیؑ کے خلاف سازشیں
- حضرت علیؑ عازم کوفہ
- جنگ جمل میں علم بردار ابن علیؑ
- مخالفین کی علم برداری
- حضرت علیؑ کی زبیر کو نصیحت
- طلحہ کی موت مروان کے ہاتھوں
- مالک اشتر کا عبداللہ بن زبیر پر زوردار حملہ
- حضرت علیؑ کا اپنی فاتح فوج سے خطاب

- ✽ حضرت علیؑ کا معاویہ کو جواب
- ✽ لیلۃ الہدیٰ کا منظر
- ✽ قرآن کو نیزوں پر بلند کرنے کی سازش
- ✽ حضرت علیؑ کا اپنے اصحاب کو معاویہ کی سازش سے آگاہ کرنا
- ✽ ابو موسیٰ اشعری کے حکم بننے پر حضرت علیؑ کا اعتراض
- ✽ حکمیت کا بیان نامہ
- ✽ حکمیت کے عہد نامہ پر گواہوں کے نام
- ✽ حکمین کے تعین کے بعد اختلاف
- ✽ حکمین کی آپس میں گفتگو
- ✽ حکمین کی رائے کا اعلان
- ✽ فیصلہ کے بعد حکمین کا ایک دوسرے کو گالی دینا

- ✽ باپ بیٹے کے مقابلے میں جعدہ اور عتبہؓ برادر معاویہ کے درمیان معرکہ
- ✽ عمرو عاص کے پرچم کی داستان
- ✽ محمد بن حنفیہ بمقابلہ عبید اللہ بن عمر
- ✽ عبید اللہ بن بدیل معاویہ کے سر پر
- ✽ معاویہ اور خوف ذوالفقار
- ✽ حضرت علیؑ کی معاویہ کو پیش کش
- ✽ عمرو عاص نے موت سے گھبرا کر حضرت علیؑ کے سامنے پیٹھ پٹائی کر دی
- ✽ عبید اللہ بن عمر اور مالک اشترؓ میں مقابلہ
- ✽ عبید اللہ بن عمر کی ہلاکت
- ✽ ذوالکلاع کی ہلاکت
- ✽ جنگ صفین کا عجیب پہلو
- ✽ حضرت علیؑ کا اہم اعلان جنگ
- ✽ علیؑ و حسنینؑ اور محمد حنفیہ تیروں کی زد میں
- ✽ مالک اشترؓ نے پہاڑوں کو حوصلہ دیا
- ✽ حضرت زحرؓ کی شہادت
- ✽ ہاشم مرقال اور ابن ہاشم علم برادران علیؑ
- ✽ علیؑ لشکر شام میں چھپ گئے
- ✽ معاویہ کا حضرت علیؑ کی طرف خط
- ✽ حضرت علیؑ کا معاویہ کو جواب
- ✽ مالک اشترؓ علم بدمت
- ✽ معاویہ کا حضرت علیؑ کی طرف ایک اور خط

حضرت ابوالیوب انصاریؓ کہتے ہیں:

امر رسول اللہ علیا بقتال الناکثین والقاسطین
والمارقین - (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۳۹)
”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ
بیعت شکنوں (اصحاب جمل) بے راہروں (اصحاب صفین) اور
بے دینوں (خوارج) سے جنگ کریں۔“

لتقاتلته وانت له ظالم - (تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۵۷)
اے زبیر! تم علیؓ سے جنگ کرو گے اور تم ان کے حق میں ظالم
ہو گے۔ (پیشگوئی رسولؐ)

او ایاک ان تکونی انت یا حبیبرا
”خبردار! اے بی بی! وہ کہیں تم ہی نہ ہوتا۔“ (تاریخ یعقوبی ج ۳
ص ۱۵۷)



جاریہ ابن قدامہ نے کہا: ”اے اُم المؤمنین! آپ کا اس ملعون اُونٹ پر بیٹھ کر
ہتھیاروں کا نشانہ بننے کے لیے نکل کھڑے ہونا قتل عثمان سے بڑھ کر مصیبت ہے۔ آپ
کے لیے خدا کی طرف سے حجاب و احترام تھا مگر آپ نے اس پردے کو چاک کر ڈالا ہے
اور اپنا احترام کھو دیا ہے۔ جو شخص آپ سے جنگ و قتال صحیح سمجھتا ہے وہ آپ کو قتل کرنے
میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرے گا۔ اگر اپنی مرضی سے آئی ہیں تو اپنے گھر واپس جائیے
اور اگر آپ کو مجبور کر کے لایا گیا ہے تو اس کے خلاف لوگوں سے مدد حاصل کیجیے۔“
(تاریخ طبری ج ۳ ص ۴۸۲)



”مجھے ان لوگوں سے جنگ و قتال کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے جسے شک ہو وہ

غنیم علیؓ ہے غنیم محمدؐ

ناکثین، قاسطین اور مارقین سے جنگیں مع شہادتِ امامؑ

ارشاد الہی ہے:

وان طائفتان من المومنین اقتلوا فاصلحوا بینہما فان
بغت احدہما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تنفی
الی امر اللہ -

”اگر ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں آمادہ جنگ و قتال ہوں تو
ان میں صلح کراؤ۔ اگر ان میں سے ایک دوسرے گروہ پر زیادتی
کرے تو تم اس زیادتی کرنے والے گروہ سے لڑو حتیٰ کہ وہ حکم خدا
کی طرف پلٹ آئے۔“

حدیثِ قدسی

مجھے معراج نصیب ہوئی تو علیؓ کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے جو
کچھ میں نے وہاں دیکھا علیؓ نے یہاں دیکھا۔

ارشاد رب العزت ہوا: ”(محمدؐ) تیرے بعد تیری اس اُمت پر (علیؓ) کا دہی حق
ہے جو تیری زندگی میں تیرا اُمت پر حق ہے۔ جس نے اس کے حق کا انکار کیا اس نے
تیرے حق کا انکار کیا جس نے اس کی دوستی سے انکار کیا اس نے جنت میں داخل ہونے
سے انکار کیا۔“ (منقول از ابن عباس)

جنگِ جمل

(ناکثین یعنی بیعت توڑنے والوں سے مقابلہ)

بیعتِ علی

جب حضرت عثمان قتل ہو گئے تو تین دن تک غافقی نامی ایک شخص لوگوں کو نماز پڑھاتا رہا جو مدینہ کا امیر تھا لیکن بیعت کسی کی نہ کی گئی اور تین دن تک بغیر سیاسی پیشوا کے گزر گئے۔ البتہ تین روز کے بعد لوگوں نے رہبرِ حق، امام الدین والدین حضرت علیؑ کی بیعت کر لی تو امامؑ نے لوگوں سے یوں خطاب فرمایا:

”اے لوگو! تم نے میری بیعت اسی طرح کی ہے جس طرح مجھ سے پہلے والوں کی بیعت کی تھی اور بیعت کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار اس کے اختیار کرنے سے پہلے ہوتا ہے اور جب بیعت ہو جائے تو پھر یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ امام کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے ہو اور رعیت کا فریضہ اس کے احکامات کو تسلیم کرنا ہے نیز بیعت تمام لوگوں کے لیے ہوتی ہے جو اسے تسلیم نہ کرے وہ اسلام سے اعراض کرتا ہے اور بیعت فضول وقوع پذیر نہیں ہو سکتی۔“

عراق کے سفر کا ارادہ

امام علیؑ نے ان کلمات کا اظہار فرمانے کے بعد عراق کے سفر کا ارادہ فرمایا۔ ان

والہیں چلا جائے۔“ (حکیم ابن جبرہ ممتاز بصرہ)



”جلدی کرو جلدی کرو علیؑ ابن ابی طالب تمہارے سروں پر پہنچ گئے ہیں۔“
(تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۰۷)

مسلم بن ابی بکرؓ روایت کرتے ہیں: ”جنگِ جمل کے دوران میں مجھے ایک کلمہ سے فائدہ پہنچا جب رسول اللہؐ کو معلوم ہوا کہ فارس میں کسریٰ کی بیٹی حکومت کر رہی ہے تو آپؐ نے فرمایا: ”وہ قوم فلاح و بہبود کا منہ نہیں دیکھ سکتی جس کے امور کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں ہو۔“ (صحیح بخاری جلد ۹ ص ۹۷، باب المغتن، نسائی، جلد ۴ ص ۳۰۵، مستدرک حاکم، جلد ۲ ص ۵۲۵)

حضرت اُم سلمہؓ کا حضرت عائشہؓ کی ہم نوائی سے انکار اور حضرت علیؑ کی حمایت ”اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جانتے کہ عورتیں جہاد کا بار اٹھا سکتی ہیں تو وہ تمہیں حکم دے جاتے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ تمہیں دینی معاملات میں تجاذز کرنے سے منع فرما گئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر دین کا ستون جھک جائے تو وہ عورتوں کے ذریعے قائم نہیں سکتا اور اگر اس میں شکاف پڑ جائے تو عورتوں کے ذریعے اس کی درستی و اصلاح نہیں ہو سکتی۔ عورتوں کا جہاد یہ ہے کہ وہ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے دامن کو لپیٹیں اور تعلقات محدود رکھیں۔ اگر رسول اللہ تمہیں ان صحراؤں میں اُڈتے دوڑاتے ہوئے ایک چشمہ سے دوسرے چشمہ پر جاتے ہوئے دیکھ لیں تو تم انہیں کیا جواب دو گی۔ کل تمہیں رسولؐ کے سامنے جانا ہی ہوگا۔ خدا کی قسم! اگر مجھے کہا گیا کہ اے اُم سلمہؓ جنت میں داخل ہو جاؤ تو اگر میں نے اس جاب کو توڑ ڈالا ہو۔ جس کا مجھے پابند بنا گئے تھے تو مجھے بغیر کا سامنا کرتے ہوئے شرم آئے گی۔ لہذا تم پردہ کی پابند اور گھر کی چار دیواری میں بند رہو۔“ (عقد الفریض ج ۳ ص ۹۹)

مکہ مکرمہ چلی گئی تھیں اور عمرہ کے بعد وہاں پر ہی رہ گئیں۔ چنانچہ طلحہ و زہیر جب مکہ مکرمہ پہنچے تو انہوں نے حضرت عائشہ سے ملاقات کی (اور آپس میں گٹھ جوڑ کی)۔

حضرت علیؑ اور معاویہ کی خط و کتابت

اسی اثنا میں حضرت علیؑ علیہ السلام نے معاویہ کو خط لکھا:

”تم حضرت عثمان کے قتل اور ان کے بعد میری بیعت کے بارے میں مطلع ہو چکے ہو (لہذا) اب تم بھی میری بیعت کر لو یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔“

یہ خط حجاج بن غزیہ انصاری کے ہاتھ معاویہ کی طرف بھیجا گیا۔ معاویہ نے خط وصول کیا اور حجاج سے کہا: تم واپس چلے جاؤ۔ میں اس خط کا جواب بھیج دوں گا جو ان تک پہنچ جائے گا۔ معاویہ نے اپنے اہل کاروں کو حکم دیا کہ دو بڑے کاغذوں کو ایک دوسرے سے منسلک کرو۔ پھر اتنے بڑے کاغذ میں سوائے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کے کچھ بھی تحریر نہ کیے بغیر خط حضرت علیؑ کو بھیج دیا۔ خط کے باہر مرقوم تھا:

”یہ معاویہ بن ابی سفیان کا خط علی بن ابی طالب کی طرف ہے۔“

بنی عس کا ایک تیز طرار شخص یہ خط لے کر حضرت علیؑ کے حضور حاضر ہوا۔ جب حضرت نے خط وصول کر کے کھولا تو سوائے بسم اللہ کے کچھ تحریر نہ تھا۔

معاویہ کے قاصد کی چال بازی

اس وقت حضرت علیؑ کے پاس کافی بزرگ لوگ موجود تھے۔ قاصد نے مخاطب ہو کر کہا کہ حاضرین میں بنی عس کا کوئی شخص ہے؟ جواب ملا: ہاں۔ وہ بولا: اب آپ میری ایک بات ذرا غور سے سنیں۔ میں شام میں پچاس ہزار اشخاص کو چھوڑ کر آیا ہوں جو حضرت عثمان کے لباس کے ساتھ ساتھ اپنی ڈاڑھیوں کو آنسوؤں کے ساتھ خون آلود

دلوں حضرت عمر کی طرف سے سات سال اور حضرت عثمان کے تمام عہد حکومت میں گورز رہنے والا معاویہ بن ابوسفیان ہی شام کا گورنر تھا۔

جب حضرت علیؑ عراق جانے کے لیے تیار ہوئے تو سوائے تین اشخاص، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن خطاب اور محمد بن مسلمہ انصاری کے تمام لوگ آپ کے ہمراہ جانے پر آمادہ ہو گئے۔

نمائندگان کی روانگی

حضرت نے مختلف شہروں (اور علاقوں) کی طرف اپنے نمائندے روانہ کیے۔ عثمان بن حنیف کو بصرہ، عمارہ بن حسان کو کوفہ، عبداللہ بن عباس کو تمام یمن، قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر اور کھل بن حنیف کو شام کی طرف بھیجا۔

کھل بن حنیف جب شام کے سرحدی علاقے تبوک^① میں پہنچے تو معاویہ کی طرف سے چند لوگوں نے ان کا استقبال کیا اور وہیں سے واپس بھیج دیا۔ وہ حضرت علیؑ کے پاس آ گئے اور حضرت کو بتایا کہ معاویہ ہماری مخالفت کر رہا ہے اور اہل شام نے معاویہ کی بیعت کر لی ہے۔

طلحہ و زہیر کی حضرت عائشہ سے ملاقات

مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب حج کا موسم آیا تو طلحہ و زہیر نے حضرت علیؑ سے حج کی اجازت چاہی۔ حضرت نے انہیں اجازت دے دی۔ حضرت عائشہ چونکہ حضرت عثمان کے محاصرہ کے دوران میں اُن کے قتل سے بیس روز پہلے عمرہ کی ادائیگی کے لیے

① تبوک قدیمی شہروں میں سے ہے جو حجر اور شام کے درمیان واقع ہے۔ اب یہ سعودیہ میں شامل ہے اور مشہور فوجی چھاؤنی ہے۔

② چونکہ حضرت علیؑ کی بیعت ۲۱ ذی الحجہ کو ہوئی، چنانچہ حج کا موقع گزر چکا تھا، انہوں نے عمرہ کی اجازت مانگی ہوگی۔

مکہ: اب اگر میں نمازیوں کو قتل کروں تو اس سے بہتر ہے کہ اپنی تلوار کو کوہ اُحد پر ماروں۔
میں نے کل اپنی تلوار کو توڑ دیا ہے۔

اس کے بعد یہ تینوں حضرت کی خدمت سے واپس چلے گئے۔ پھر اسامہ بن زید
حضرت کے پاس آیا اور کہنے لگا: مجھے معاف رکھیں کیونکہ میں پروردگار سے عہد کر چکا ہوں
کہ جنہوں نے تیری وحدانیت کا اقرار کر رکھا ہے اُن سے جنگ نہیں کروں گا۔

جب یہ صورت حال مالک اشتر کو معلوم ہوئی تو وہ حضرت کی خدمت میں حاضر
ہوئے اور عرض کیا: اسیرو المومنین! اگرچہ ہم مہاجرین و انصار میں سے نہیں ہیں لیکن ان
کے تابع گروہ سے ضرور ہیں۔ وہ اسلام لانے میں ہم پر سبقت رکھتے ہیں مگر جن امور میں
وہ ہمارے ساتھ شامل ہیں ہم پر برتری نہیں رکھتے۔ یہ بیعت تو سب کے لیے ہے اور جو
کوئی آپ کے فرمان سے رد گردانی کرے گا وہ قابلِ ملامت اور عیب دار ہوگا۔ جنہوں نے
آپ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے سب سے پہلے آپ انہیں زبانی سمجھائیں اور اگر پھر
بھی بات نہ مانیں تو انہیں قید میں ڈال دیں۔ لیکن حضرت نے فرمایا: میں ان کو ان کے
محل پر چھوڑتا ہوں۔

جب حضرت نے عراق کی طرف جانے کا عزم مصمم فرمایا تو انصار کے اشراف
حاضر خدمت ہوئے جن میں سے جبکہ بدر میں شریک عامر (انصاری) نے کہا: آپ
مدینہ کو چھوڑ کر عراق جانا چاہتے ہیں؟ کیا وہاں جانا ضروری ہے حالانکہ یہاں مسجد نبوی
میں نماز پڑھنا نصیب ہوتی ہے اور منبر رسول پر آمد و رفت رہتی ہے اور اگر آپ شامیوں
سے جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو حضرت عمر کی طرح کیوں نہیں کرتے کہ خود یہاں
رہے جبکہ سعد کو جنگ قادسیہ کے لیے اور ابوموسیٰ کو جبکہ بصرہ کے لیے مقرر کیا۔ اس طرح
کے لوگ آپ کے پاس بھی موجود ہیں۔

جواباً حضرت نے فرمایا کہ مال اور لوگ عراق میں ہیں اور شای بغاوت کر چکے

کر چکے ہیں۔ انہوں نے حضرت عثمان کے بھراہن کو نیزہ پر آویزاں کیا ہوا ہے اور قسم کھا
چکے ہیں کہ جب تک عثمان کے قاتل کو کیفر کر دیا تک نہ پہنچائیں اپنی تلواروں کو نیام میں
نہیں ڈالیں گے حتیٰ کہ موت انہیں آئے۔

زفر عیسیٰ کا قصہ معاویہ کو جواب

اسی عیسیٰ کی یہ گفتگو سن کر خالد بن زفر عیسیٰ اپنی جگہ سے اٹھے اور کہا: خدا کی قسم! تو
بہت بُرا آدمی ہے تو مہاجرین و انصار کو ڈرانے کے لیے آیا ہے؟ وہ حضرت عثمان کا
بھراہن ہے حضرت یوسف کا بھراہن تو نہیں ہے؟ اور ان شامیوں کا رونا حضرت یعقوب کا
رونا تو نہیں؟ وہ شام میں حضرت عثمان کے بارے میں گریہ کناں ہیں تو یہاں اُن کی مدد
لیوں نہ کی؟“

حضرت علیؑ کی عراق کی طرف روانگی

اب حضرت علیؑ علیہ السلام نے لوگوں کو عراق کی طرف کوچ کا حکم دیا۔ سعد بن ابی
وقاص، عبداللہ بن عمر اور محمد بن مسلمہ سامنے آئے تو امام علیہ السلام نے ان سے مخاطب
کر فرمایا: آپ کی طرف سے ست قسم کی باتیں مجھ تک پہنچی ہیں جنہیں میں ناپسند کرتا
ہوں۔

سعد بن ابی وقاص نے کہا: آپ نے جو سنا ہے وہ درست ہے۔ آپ مجھے تلوار
میں تاکہ مسلمان کو کافر سے متحس قرار دوں اور اس تلوار سے آپ کے ہمرکاب جنگ
روں۔

عبداللہ بن عمر نے کہا: میں آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ مجھے ایسی چیز پر آمادہ نہ
ریں کہ جس کو میں نہیں جانتا۔

محمد بن مسلمہ نے کہا: رسول اکرمؐ نے مجھے حکم دیا تھا کہ اپنی تلوار سے مشرکوں کو قتل

جانشین کا۔ کعب بن سور با اور اُن کے خاندان نے بھی بیعت سے معذوری ظاہر کی مگر جب بی بی عائشہ ان کے گھر پہنچ گئیں تو انہوں نے بھی بیعت کر لی اور کعب نے کہا: میں اپنی ماں (زوجہ رسولؐ) کی بات نہ مان کر ناخوش تھا۔

یہ صورت احوال معلوم ہونے پر حضرت علیؑ نے ہاشم بن عقبہ بن ابی وقاص کو کوفہ بھیجا کہ وہ اہل کوفہ کو ہم خیال بنائیں اور اپنے مشن میں شامل کریں۔ اس کے بعد آپؑ نے اپنے فرزند ارجمند حضرت حسنؑ کو اپنے صحابی عمار یاسرؓ کی ہمراہی میں روانہ کیا۔ یہ دونوں حضرات کوفہ میں داخل ہوئے تو ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو ان دنوں کوفہ میں موجود تھا لوگوں کے درمیان مسجد میں براجمان پایا جو لوگوں سے کہہ رہا تھا:

”اے کوفیو! تم سب میری اطاعت کر لو تا کہ تم عربوں کے لیے پناہ گاہ بنو سب مظلوم تمہاری پناہ میں آ جائیں گے۔ محروم تمہارے سائے میں محفوظ رہیں گے۔

اے لوگو! جب فتنہ پیدا ہوتا ہے تو اس کا سبب تشکیک و تردید بنتے ہیں۔ اس سے حقائق واضح ہوتے ہیں۔ تم اپنی تلواریں نیاموں میں رکھ لو اپنے تیر توڑ ڈالو اور اپنے اپنے گھروں کے اندر چلے جاؤ۔ اے لوگو! فتنہ کے دوران میں جو خواب بیدار شخص سے بہتر ہے۔“

امام حسنؑ اور عمار یاسرؓ جب مسجد کوفہ میں پہنچے تو ابو موسیٰؓ کے گرد ایک جم غفیر کو پایا اور اس کی تقریر بھی سنی۔ شہزادہ حسنؑ نے فرمایا:

”ہماری مسجد سے باہر نکل جا اور جہاں جی چاہے چلا جا۔“

اس کے بعد عمار کو ساتھ لیے منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو جنگ کی تیاری کی دعوت دی۔ کوفہ کے اہل دانش میں سے حجر بن عدیؓ کنڈی نامی ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: خدا آپ کو سلامت رکھے۔ پھر گویا ہوا: لوگو! کم اور زیادہ (اسلحہ کے) وزن کے ساتھ باہر نکلو (اقتباس از سورۃ توبہ)۔ لوگ ہر سمت سے با آواز بلند پکارے: ”ہم نے امیر المومنین علیؑ علیہ السلام کے فرمودات کو سنا اور ہم اُن کی اطاعت کے لیے تیار ہیں۔ ہم

ہیں لہذا میں ان کے نزدیک رہنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آپؑ نے قافلے کو کوچ کا حکم دیا اور چل پڑے باقی لوگ آپؑ کے ہمراہ اور بمقدم تھے۔

حضرت علیؑ کے خلاف سازشیں

طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہؓ عمرہ سے فراغت کے بعد اکٹھے ہوئے تو قتل عثمان کو موضوع گفتگو بنایا۔ طلحہ و زبیر نے کہا: اگر آپ ہماری بات مانیں تو ہم سب مل کر خون عثمان کا مطالبہ کرتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ بولیں: ان کے خون کا مطالبہ کس سے کرو گے؟ تو انہوں نے کہا: عثمان کے قاتل شناخت ہو چکے ہیں اور ان کا تعلق حضرت علیؑ کے ہم صحبت لوگوں سے ہے۔ آپ ہمارے ساتھ چلیں تاکہ ہم اہل حجاز سے اپنے حیردوں کے ساتھ بھرہ جائیں۔ اہل بھرہ جب آپ کو دیکھیں گے تو سبھی آپ کے ساتھ ہو جائیں گے۔ حضرت عائشہؓ نے ان کی یہ تجویز قبول کر لی اور ان کے ہمراہ نکل کھڑی ہوئیں اور لوگ ان کے ارد گرد جمع ہو گئے۔

حضرت علیؑ عازم کوفہ

حضرت علیؑ مدینہ سے عازم کوفہ ہوئے تو طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہؓ کے گٹھ جوڑ کی خبر معلوم ہوئی۔ آپؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ہم جلدی جلدی ان کے پیچھے چلتے ہیں تاکہ ان کے بھرہ پہنچنے سے پہلے ان سے جا ملیں۔ کیونکہ اگر وہ بھرہ پہنچ گئے تو سب اہل بھرہ ان کے ساتھ مل جائیں گے۔

صحابہ عرض گزار ہوئے: امیر المومنینؑ جیسے آپ کا حکم ہے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپؑ نے اپنے سفر کو جاری رکھا اور جب (بھرہ کے نزدیک) ذوقار کے مقام پر پہنچے تو آپ کو طلحہ و زبیر و عائشہؓ کے بھرہ پہنچنے کی خبر ملی۔ بنی سعد کے علاوہ تمام اہل بھرہ نے اُن کی بیعت کر لی تھی جبکہ بنی سعد نے کہا تھا کہ ہم نہ تمہارا ساتھ دیں گے اور نہ ہی تمہارے

مغین اور نہروان میں شرکت کی۔ نیز پیادہ فوج کی کمان جناب بن زبیر ازدی کو سونپی گئی۔

حائنین کی علم برداری

جب حضرت بصرہ کے مضافات میں خریہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کے سات لشکروں کی آمد کی خبر طلحہ وزیر کو بھی ہو گئی چنانچہ انہوں نے بھی اپنے لشکر کو جنگ کے لیے تیار کرنا شروع کیا اور علم نصب کیے۔ سواروں کا کمانڈر محمد بن طلحہ اور پیادوں کا کمانڈر عبداللہ بن زبیر کو بتایا۔ سب سے بڑا پرچم عبداللہ بن حزام بن خویلد کو دیا گیا۔ میمنہ کی کمانڈری کعب کو سونپی گئی۔ قریش دکنانہ پر عبداللہ الرحمن بن عتاب بن اسید کو کمان دار مقرر کیا گیا۔ میسرہ پر عبدالرحمن بن حارث بن ہشام کا تقرر ہوا۔ طلحہ وزیر کو قبیلہ قیس پر مقرر کیا گیا اور جاشع بن مسعود کو بھی کمانڈری دی گئی۔ عمر ابن یثرب کی قوم الرباب قبیلہ پر تیس عبد بن عامر کو انصاری ثقیف اور باقی تمام خاندانوں پر تحنین کیا گیا۔

مؤرخین کے مطابق حضرت علیؑ نے بصرہ کے باہر تین روز تک توقف فرمایا اور اہل بصرہ کی طرف اپنے نمائندے بھیج کر انہیں دینی بیعت و اطاعت کی دعوت دی لیکن انہوں نے کسی قسم کا جواب نہ دیا۔

۱۰ جمادی الآخر کو جمعرات کے روز حضرت کے لشکر نے حملہ کیا۔ میمنہ جناب مالک اشتر کے ہاتھ میں اور میسرہ عمار بن یاسر کے ہاتھ میں۔ حضرت نے سب سے بڑا علم اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو مرحمت فرمایا۔ جب دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو نماز فجر سے لے کر نماز ظہر تک آپس میں گفتگو جاری رہی۔ اہل بصرہ اپنے علموں کے نیچے جمع تھے اور حضرت عائشہ ہودج میں بیٹھی کمان کر رہی تھیں۔ جب زبیر کو معلوم ہوا کہ عمارؓ بھی حضرت علیؑ کے ہمراہ ہیں تو وہ خوف زدہ ہو گیا کیونکہ اسے پیغمبر اکرمؐ کی حدیث یاد تھی:

آسانی یا سختی، شک دہی یا فراخی ہر حال میں جنگ نیز نصرت امام کے لیے تیار ہیں۔“

جنگ جمل میں علم برداران علیؑ

حضرت اپنے ہمراہیوں سمیت جب بصرہ کے نزدیک پہنچے تو تمام علموں کو جمع کر کے سات علم نصب فرمائے:

- ایک علم ہمدان و حمیر کے قبائل کے لیے نصب فرمایا اور اس کا علم دار سعید بن قیس ہمدانی کو بتایا۔
- دوسرا علم مذحج اور اشتری قبائل کے لیے نصب فرما کر اس کا علمدار زیاد بن نصر حارث کو مقرر کیا۔
- تیسرا علم بنی طی کے لیے نصب فرمایا اور اس کا علم دار عدی بن حاتم کو قرار دیا۔
- چوتھا علم قیس عیس و بیان کے قبائل کے لیے نصب کیا اور اس کا علم دار سعد بن مسعود ثقفی کو مقرر کیا جو عتار ثقفی کے چچازاد بھائی تھے۔
- پانچواں علم حضرموت قضاہ اور مہدہ کے لیے نصب کیا اور علم دار حجر بن عدی کنڈی کو بتایا۔
- چھٹا علم ازد بخلیہ، خشم اور خزاعہ کے قبائل کے لیے نصب فرمایا جس کا علم دار خثف بن مسلم اور ازدی قبائل کو قرار دیا۔
- ساتواں علم بکر، تغلب اور ربیعہ کے قبائل کے لیے نصب کیا اور اس کا علم دار محمد فرج ذہلی کو بتایا۔

علاوہ ازیں قریش انصار اور باقی حجازیوں کے لیے ایک علم^① نصب فرمایا جس کا علم دار عبداللہ بن عباس کو مقرر کیا۔ ان سات لشکروں نے اسی ترتیب سے جنگ ہائے جمل میں شرکت کی۔

① اسی عبدالرحمن بن حارث کی بابت حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اگر میں جمل میں جانے کے بجائے مکہ میں رہتی تو میرے لیے اس سے بہتر ہوتا کہ اگر آنحضرتؐ سے عبدالرحمن کے سے دس مثل منہ اور پار سا بیٹے جتنی۔

چکا تھا۔

عبداللہ نے کہا: خدا کی قسم! میں واپس نہیں جاؤں گا یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے۔

چنانچہ زبیر اسے چھوڑ کر خود حجاز واپس جانے کے لیے بصرہ کی طرف چل دیا۔

طلحہ کی موت مروان کے ہاتھوں

جب طلحہ نے زبیر کو واپس جاتے دیکھا تو اس نے بھی جنگ سے گریز کا ارادہ کر لیا۔ جب یہ بات مروان بن حکم کو معلوم ہوئی تو اس نے طلحہ کی طرف ایک تیر چلایا جو اس کے زانو پر لگا جس سے خون کا فوارہ پھوٹا اور کافی مقدار میں خون کے بہہ جانے کے سبب طلحہ اس دنیا سے چل دیا۔

ادھر زبیر بصرہ پہنچا تو اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ اُونٹوں پر سامان لادو اور میرے پیچھے چلتے آؤ وہ خود غریبہ کے راستے بصرہ سے باہر نکل آیا۔ جب وہ احنف بن قیس کے گھر کے قریب سے گزرا تو احنف بن قیس اور اس کے اہل خانہ جنگ سے کنارہ کش تھے۔ احنف نے کہا: کوئی ہے جو پتہ کر کے آئے کہ زبیر جنگ سے کیوں پلٹ آیا ہے اور اب اس کا کیا ارادہ ہے؟

عمر بن جرموز کہنے لگا: میں یہ معلومات اکٹھی کر کے لاتا ہوں۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوا اپنی تلوار حائل کی اور زبیر کے پیچھے چل دیا۔ نماز ظہر سے پہلے کافی دُور تک چلا ہوا وہ زبیر سے آ ملا اور اس سے پوچھا:

اے ابا عبداللہ! قوم کو کس حال میں چھوڑ آیا ہے؟

زبیر نے کہا: اس حال میں کہ وہ ایک دوسرے پر تلواریں چلا رہے ہیں۔

اس نے کہا: اب کہاں جا رہے ہو؟

زبیر نے کہا کہ میں اپنے کام کے سلسلہ میں جا رہا ہوں کیونکہ جنگ کی حجت و

”حق عمار کے ساتھ ہے اور اے عمار! تجھے ایک ظالم گردہ قتل کرے

گا۔“ (کنز العمال جلد ۱۳ ص ۳۳۷)

(لیکن افسوس کہ وہ دشمنی سلی میں پیغمبر کی یہ حدیث یکسر بھول گیا تھا: اَلْحَقُّ مَعَ عَلِيٍّ وَعَلِيُّهُ مَعَ الْحَقِّ (حضرت عمار کے تفصیلی واقعہ کا ذکر بعد میں کیا جائے گا)۔

حضرت علیؑ کی زبیر کو نصیحت

اب حضرت علیؑ اہل بصرہ کے نزدیک آئے اور زبیر کو بلایا تاکہ اس کے ساتھ بات چیت ہو سکے۔ زبیر بات سننے کے لیے آیا تو حضرت نے فرمایا:

”اے ابا عبداللہ! تجھے خدا کی قسم! کیا تمہیں یاد ہے جس دن میرا

ہاتھ تمہارے ہاتھ میں تھا اور ہم دونوں آنحضرتؐ کی خدمت میں

حاضر ہوئے تھے تو آنحضرتؐ نے تجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا: کیا

تو علیؑ کو دوست رکھتا ہے؟ تم نے کہا تھا: ہاں۔ تو حضرت نے فرمایا

تھا لیکن اس کے باوجود تو علیؑ سے جنگ کرے گا اور اس پرستم

ڈھائے گا۔“

زبیر نے جواب دیا: ہاں مجھے یاد ہے۔ اس پر حضرت علیؑ اپنے لشکر کی جانب لوٹ

گئے اور اپنے لشکریوں سے فرمایا: ہم نے اپنی طرف سے اتمامِ حجت کر دیا ہے لہذا اب تم

ان پر حملہ کر دو۔

دونوں لشکر آپس میں نبرد آزما ہوئے اور نیزوں اور تلواروں سے حملہ آور ہونے

لگی کو تھے کہ زبیر اپنے عبداللہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: بیٹا جان! میں جنگ نہیں کرنا چاہتا

اور واپس جا رہا ہوں تم بھی میرے ساتھ واپس چلو۔

عبداللہ نے دریافت کیا: اس اچانک تبدیلی کا کیا راز ہے؟

تو زبیر نے کہا: علیؑ نے مجھے نبی اکرمؐ کی ایک بات یاد دلادی ہے جسے میں بھلا

ان زوردار حملوں میں کعب بن سور با قتل ہوا۔ لوگ حضرت عائشہ کی سواری سے دُور بھاگ گئے البتہ قبیلہ ازد کے لوگوں نے ثابت قدمی دکھائی اور شدید لڑائی کی۔

حضرت علیؑ نے جب اہل بصرہ کی ثابت قدمی اور پاسِ عہد کو دیکھا تو اپنے بزرگ صحابہ کو جمع فرما کر ان سے کہا:

”یہ لوگ غصے سے بھرے ہوئے ہیں۔ تمہیں بھی چاہیے کہ اُن سے شدید ترین جنگ کرو۔ یہ حکم ملتے ہی مالکِ اشتر، عدی بن حاتم، عمرو حوق اور عمار بن یاسر اپنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔

اُدھر بی بی عائشہ کے کماؤد عمرو بن یثرب نے اپنی فوج سے کہا:

”یہ لوگ حضرت عثمان کے قاتل ہیں، ان پر ٹوٹ پڑو اور اپنے حملوں کو شدید کر دو۔“

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ نیز حضرت عائشہ کی سواری کو نہایت ہی حفاظت سے رکھا لیکن پھر بھی کئی ایک تیرا سے (سواری کو) جا گئے۔

دونوں طرف سے شدید جنگ ہو رہی تھی اور دونوں طرف سے کئی فوجی مارے جا رہے تھے اور میدانِ جنگ میں ہر سو غبار ہی غبار تھا۔ جگہ جگہ پر جم کرے پڑے تھے کہ اچانک حضرت علیؑ نے ایک زوردار حملہ کیا جس میں آپؑ کی تلوار ٹوٹ گئی۔

اس دوران میں بصرہ کے ایک بہادر عمرو بن اشرف نے میدانِ کارزار کا رخ کیا۔ حضرت علیؑ کے صحابہ میں سے جو بھی اس کے مقابلے کے لیے آتا پچھاڑ دیا جاتا۔ اس نے یوں رجز پڑھا:

”ماں اور بہترین ماں جسے ہم جانتے ہیں وہ ہے جو اپنے بچوں کو غذا دیتی ہے۔ کیا یہ نہیں دیکھتی کہ بہت سے گھڑ سوار زخمی ہو رہے ہیں اور کئی کے سر کاٹے جا رہے ہیں اور کلانیوں سے ہاتھ کٹ رہے ہیں۔“

خرابی کے بارے میں مجھے کچھ خبر نہیں۔

عمرو بن جرموز نے کہا کہ میں خربہ جا رہا ہوں چلے اکٹھے چلتے ہیں۔ دونوں اکٹھے چل دیئے۔ تھوڑی دیر بعد ظہر کا وقت تھا تو زہیر نے کہا: نماز کا وقت ہے اور میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔

عمرو نے کہا: تم میری طرف سے امان میں ہو کیا میں بھی اپنے آپ کو تمہاری امان میں سمجھوں؟

عمرو نے کہا: ہاں۔

دونوں اپنی اپنی سواری سے اترے۔ جب زہیر نے نماز شروع کی اور بعدے میں گیا تو عمرو نے اپنی تلوار سے اس پر حملہ کر دیا اور موقع پر ہی اسے ہلاک کر دیا اور اس کی زرہ، تلوار اور گھوڑا لے کر حضرت علیؑ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ حضرت علیؑ اُس وقت بیٹھے ہوئے تھے اور جنگ جاری تھی۔ گویا حضرت علیؑ جنگ کا جائزہ لے رہے تھے۔ عمرو نے زہیر کے ہتھیار حضرت علیؑ کے سامنے پھینکے۔ جب حضرت نے زہیر کی تلوار دیکھی تو فرمایا:

اے پر مہینہ تو زہیر کا قاتل ہے۔ تجھے جہنم کی آگ کا مژدہ نصیب ہو۔

عمرو بن جرموز کہنے لگا: میں نے آپؑ کے دشمن کو قتل کیا ہے اور آپؑ مجھے جہنم کی آگ کی خبر سن رہے ہیں؟

حضرت علیؑ نے اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو حکم دیا کہ اپنا علم آگے آگے لے کر چلو۔ حنفیہ نے حکم کی بجا آوری کی۔ لوگ عبداللہ بن زہیر کے گرد جمع ہو گئے اور اسے تمام واقع سے آگاہی حاصل ہوئی۔ محمد بن حنفیہ اپنے علم کو لے کر آگے بڑھے تو بھریوں نے تلواروں اور نیزوں سے ان کا استقبال کیا وہ اپنے علم کو لے کر وہیں ٹھہر گئے۔ حضرت علیؑ نے خود علم کو اُن سے لے لیا اور دشمنوں پر حملہ آور ہوئے۔ دشمن نے بھی جوابی حملہ کیا۔ پھر حضرت نے دوبارہ علم محمد بن حنفیہ کو دے دیا اور حملے پر حملے کیے۔ گھمسان کا رن پڑا اور

حضرت علیؑ کا جنگی ہدایات دینا

امام علیؑ علیہ السلام نے بصریوں کے لشکر کو بی بی عائشہ کے اُونٹ کے ارد گرد جمع دیکھا تو عمارؓ سعید بن قیسؓ قیس بن سعد بن عبادہؓ مالک اشترؓ ابن بدیلؓ محمد بن ابی بکرؓ اور چند ایک دیگر اکابر صحابہ سے فرمایا:

”جب تک یہ (حضرت عائشہ کا) اُونٹ ان بصریوں کے سامنے موجود ہے یہ استقامت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں گے۔ اگر یہ اُونٹ ان کے سامنے نہ رہے تو یہ سب بھاگ کھڑے ہوں گے۔“

ان مجاہدوں نے بی بی عائشہ کے اُونٹ پر حملہ کر دیا۔ جس سے سب اہل بصرہ دُور بھاگ گئے۔ بنی مراد کا ایک شیخ امین بن ضعیہ کوئی اُونٹ کے قریب آیا اور اُونٹ کے پنجوں کو کاٹ ڈالا۔ اُونٹ بلبلایا اور گر پڑا۔ یوں بی بی عائشہ کا ہوج سرخوں ہو گیا۔

امام علیؑ علیہ السلام نے محمد بن ابی بکر سے فرمایا:

”اپنی بہن کے قریب جاؤ۔“

محمدؓ نے اپنا ہاتھ ہوج میں داخل کیا اور جلد عائشہ تک پہنچا تو حضرت عائشہ نے کہا: انا للہ..... تیری ماں تجھ پر روئے تو کون ہے؟

وہ بولے: میں تمہارا بھائی محمد ہوں۔

امیر المومنین حضرت علیؑ نے اپنے اصحاب کو آواز دی اور فرمایا: ”کسی بھی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرنا اور کسی کے مال کو نہ چھیننا۔ جو کوئی اپنا اسلحہ زمین پر رکھ دے اور جو کوئی اپنے گھر میں جا بیٹھے اس کے لیے ہماری طرف سے امان ہے۔“

مولائے اصحاب نے بصریوں کے سامان کو نہ اٹھایا تھا البتہ ان کی سوار یوں اور اسلحہ کو تصرف میں لائے تھے۔ اصحاب میں سے ایک نے پوچھا: مولائے! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کی جان ہمارے لیے مباح ہو اور ان کا مال و متاع جائز نہ ہو۔

وریں! اثناء حضرت علیؑ کی فوج کے پہلوان حارث بن زبیر ازدی میدان جنگ میں اُترے اور عمرو بن اشرف پر حملہ آور ہوئے۔ انہوں نے ایک دوسرے پر ایسے ہاتھ پاؤں مارے کہ عمرو بن اشرف موقع پر ہلاک ہو کر واصل جہنم ہوا اور حارث بن زبیر بھی شہید ہو گئے۔

اہل بصرہ پر اگندہ ہو گئے تو حضرت مالک اشترؓ نے بی بی عائشہ کے اُونٹ کے قریب جا کر دیکھا تو عبداللہ بن زبیرؓ ان کی سواری کی لجام پکڑے ہوئے تھے (حضرت عائشہ عبداللہ بن زبیر کی خالہ تھیں)۔

مالک اشترؓ کا عبداللہ بن زبیرؓ پر زور دار حملہ

حضرت مالک اشترؓ نے اپنے آپ کو عبداللہ بن زبیرؓ کے اُوپر گرا دیا اور اسے اپنے پیچھے وبالیا۔ عبداللہ چیخنے لگا: مالک مجھے مارنا چاہتا ہے جب اُس کے حامیوں نے اس کی چیخ و پکار سنی تو مالک اشترؓ کے گرد جمع ہو گئے۔ مالک فوراً عبداللہ بن زبیرؓ کے اُوپر سے اُٹھے اور ایسی جنگ کی کہ پایادہ اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔ مالک پیادہ اس لیے ہو گئے تھے کہ جب انہوں نے عبداللہ کو پکڑا تو اُن کا گھوڑا بھاگ گیا تھا۔ چونکہ عبداللہ نے اپنے ساتھیوں کو مدد کے لیے پکارتے ہوئے کہا تھا کہ مالک مجھے مارنا چاہتا ہے لہذا وہ اس کی بات نہ سمجھ پائے جس سے مالک دشمنوں کے حملے سے بچ گئے اور بعد میں خود جنگ کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔

اس معرکہ میں عدی بن حاتم کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔ عمرو بن جمیع جو کہ کوفہ کے بہت بڑے عابد تھے نے اپنے ہم خیال ساتھیوں کے ساتھ مل کر شدید لڑائی کی جس کی وجہ سے ان کی لکوار ٹوٹ گئی۔ وہ اپنے بھائی رباح کے پاس واپس چلے گئے تو رباح نے کہا: اے بھائی دیکھو! آج ہم نے کتنی شدید جنگ کی ہے اگر ہم کامیاب ہو جائیں تو فتح (فتح) جمل (جمل) اسی سبب سے ہوگی۔

بارے میں کسی سوچ رکھتے ہو جب آؤنٹ آواز لگاتا تھا تو تم جنگ کرتے تھے۔ تمہارا اخلاق پست اور عہد غیر مضبوط ہے تمہارا پانی نمکین اور تلخ ہے اور تمہاری زمین پانی کے نزدیک اور آسمان سے دور ہے۔ خدا کی قسم! ایک دن اس شہر کو پانی گھیرے گا جس سے صرف مساجد کے کنگرے نظر آئیں گے اب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔“ (نسخ البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۳)

اس کے بعد امیر المومنین منبر سے نیچے تشریف لائے اور اپنی قیام گاہ کی طرف چلے گئے۔ اس موقع پر محمد بن ابی بکر سے ارشاد فرمایا:

”اپنی بہن کے ہمراہ جاؤ اور اسے مدینہ پہنچا آؤ اور پھر جلد از جلد واپس آ جاؤ۔“
محمد نے عرض کیا: اے امیر المومنین! مجھے اس کام سے معذور رکھیں۔
حضرت نے فرمایا: میں تمہیں معذور نہیں رکھ سکتا کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

محمد اپنی بہن کے ہمراہ گئے اور اسے مدینہ منورہ پہنچایا۔ اسی اثناء میں حضرت علیؑ نے بصرہ سے کوچ فرمایا اور عبداللہ بن عباس کو وہیں چھوڑ گئے۔ جب آپ بصرہ سے باہر نکل گئے اور بصرہ کے در و دیوار آنکھوں سے اوجھل ہونے لگے تو حضرت نے فرمایا:

”حمد ہے اس رب کی جو مجھے ایسے شہر سے باہر لے آیا ہے کہ جس کی خاک تمام شہروں سے بدتر ہے اور (یہ شہر) تمام شہروں سے دیران تر ہے پانی کے نزدیک اور آسمان سے دور ہے۔“

اس کے بعد آپ نے قافلہ کو روانہ ہونے کا حکم دیا۔ جب کوفہ کے نزدیک پہنچے تو فرمایا:

”اے کوفہ! تجھ پر آفرین ہو تیری ہوا کس قدر اچھی اور تیری خاک

حضرت علیؑ کا اپنی فاتح فوج سے خطاب

مولاً نے اس سوال کے جواب میں فرمایا:

”جو لوگ ایک خدا کی عبادت کرتے ہوں ان کو اسیر نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ان کے مال کو غنیمت کے طور پر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ البتہ جنگی ہتھیاروں پر تصرف جائز ہے۔ جو حکم دیا گیا ہے اس کے مطابق عمل کرو۔“

اس کے بعد امیر المومنین نے محمد بن ابی بکر سے کہا:

”اپنی بہن عاتشہ کو ان کی منزل تک چھوڑ آؤ۔“

بی بی عاتشہ کو عبداللہ بن حنف خزاعی کی بیوی صفیہ کے گھر پہنچا دیا گیا۔ عبداللہ خود

قتل ہو گیا تھا۔

پھر حضرت نے محمد بن ابی بکر سے فرمایا:

”دیکھو کہیں تمہاری بہن کو صدمہ نہ پہنچا ہو۔“

محمد نے عرض کیا:

”مولاً! تیر کی وجہ سے بازو زخمی زخمی ہے اور ہودج کے گرنے سے خراشیں سی

آ گئی ہیں۔“

حضرت علیؑ کا بصرہ کی جامع مسجد میں خطبہ

جنگ جمل سے فراغت کے بعد حضرت علیؑ بصرہ میں آئے اور وہاں کی جامع مسجد

میں تشریف لے گئے۔ سب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ نے

اللہ جل جلالہ کی حمد و ثنا اور نبی رحمتؐ پر درود و سلام کے بعد فرمایا:

”اے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع اور عذاب دردناک ہے۔ اے بصرہ

والو! اے عورت کے لشکر یو! اے بچہ پاؤں کے جھرو! تم میرے

اے لوگو! میں تم سب سے تقویٰ اور خدا ترسی کی سفارش کرتا ہوں کیونکہ تقویٰ الہی بہترین سفارش ہے کہ جس کی تمام بندوں کو سفارش کرنا چاہیے اور یہی رضایت الہی کا بہترین وسیلہ ہے اور اس کا انجام اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت اچھا ہے۔

تمہیں تقویٰ اور خدا ترسی کا حکم دیا گیا ہے اور تمہاری غرض خلقت نیکی کو قرار دیا گیا ہے۔ پس غضب الہی سے بچو کیونکہ اس کا عذاب اور گرفت سخت ہے۔ اللہ سے ڈرو سب کام اللہ کے لیے انجام دو اس لیے کہ جو شخص غیر خدا کے لیے کام کرتا ہے اللہ اسے ڈھیل دے دیتا ہے اور جو قربت خدا کے لیے کام کرتا ہے اللہ اسے نوازتا ہے اتنا نوازتا ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی اتنا نہیں ہوتا۔ اپنے آپ کو خدا کے عذاب سے بچاؤ کیونکہ اس نے تمہیں فضول پیدا نہیں کیا۔

(اس خطبہ کے بعض اقتباسات نفع البلاغہ کے خطبہ نمبر ۲۳ کے ہیں۔ جبکہ ہمارا ماخذ کتاب ”اخبار الطوال“ نفع البلاغہ سے ۱۲۰ سال پہلے لکھی گئی ہے۔ یہ اس خطبہ کے معتبر ہونے کے لیے سند ہے۔)

خداوند تعالیٰ لوگوں کے کیے ہوئے آثار کو محفوظ کر لیتا ہے اور لوگوں کے پوشیدہ کاموں کو جانتا ہے اور تمہارے اعمال کا حساب رکھتا ہے۔ اس نے ہر ایک انسان کی زندگی اور موت کو لکھ رکھا ہے۔ دنیا کی محبت تمہیں دھوکا میں نہ رکھے کیونکہ دنیا دنیا داروں کو بہت دھوکا دیتی ہے اور جو دنیا سے رخ موڑ لیتا ہے دنیا اس پر فریفتہ ہو جاتی ہے۔ دنیا فنا ہونے والی اور آخرت جاودانی ہے۔ ہم سب اللہ سے

کس قدر بابرکت ہے۔ جو تجھ سے باہر نکلے گا گنہگار ہوگا اور جو کوئی یہاں آئے گا رحمت الہی اس کے شامل حال ہوگی۔ روز و شب اس وقت کشادہ ہوں گے جب مومنین تیری طرف رجوع کریں گے اور بدکار اشخاص یہاں رہنا پسند نہیں کرتے۔ یہاں کے رہنے والے بعض لوگ جمعہ کے روز سویرے سویرے تیار ہوں گے لیکن دوری سفر کی وجہ سے وہ نماز جمعہ میں شریک نہ ہو سکیں گے۔

حضرت علی علیہ السلام ۱۲ رجب المرجب سن ۳۶ ہجری کو حشر کوفہ میں وارد ہوئے تو اہل کوفہ نے عرض کیا: مولاً! آپ شاہی محل میں نہیں رہیں گے؟ آپ نے فرمایا: میں محلہ رجبہ میں رہوں گا۔ جب آپ کوفہ میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے جامع مسجد میں تشریف لے گئے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر رجبہ میں سکونت اختیار فرمائی۔ مولائے کائنات نے کوفہ میں جو پہلی نماز جمعہ پڑھائی اُس کا خطبہ یہ تھا:

”حمد ہے اللہ تعالیٰ کے لیے ہم سب اُس سے رہنمائی طلب کرتے ہیں اور اپنے کاموں میں اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اُسی پر توکل ہے۔ گمراہی اور بدبختی سے بچنے کے لیے اس سے پناہ چاہتے ہیں۔ خداوند تو تمام لوگوں کو نیکی کی ہدایت کرتا ہے۔ وہ کسی کو گمراہی کے گڑھے میں نہیں پھینکتا اور جس سے ہدایت کی توفیق سلب کر لے اس کی کوئی ذات رہنمائی نہیں کر سکتی۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے واحد و یکتا (خدا) کے کوئی خدا نہیں ہے وہ بے نیاز ہے۔ میں مزید گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ نے انہیں نبوت اور پیغمبری کے لیے منتخب فرمایا۔

شہداء کی منزلت انبیاء کی مصابحت اور نیک لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنے کا سوال کرتے ہیں کیونکہ ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کے اختیار میں ہیں۔ (نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۲۳)

حضرت علیؑ کے مختلف شہروں کے لیے نمائندے

اس کے بعد حضرت امیر المومنینؑ نے مختلف علاقوں کے لیے اپنے نمائندے مقرر فرمائے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

① مدائن اور خوخی (آج کل یہاں بغداد ہے) کے لیے یزید بن قیس ارجی کو مقرر فرمایا۔

② اصفہان اور جبل کے لیے محمد بن سلیم کو مقرر فرمایا۔

③ بہرہیر اور اس کے نواح کے لیے عدی بن حارث کو مقرر فرمایا۔

④ بالائی صوبے کے لیے حسان بن عبداللہ بکری کو مقرر فرمایا۔

⑤ صوبہ زد کے لیے ابوسعید بن مسعود ثقفی کو مقرر فرمایا۔

⑥ بختان اور اس کے نواح کے لیے ربیع بن کاس کو مقرر فرمایا۔

⑦ خراسان کے لیے خلید بن کاس کو مقرر فرمایا۔

⑧ موصل کے لیے مالک اشترؑ کو مقرر فرمایا اور موصل کے علاقے نصمیین، دارا، سنجار

(نصمیین کے جنوب میں واقع شہر) آمد (بہت بڑا شہر و جملہ کے کنارے دیار بکر کا

مرکز) میافارقین (دیار بکر میں رومیوں کا شہر) بیت (ساحل فرات پر واقع جزائر

میں سے ہے) عانات اور دیگر شام کا علاقہ بھی مالک اشترؑ کو سونپا۔

یوں یہ تمام لوگ اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہو گئے۔



یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمن دیں
علیؑ سے آ کے لڑے اور خطا کہیں اس کو
(مرزا غالب)

مردِ ہمدانی کا کلام

الا للہ درک یابن ہند لقد ذهب الحياء فلا حياء
اتحمرون القرات علی رجال وفي ايديهم الاسل الظماء
وفي الاعناق اسيا ف حداد كان الوم عندكم نساء
فترجوا ان يجاوركم علی ہلا ماء ولا حزاب ماء

”اے ہند کے بیٹے تمہاری خوبیوں کا کیا کہنا جب شرم و حیا جاتی
رہے تو پھر حیا کہاں۔ کیا ان جواں مردوں کو فرات سے روکنا
چاہتے ہو جن کے ہاتھوں میں لپکتے ہوئے پیاسے نیزے ہیں اور
ان کی گردنوں میں تیز دھار تلواریں لٹک رہی ہیں۔ تم نے یہ سمجھ لیا
ہے کہ وہ مرد نہیں عورتیں ہیں۔ کیا تم توقع رکھتے ہو کہ علی تمہارے
قرب میں پیاسے رہیں گے اور دوسرے لوگ پانی پئیں گے۔“



اختلافی کہ داشت با حیدر
در خلافت صحابی دیگر
حق در آنجا بدست حیدر بود
جنگ با او خطائے منکر بود
(مولانا جامی)

ایک مصری کی حضرت علیؑ کے بارے میں رائے

ایک مصری نے کیا خوب کہا ہے:

”آپ ہمیشہ ظلم و ستم کے مقابلے میں عدل کرتے رہے اور کسی قسم کی

سازش کو قبول نہیں فرماتے تھے۔ آپ کا قتل بھی محرابِ عبادت میں

آپ کی شدتِ عدل کی بنا پر ہوا۔“

آپؑ کی زندگی تعجب و حیرت سے بھری ہوئی ہے۔ آپؑ نے اس حساب اور

شعور و آگہی سے زندگی بسر کی کہ آپؑ کے بارے میں کہا گیا:

”انہوں نے ایسی زندگی گزاری کہ ان سے پہلے آنے والے لوگ

فراموش ہو گئے اور آئندہ آنے والی نسلوں کو تعجب اور حیرت زدہ

کر گئے۔“

آپؑ آنحضرتؐ کے چچا زاد اور ان کی پیاری بیٹی جنابِ سیدہ کے شوہر اور امام

حسن و حسینؑ اور ثانی زہراءؑ کے باپ نیز ائمہ ہدیٰ کے باپ ہیں۔ ہمارے بس میں نہیں

کہ آپؑ کے بارے میں کچھ لکھیں یا آپؑ کی چند خصوصیات ہی بیان کریں۔ آپؑ کے

بارے میں امام شافعی کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔

امام شافعی کا حضرت علیؑ کے بارے میں بیان

”علیؑ کے دوستوں نے ڈر کی وجہ سے اور دشمنوں نے بغض کی وجہ

سے ان کے فضائل کو چھپایا ہے۔ آج جو ان کے فضائل ہمارے

پاس موجود ہیں ان چھپائے گئے فضائل سے بچے کچھ ہیں۔“

بنابریں ان کی جنگیں عین حق تعالیٰ کی جنگیں ہیں۔ ان کی صلح اور لڑائی کا ترک کرنا

بالکل درست ہے۔ ان کے اصحاب حقیقت کے پیرو ہیں اور ان کے دشمن شیطان کے

پیرو۔ ناکین مارقین، قاسطین سب دنیا پرست، بے تقویٰ اور بے ایمان تھے۔ تاریخ دان

حضرت علیؑ کے بارے میں ارشادِ نبوتؐ

لَوْ اجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَى حُبِّ عَلِيٍّ لَمَا خَلَقَ اللَّهُ النَّارَ۔

”اگر پوری دنیا کے لوگ علیؑ کی محبت پر جمع ہو جاتے تو خدا جہنم کو

خلق ہی نہ کرتا۔“ (مناقب خوارزمی، ص ۸)

حضرت علیؑ کے بارے میں گفتگو بسا اوقات بہت مشکل ہو جاتی ہے اور ان کے

فضائل کا احاطہ محال ہے۔ کوئی آدمی ان کے فضائل شمار ہی نہیں کر سکتا۔

حضرت علیؑ جو کہ اعجازِ باری تعالیٰ کا مجسمہ ہیں جن کی حیاتِ طیبہ ہر اعتبار سے ایسی

خصوصیات کی حامل ہے کہ جس سے دانش مند اور مفکرین تعجب اور حیرت میں گرفتار

ہو جاتے ہیں۔ حضرت ہر لحاظ سے اوصافِ جمیل رکھتے تھے اور ان اوصاف کا ایسا نمونہ تھے

کہ جن کی نظیر نہیں ملتی۔ مثلاً شجاعت میں، سیاست میں، فصاحت میں، بلاغت میں، عبادت

میں، قاطعیت میں، زہد و تقویٰ میں، خاندانی امور میں، معاشرتی امور میں مسلمانوں سے متعلق

اہتمام کے بارے میں مستضعفین غیر مسلموں کے بارے میں فکر کرنے میں، آنحضرتؐ کی

اطاعت کرنے میں، مظلومیت میں اور اپنے حق سے محرومیت میں بے مثل و بے نظیر تھے۔

ایک جملے میں سمندر کو کوزے میں بند کر کے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت علیؑ فضائل و

مناقب اور نیکیوں کے منبع تھے۔ آنحضرتؐ کے فرمان کے مطابق کسی لمحے بھی حق سے جدا

نہ ہوئے۔ آپؑ ہمیشہ حق کے ساتھ زندہ رہے اور حق کے ساتھ ہی اس دنیا سے رحلت

فرمائی۔ آپؑ عدل و انصاف کا پیکر نظر آتے ہیں۔

جنگ صفین

فاطمین (ظالموں اور سرکشوں) سے مقابلہ

عشمان کی خبر شام میں

حضرت عثمان کے قتل کے فوراً بعد بڑی تیزی سے ان کی موت کی خبر کو شام میں معاویہ ابن ابوسفیان تک پہنچایا گیا اور اسے ان کے خون کے بدلے کے بارے میں اطمینان دیا گیا۔

ایک روز معاویہ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص اس کے پاس آیا اور کہا: اے امیر المومنین میرا سلام قبول ہو۔

معاویہ نے کہا: میرا بھی تم پر سلام ہو۔ خداوند تعالیٰ تمہارے باپ کو بخشے، تم کون ہو؟ تم نے تو مجھے ڈرا دیا ہے۔

اس نے کہا: میں حجاج بن خزیمہ بن ثمرہ ہوں۔

معاویہ نے کہا: کیسے آئے ہو؟

اس نے کہا: آپ کو حضرت عثمان کی موت کی خبر سنانے آیا ہوں۔ اس کے بعد میں نے دو شعر سنائے۔

”تمہارے چچا عبدالمطلب کے بیٹوں نے تجھے پیشوا کو قتل کر دیا ہے (یا انہوں نے کام بغیر کسی تردد کے سرانجام دیا ہے)۔ اگر تم اس کے خون کا بدلہ لو تو تم زیادہ حقدار ہو اور اس کے لیے جلد از جلد قیام کرو۔“

بعد میں کہا: میں یزید بن اسد کے ہمراہ حضرت عثمان کی مدد کے لیے جا رہا تھا۔ ہم

ہمیشہ علی علیہ السلام کو بچوں اور نیکوکاروں کا رہبر مانتے اور جانتے ہیں اور آپ کی اطاعت اور پیروی کرنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔



اور دوسرا بد نصیب ہے۔ اس نے لوگوں کو بلایا لیکن کسی نے اس کی آواز نہ سنی۔ اس پر ان کے دل گواہ ہیں۔

میں عنقریب عثمان کی عزاداری کروں گا اور وہ بھی ایک گروہ کے اہل شمشیر اور زرہ پوشوں کے ذریعے ہوگی۔ تجھے ان لوگوں کے لیے جو قتل میں تیرے ساتھ تھے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ جسے بیان کروں۔ اب جب کہ تو قتل ہو گیا ہے میں جب تک زندہ ہوں شہر میں دامن پھیلا کر نہیں پھروں گا اور وہ چیز جو محبت کا معیار ہے ہم سے جدا نہ ہو سکے گی۔ عنقریب سخت جنگ کروں گا اور اس کام کو اسی سال سرانجام دوں گا۔“

حضرت علیؑ نے حضرت عثمان کے جبل کے نمائندے جریر بن عبد اللہ بجلي کی طرف خط لکھا جس میں اسے اپنی بیعت کی دعوت دی جو اس نے قبول کر لی اور لوگوں سے بھی حضرت علیؑ کے لیے بیعت لے لی اور بعد میں کوفہ کی طرف روانہ ہو کر حضرت کی خدمت میں پہنچا۔ اشعث بن قیس کی طرف بھی خط لکھا گیا۔ یہ حضرت عثمان کے دور حکومت میں آذر بایجان کا گورنر تھا اور وہاں ہی مقیم تھا۔ اس کی گورنری پر لوگ حضرت عثمان کی سرزنش کیا کرتے تھے کیونکہ اس کی بیٹی حضرت عثمان کی بہوتھی جس کی وجہ سے اسے یہ منصب دے رکھا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے آذر بایجان کی زمین کو درست کرایا اور وہاں اچھے آثار چھوڑے اور لوگوں کی خیر خواہی کی کوششیں کیں۔ حضرت علیؑ نے زیادہ بن مرحب کے ہاتھ اشعث کی طرف خط لکھا۔ اس نے (بھی) حضرت علیؑ کی بیعت کر لی اور کوفہ آ گیا۔

حضرت علیؑ کا معاویہ کی طرف بیعت کے لیے خط

اس کے بعد حضرت علیؑ نے جریر بن عبد اللہ کو معاویہ کی طرف بھیجا اور معاویہ کو

مدینہ نہیں پہنچے تھے کہ ایک آدمی سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اور حارث بن زفر (جو میرے ساتھ تھا) نے اس سے پوچھا تو اس نے ہمیں حضرت عثمان کی موت کی خبر سنائی اور ساتھ ہی کہا کہ عثمان کے قتل میں میرا بھی ہاتھ ہے اس لیے ہم نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ اب تمہیں بتلانے آئے ہیں اس لیے کہ تمہارے پاس وہ طاقت اور قوت ہے جو علیؑ کے پاس نہیں ہے۔

تمہارے پاس ایسے لوگ ہیں کہ اگر تم خاموش ہو جاؤ تو وہ کبھی نہیں بولتے اور جب تم بات کر رہے ہو تو وہ خاموش رہتے ہیں۔ جب کسی شے کا حکم دو تو سرتابی نہیں کرتے اور اس کے برعکس علیؑ کے پاس ایسے لوگ ہیں کہ جب وہ بات کرتا ہے تو وہ خاموش نہیں رہتے اور جب خاموش ہو جاتا ہے تو اس سے سوال و جواب کرتے ہیں۔

تیرے تھوڑے ساتھی اس کے زیادہ ساتھیوں سے بہتر ہیں۔ علیؑ کو کوئی شے خوش نہیں کر سکتی سوائے اس کے کہ تمہیں غصہ دلائے کہ وہ بغیر شام کے عراق پر راضی نہیں ہوگا۔ جبکہ تم بغیر عراق کے شام پر راضی ہو۔

معاویہ کا رد عمل

معاویہ حجاج کی بیان کردہ اس خبر سے سخت پریشان ہوا اور کچھ اشعار گنگنانے لگا: (ان اشعار کا ترجمہ حسب ذیل ہے)

”میرے سامنے ایک ایسا کام آیا ہے کہ جس میں لوگوں کے لیے غم ہے اور طویل مدت تک آنکھیں روتی رہیں گی۔

یہ ایسی مصیبت ہے کہ اگر پہاڑوں پر پڑے تو گر جائیں۔ خدا کی قسم! کسی آنکھ نے ایسی مصیبت نہیں دیکھی۔ یعنی کسی کو بغیر کسی کا خون کیے قتل کر دیا گیا ہو اور یہ بہت بڑی مصیبت ہے۔

مدینہ میں دو گروہ آپس میں دست و گریبان ہوئے ہیں ایک قاتل

بہت بُرا ہے۔

اب جس شے کو مہاجرین و انصار نے قبول کر لیا ہے تم بھی قبول کر لو۔ کیونکہ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے لیے اس کام میں بہتری ہے۔ اگر قبول کر لو تو بہتر درجہ جنگ کے لیے آمادہ ہو جاؤ۔ اب بیعت کر لو پھر حضرت عثمان کے قتل کا مقدمہ میرے پاس لے آؤ تاکہ تمہارے اور مدعی کے درمیان قرآن و سنت کے ساتھ فیصلہ کیا جاسکے۔ لیکن جو کام تم کر رہے ہو ایسی چالاکی ہے جسے بچے شیر سے بچنے کے لیے کرتے ہیں (اس کا کچھ حصہ فتح البلاغہ کے خط نمبر ۶ اور ۶۳ میں ہے)۔

معاویہ کا عمرو عاص سے رابطہ

معاویہ نے عمرو عاص کو خط لکھ کر بلوایا، نیز اپنے خاندان کے اکابر کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کیا تو اس کے بھائی عقبہ نے اس سے کہا: تم اس مسئلہ میں عمرو بن عاص سے مدد طلب کرو۔ ان دنوں عمرو بن عاص فلسطین کے قریب زمیندارہ میں مشغول تھا اور فتنوں سے کنارہ کشی کیے ہوئے تھا۔ معاویہ نے اس کی طرف ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

طلحہ زبیر، اُم المومنین حضرت عائشہ کا واقعہ تو آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ اب جریر بن عبداللہ علی کی طرف سے بیعت کا پیغام لے کر آیا ہے۔ میں نے ابھی کوئی مصمم پروگرام نہیں بنایا ہے، لہذا اب تم میرے پاس آ جاؤ تاکہ باہمی گفتگو کر کے پروگرام بنایا جاسکے۔ والسلام!

عمرو بن عاص اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ اور محمد کے ہمراہ اپنے مسکن سے چل کر شام میں معاویہ کے پاس آیا کیونکہ وہ اس کا نیاز مند تھا۔ معاویہ نے اس سے کہا: میں آج کل تین کاموں میں الجھا ہوا ہوں۔

عمرو بن عاص نے پوچھا: وہ تین کام کون کون سے ہیں؟

معاویہ نے کہا: اول یہ کہ محمد بن حذیفہ نے زمانہ کا دروازہ توڑ کر اپنے ساتھیوں

اپنی اطاعت و بیعت کی طرف دعوت دی اور صاف صاف کہہ دیا کہ یا بیعت کرو یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

مالک اشتر نے حضرت علی سے عرض کیا: اس کے علاوہ کسی اور کو معاویہ کی طرف بھیجیں کیونکہ مجھے اس کے کردار و رفتار سے کچھ اور شے سمجھ آ رہی ہے۔ لیکن حضرت نے اس کی بات کی طرف توجہ نہ دی۔

جریر معاویہ کے پاس حضرت کا خط لے کر گیا۔ جب معاویہ کے پاس پہنچا تو شام کے رؤسا اور امراء اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جریر نے اسے خط دیا اور گویا ہوا:

یہ حضرت علی کا خط ہے جو اہل شام اور تمہارے لیے ہے اور اس میں تمہیں بیعت کی دعوت دی گئی ہے۔ مکہ مدینہ، عظیم شہر کوفہ، بصرہ، حجاز، یمن، بحرین، عمان، یمامہ، مصر، فارس، جبل خراسان والوں نے بیعت کر لی ہے اور تمہارے علاقہ کے علاوہ کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔ اگر ان تمام مسلمانوں کا سیلاب تمہاری طرف اُٹھ آیا تو تمہیں بہا کر لے جائے گا۔ معاویہ نے خط کھولا اور پڑھا تو اس خط کا متن یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ خط خدا کے بندے علی امیر المومنین کا معاویہ بن ابوسفیان کی طرف ہے!

اما بعد! تم پر اور مسلمانان شام پر میری بیعت لازم ہے۔ جب تک میں مدینہ میں تھا تم شام میں تھے جیسا کہ لوگ ابوبکر، عمر، عثمان کی بیعت کیے ہوئے تھے اسی طرح انہوں نے میری بیعت بھی کر لی ہے۔ اب جو حاضر ہیں وہ کسی اور کو خلیفہ بنانے کا حق نہیں رکھتے اور جو لوگ غائب تھے وہ اس بیعت کو رو نہیں کر سکتے اور یہ عہدہ مہاجرین و انصار کے سپرد ہے۔ جو شخص ان کے حکم سے سرتابی کرے اسے بیعت کے لیے کہا جائے گا۔ جو سے قبول نہ کرے اس کے ساتھ جنگ کی جائے گی کیونکہ اس نے مومنوں کی روش سے روگردانی کی ہے اور پیروی نہیں کی۔ خدا بھی اسے سزا دے گا اور واصل جہنم کرے گا اور ان کا انجام

نزدیک آیا۔ معاویہ نے کہا: یہی دھوکا کافی ہے کہ اب اس مکان میں میرے اور تمہارے علاوہ کوئی موجود نہیں ہے۔

معاویہ نے پھر کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ مصر بھی عراق ہی کی مانند ہے؟ عمرو نے کہا: ہاں لیکن جب مصر میرے اختیار میں ہوگا تو اس وقت دنیا تو تمہارے اختیار میں ہوگی اور یہ فقط اسی صورت میں ہے جب تم علیؑ کے خلاف سرکشی کرو گے۔

معاویہ نے کوئی واضح جواب نہ دیا۔ عمرو اپنے گھر لوٹ گیا۔ عقبہ نے معاویہ سے کہا: اگر تمہاری روٹی گھی میں ہو اور تم شام پر غالب ہو جاؤ پھر تم عمرو عاص کو مصر کی حکومت کے بدلے خرید نہیں سکتے۔

معاویہ نے عقبہ سے کہا: آج رات یہاں ہی رہو وہ وہاں ہی رہا۔ جب معاویہ نے کے لیے اپنے بستر پر گیا تو عقبہ نے یہ اشعار گنگنائے:

”جو شخص تلوار نیام سے نہ نکالے اور ریشم اور خز خالص کے لباس پہننے کی طرف مائل کرے۔ اب تمہارے لیے خیر اسی میں ہے کہ دودھ فراوانی سے دھو اور پیو اور جو تھوڑا ہے اسے چھوڑ دو۔ ان پر بھل سے کام مت لو۔ کچھ دیر صبر کرو۔ مصر یا ہمارا ہوگا یا علیؑ کا ہوگا۔ جو کمزور ہو دوسرا اس پر غلبہ پالیتا ہے۔“

معاویہ نے ان اشعار کو سنا۔ جب صبح ہوئی تو عمرو عاص کو بلایا۔ وہ جو چاہتا تھا سے دیا اور ایک تحریر لکھ دی۔ اس کے بعد معاویہ نے عمرو عاص سے مشورہ کیا اور کہا کہ اس مسئلہ میں تمہاری رائے کیا ہے؟

عثمان اور علیؑ کے خلاف پروپیگنڈہ

عمرو نے کہا: عراقیوں سے بیعت لو۔ کیونکہ یہ بہت خطرناک کام ہے، لہذا سب

سمیت راہ فرار اختیار کر لی ہے اور مصر چلا گیا ہے اور وہ ہمارے دشمنوں میں سے سخت ترین شخص ہے۔

وہ یہ کہ قیصر روم نے اپنے لشکر کو جمع کر لیا ہے اور ہمارے ساتھ جنگ کرنے آرہا ہے۔

سوم یہ کہ جریر بھی علیؑ کی طرف سے بیعت یا پھر جنگ کا پیغام لے کر آیا ہوا ہے۔ عمرو عاص نے کہا: محمد بن حذیفہ کی بابت پریشان مت ہوں اس کی تلاش میں اپنے بندوں کو بھیج دو اگر وہ مل جائے تو ٹھیک ورنہ کوئی حرج نہیں ہے۔ اور قیصر روم کی طرف خط لکھ دو کہ تم رومی قیدیوں کو آزاد کرو گے اور اس سے صلح و محبت کا تقاضا کر دو تم دیکھو گے کہ وہ اسے قبول کرے گا اور ایسا کرنے سے وہ تم سے خوش بھی ہو جائے گا۔ اور باقی رہا مسئلہ علی بن ابی طالبؑ کا تو جان لو کہ مسلمان ہرگز تمہیں اس کے برابر نہیں سمجھتے۔

معاویہ نے کہا: علیؑ نے عثمان کے قتل پر لوگوں کو تیار کیا تھا۔

عمرو عاص نے کہا: بالفرض علیؑ نے ایسا کیا بھی ہو تب بھی تم اسلام میں اس پر سبقت رکھتے ہو اور نہ ہی اس کی طرح آنحضرتؐ سے قربت رکھتے ہو۔ البتہ تم جو چاہتے ہو میں تمہیں دلوا سکتا ہوں اور اگر میں وہ سب کچھ تمہیں دلوا دوں تو مجھے کیا دو گے؟ معاویہ نے کہا: جو کہو گے تمہیں مل جائے گا۔

عمرو بن عاص نے کہا: جب تک حکومت تمہارے ہاتھ میں ہوگی مصر پر مجھے حکومت کرنے کا حق ہوگا۔

معاویہ شک و تردید میں کھو گیا اور کہنے لگا: اے ابا عبد اللہ! اگر تجھے دھوکا دینا مقصود ہوتا تو تمہیں دھوکا دے دیتا۔

عمرو نے کہا: مجھے کوئی دھوکا نہیں دے سکتا۔

معاویہ نے کہا: میرے نزدیک آؤ تا کہ تمہارے کان میں ایک بات کہوں۔ عمرو

نہیں ہے۔ اب اٹھو اور شام کے تمام شہروں کا چکر لگاؤ اور لوگوں کو اس سانحہ کی خبر دو اور انہیں بتاؤ کہ ہم خلیفہ عثمان کے خون کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ ہماری بیعت کی جائے تاکہ اس کے خون کا بدلہ لیا جاسکے۔

شرجیل شام کے تمام شہروں میں گیا اور لوگوں سے کہا:

”علیؑ نے عثمان کو قتل کر دیا ہے اور جنہوں نے علیؑ پر غصے کا اظہار کیا ہے انہیں بھی قتل کر دیا گیا ہے اور وہ وہاں کے علاقے پر قبضہ حاصل کر چکا ہے۔ فقط شام کی سرزمین اس کے قبضے سے بچی ہے۔ علیؑ کے ہاتھ میں کوار ہے اور اپنے مخالفین کو مارنے پر تڑپا ہوا ہے۔ اب وہ تمہاری جانب آنا چاہتا ہے۔ یہاں علیؑ سے لڑنے کے لیے معاویہ سے زیادہ طاقتور کوئی شخص نہیں ہے اب آپ کا شرعی فریضہ یہ ہے کہ اپنے مظلوم خلیفہ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے قیام کرو۔“

تمام لوگوں نے شرجیل کی دعوت کو قبول کر لیا لیکن شہر حص کے نیکوکار اشخاص نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم تو اپنے گھر اور مسجد تک محدود ہیں البتہ تم اپنا کام خود بہتر جانتے ہو۔ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ جب معاویہ کو پتہ چلا کہ اب لوگ میری بیعت کر لیں گے تو اس نے جریر سے کہا:

”اپنے امیر کے پاس چلے جاؤ اور اسے کہو کہ میں اور اہل شام بیعت کرنے سے انکاری ہیں۔“ نیز کعب بن جہیل کے اشعار کو حضرت علیؑ کی طرف لکھ بھیجا:

”میں نے دیکھا ہے کہ شامی عراقیوں کی حکومت کو مکروہ سمجھتے ہیں اور عراقی بھی ان سے خوش نہیں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے کینہ اور دشمنی مول لیے ہوئے ہے اور اپنے اپنے دین اور آئین کے پابند ہیں اور کہتے ہیں کہ علیؑ ہمارا امام ہے اور ہم ابن ہندہ پر ہی خوش ہیں اور عوام کہتے ہیں کہ مصلحت اسی میں ہے کہ تم بھی ہماری

سے پہلے شام کے بزرگوں کو اس کام کے لیے آمادہ کرو اور ان کے دلوں کو اپنے ساتھ ہم آہنگ کرو یہاں تک کہ انہیں یقین ہو جائے کہ عثمان کے قتل میں علیؑ کا ہاتھ تھا۔ اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ شامیوں میں سے بزرگ ترین شرجیل بن سمط کندی ہے۔ کسی کو بھیج کر اسے بلواؤ اور اپنے معتقد لوگوں میں سے کچھ کو راستے میں فاصلے کے ساتھ بٹھا دو۔ سبھی اسے ایک ہی بات کہیں کہ عثمان کو علیؑ نے قتل کیا ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ تمام اہل شام اس بات پر جمع ہو جائیں گے۔ اگر شرجیل کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تو ہرگز اس کے دل سے نہیں نکل سکے گی۔

معاویہ نے چند ایسے لوگوں کو منتخب کیا جن کو شرجیل حسن اعتقاد سے دیکھتا تھا اور وہ یزید بن اسد، بسر بن ابی ارقطہ، سفیان بن عمرو، حارث بن حارث، حمزہ بن مالک اور جابر بن سعد تھے۔ ان لوگوں کو راستے پر بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد شرجیل کو خط لکھ کر اپنے پاس بلوایا اور جب وہ چلا تو راستے میں ہر ایک سے ملاقات ہوئی۔ ہر ایک نے اسے یہی کہا کہ عثمان کو علیؑ نے قتل کیا ہے۔ اس بات کو شرجیل کے دل میں بٹھا دیا گیا جس سے اسے یقین ہو گیا۔ جب وہ دمشق کے نزدیک پہنچا تو معاویہ نے شام کے بزرگ افراد کو حکم دیا کہ شرجیل کا استقبال کرو اور اس کی تعظیم بجالاؤ۔ وہ جس جس سے ملا عثمان کے قتل والی بات ہوتی رہی۔ غلوت میں بھی یہی باتیں ہوتی رہیں۔ چنانچہ وہ غصے میں بھرپور معاویہ کے پاس آیا اور کہا: میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ علی بن ابی طالبؑ نے عثمان کو قتل کیا ہے۔ خدا کی قسم! اگر تم نے اس کی بیعت کر لی تو ہم تمہیں شام سے نکال باہر کریں گے۔

معاویہ نے کہا: میں ہرگز آپ کے حکم سے سرتابی نہیں کروں گا اور آپ کی مخالفت بھی نہیں کروں گا۔ بہر حال میں تو آپ کے ساتھ ہوں۔

شرجیل نے معاویہ سے کہا: جریر کو علیؑ کی طرف بھیج دو۔ معاویہ سمجھ گیا کہ شام کے لوگ شرجیل کے ساتھ ہیں اور اس نے کہا کہ یہ کام تمام لوگوں کی رضایت کے بغیر ممکن

جریر نے کہا: اب آپ کے لیے کیا رکاوٹ ہے۔ جائے اس کے پاس اور اسے سمجھائیے۔

مالک اشترؓ نے کہا: ان لوگوں کو تم نے تباہ کر دیا ہے۔ خدا کی قسم! تم تو اس کے دل میں جگہ پیدا کرنے کے لیے وہاں گئے تھے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تم بتا رہے ہو کہ اس کے مددگار زیادہ ہیں اور ہمیں ان کی کثرت سے ڈرا رہے ہو۔ اگر مولاً میری خواہش کو قبول کر لیں تو میں تمہیں اور تمہاری قسم کے لوگوں کو قید کر دو یہاں تک کہ مسئلہ پایہ تکمیل کو چاہیے۔“

جریر مالک اشترؓ کی گفتگو سے سخت رنجیدہ ہوئے اور اپنے گھروالوں کو لے کر راتوں رات کوفہ سے چلے گئے اور جزیرہ کے نواحی علاقے قرقیسا میں جا کر آباد ہو گئے۔ دھڑھڑاتے ہوئے عمر کے بیٹے عبید اللہ نے ہرذان نامی شخص کو قتل کیا ہوا تھا۔ اسے خوف لاحق ہوا کہ کہیں علیؓ مجھ سے ہرذان کے خون بہا میں قصاص نہ لیں۔ یہ بھی کوفہ سے چلا اور جا کر معاویہ سے مل گیا۔

معاویہ نے عمرو عاص سے کہا: عبید اللہ کے ہمارے ساتھ مل جانے سے حضرت عمرؓ کی یاد تازہ ہو گئی ہے۔ معاویہ نے عبید اللہ بن عمر سے کہا کہ لوگوں میں جاؤ اور اعلان کرو کہ حضرت عثمانؓ کا خون علیؓ کے ذمہ ہے۔ اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ معاویہ نے پہلے تو اسے ڈرایا دھمکایا لیکن بعد میں اسے اپنے نزدیک کر لیا۔

معاویہ اور جنگ کی تیاری

جب اہل شام نے معاویہ کی نصرت کرنے کا معمم ارادہ کر لیا اور اس کے ساتھ قیام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ایک عابد ابو مسلم خوارزمی معاویہ کے پاس آیا۔ وہ اپنے ہمراہ عابد اور پارسا لوگوں کو بھی لایا اور کہا:

اے معاویہ! ہمیں پتہ چلا ہے کہ تم نے علی بن ابی طالبؓ سے جنگ کرنے کا پختہ

بیرونی کرو۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ ہم تمہاری بیرونی میں مصلحت نہیں دیکھتے۔ جو جس کے پاس ہے وہ اس پر خوش ہے اور اپنے سے کمزور کو دھوکا اور بے اہمیت کو اہمیت دیتے ہیں۔ اہل بصیرت علیؓ میں کسی عیب کو نہیں دیکھتے سوائے اس کے کہ بدعتوں کو اس نے اپنے ساتھ ملایا ہوا ہے۔ وہ عثمانؓ کے قتل پر خوش تھا نہ ہی ناراض اور کسی کو امر کیا نہ ہی منع۔“

جب حضرت علیؓ نے ان اشعار کو پڑھا تو نجاشی حارثی سے کہا کہ ان کے اشعار کا جواب دو۔ اس نے جواب دیا:

”اے معاویہ تم جس کام کو نہیں کر سکتے اسے چھوڑ دو اور تم جس شے سے ڈرتے تھے خداوند تعالیٰ نے اسے محقق فرما دیا ہے۔ علیؓ عراقیوں اور حجازیوں کے ہمراہ آ رہے ہیں۔ اب تم کیا کرو گے کیونکہ وہ تو تلوار اور نیزہ چلانے والے ہیں اور ان کا آئین خاکی ہے۔ انہوں نے طلحہ و زبیر (ناکھنیں) کو کھست دے دی ہے۔ اگر وہ عراقیوں کی حکومت کو پسند نہیں کرتے تو ہم اسے پسند کرتے ہیں اور اس پر خوش ہیں۔ کعب وائلؓ سے کہو: جو کمزور کا ساتھ اور بے اہمیت کو اہمیت دیتا ہے کیا تم اس علیؓ اور اس کے پیروں کو ہندہ کے بیٹے کی مانند جانتے ہو کیا تمہیں شرم نہیں آتی؟“

جب جریر واپس آیا تو لوگوں نے اس کے بارے میں بہت سی باتیں کیں اور ان میں اُسے معمم قرار دیا۔ وہ اور مالک اشترؓ حضرت علیؓ کے پاس تھے۔ مالک اشترؓ نے کہا: اے امیر المومنینؓ خدا کی قسم! اگر مجھے اس کام کے سلسلہ میں بھیجا ہوتا تو معاویہ سے خالی واپس نہ لوٹتا جیسے بھی ہو سکتا کرتا۔ اسے ذرا بھر بھی سوچنے کا موقع نہ دیتا۔

کے کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

خدا کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ ہم خشکی یا دریا میں عثمان کے قاتلوں کو پالیں گے اور پھر انہیں قتل کر دیں گے اور اس کام میں کوشاں رہیں گے یہاں تک کہ ہمیں (طویل) مدت دامن گیر ہو جائے۔ والسلام!

ابو مسلم معاویہ کا خط لے کر کوئٹہ آیا اور حضرت علیؑ سے ملاقات کی اور انہیں خط دیا۔ حضرت علیؑ نے خط پڑھا تو ابو مسلم نے آپؑ سے عرض کیا:

اے ابوالحسن! آپؑ نے ایسے کام کے لیے قیام کیا ہے اور ایسا کام کیا ہے کہ بخدا میں اسے پسند نہیں کرتے۔ آپؑ اپنے بارے میں بھی حق بیانی سے کام لیں۔ حضرت عثمانؓ کا ان سے خوش ہو کر قتل کر دیا گیا ہے۔ اب آپؑ ان کے قاتل ہمارے حوالے کر دیں تو آپؑ ہمارے امیر ہیں اور جو آپؑ کی مخالفت کرے گا ہم قولا و فعلا آپؑ کے ٹھہریں گے۔ تو اس وقت آپؑ مخالفین پر رحمت اور معذور ہوں گے۔

حضرت علیؑ نے اس سے فرمایا: کل صبح نماز فجر کے بعد جلد میرے پاس آ جانا۔ حضرت عثمانؓ کے حکم سے گھر میں لایا گیا اور عزت و احترام سے رکھا گیا۔ آئندہ روز صبح نماز فجر کے بعد وہ حضرت علیؑ کی خدمت میں آیا اور وہاں اس نے دس ہزار مسلع فوجیوں کو دیکھا جو لباس حرب سے لیس تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم ہی عثمان کے قاتل ہیں۔

ابو مسلم نے حضرت علیؑ سے کہا: ان لوگوں کو میرے یہاں پر آنے کی وجہ معلوم ہے اور یہ کام آپؑ اس خوف سے کر رہے ہیں کہ انہیں میرے حوالے نہ کیا جائے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: میں نے سنجیدگی سے سوچا ہے اور میرا خیال ہے کہ انہیں ہمارے حوالے یا کسی اور کے حوالے کرنا ممکن نہیں ہے۔ بیٹھو تجھے خط کا جواب دوں اور کتاب یوں لکھا:

ارادہ رکھتے ہو لیکن یاد رکھو تمہارا اسلام میں سابقہ اس جیسا نہیں۔ اس کے باوجود تم اس سے کیسے جنگ کرنا چاہتے ہو؟

معاویہ نے ان لوگوں سے کہا: میں اپنے آپ کو علیؑ سے افضل نہیں سمجھتا لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ عثمان مظلومیت کے ساتھ مارے گئے ہیں؟

انہوں نے کہا: ہاں۔ معاویہ نے کہا: علیؑ ان کے قاتلوں کو پکڑ کر ہمارے حوالے کر دے تو ہم حکومت اس کے سپرد کر دیں گے۔

ابو مسلم نے کہا: اسی مضمون پر مشتمل مضمون لکھو میں اسے علیؑ کی خدمت میں لے جاتا ہوں۔

معاویہ نے خط لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معاویہ بن ابی سفیان کا خط..... علی بن ابی طالبؑ کے لیے

آپؑ پر ورود و سلام ہو۔ میں ایسے خدا کی پرستش کرتا ہوں جس جیسا اور کوئی نہیں ہے۔ ابابعد خلیفہ حضرت عثمانؓ مدینہ میں قتل کیے گئے ہیں اور آپؑ نے ان کے گھر سے مدد کے لیے (پکارنے کی) آوازیں سنیں تو زبان سے نہ عمل سے ان کا دفاع کیا۔ خدا کی قسم! اگر آپؑ نے عثمان کے بارے میں سنجیدگی سے کام لیا ہوتا اور ان کی پریشانی کو دور کیا ہوتا تو آج کوئی شخص بھی (جو ہمارے پاس موجود ہیں) آپؑ سے روگردان نہ ہوتا۔

آپؑ پر دوسری تہمت یہ ہے کہ آپؑ نے ان کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے اور وہ اب بھی آپؑ کے زور بازو ہیں اور ان کا شمار آپؑ کے دوستوں میں ہوتا ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ آپؑ نے خود کو قتل عثمانؓ سے بری الذمہ رکھا ہوا تھا۔ اگر آپؑ سچے ہیں تو عثمان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم انہیں ان کے قصاص میں قتل کر دیں اور اس کے بعد ہم سب آپؑ کے گروہ میں شامل ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ سوائے جنگ

عمر و عاص نے حضرت علیؑ کے خط کا جواب یوں دیا:
 ”عمر و عاص کا خط علی ابن ابی طالبؑ کے نام“

اما بعد! وہ شے کہ جس میں ہم سب کی مصلحت ہے اور جو شے ہمارے درمیان
 الفت اور محبت کا باعث ہے یہ ہے کہ آپؑ ہماری دعوت کو قبول کریں اور اس کام کو شوری
 کے حوالے کرویں اور اگر ہم شوری کی رائے کو قبول کر لیں تو لوگوں کی نگاہ میں معذور ہوں
 گے۔ والسلام!

حضرت علیؑ کی شام کی طرف روانگی

جب حضرت علیؑ علیہ السلام نے شام کی طرف روانگی کا ارادہ کیا تو جمعہ کے دن کا
 انتظار کیا۔ جب جمعہ کا دن آیا تو منبر پر تشریف لے گئے۔ خداوند قدوس کی حمد و ثنا کی اور
 آنحضرتؐ پر درود پڑھا اور فرمایا:

”اے لوگو! قرآن و سنت کے دشمنوں کی طرف کوچ کرو۔ مہاجرین و انصار کے
 قاتلوں کی طرف کوچ کرو۔ جو بھکاری اور کمرواز کے مل بوتے پر اسلام لائے۔ ان کی
 طرف کوچ کرو جو لوگوں کے دلوں کو مومہ لینے کے لیے مال دیتے ہیں ان کی طرف کوچ
 کرو۔“

دریں اثناء قبیلہ فزارہ کا ایک اربد نامی شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا: کیا آپؑ ہمیں
 شامی بھائیوں کے ساتھ لڑانا چاہتے ہیں تاکہ ہم انہیں قتل کریں جس طرح آپؑ نے ہمیں
 مصریوں کے ساتھ لڑایا اور انہیں قتل کر لیا؟ خدا کی قسم! ہم ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔

مالک اشترؓ کھڑے ہوئے اور کہا:

اے لوگو! یہ کون ہے؟

فزاری دوڑا اور لوگوں کا ایک گروہ اس کے پیچھے دوڑا اور کناسہ نامی جگہ پر اسے
 پکڑ کر مارا گیا۔ جس سے وہ گر گیا۔ پھر ایسا پکا کہ وہ وہیں پر مر گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بندۂ خدا امیر المومنین علیؑ کا خط معاویہ ابن ابیوسفیان کی طرف

اما بعد! یہ خولانی سیرے پاس تمہارا خط لے کر آیا ہے جس میں لکھا تھا کہ میں نے
 عثمان کے ساتھ قطع رحم کیا اور اس کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا ہے۔ تو سنو میں نے ایسا کچھ
 نہیں کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگ اس پر غصے میں تھے۔ بعض اسے قتل کرنا چاہتے
 تھے اور بعض اس کی مدد کر رہے تھے۔ میں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ میں نے ان کے
 انجام کے انتظار میں کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ اب جو چاہو کہو اور جو تم نے کہا ہے کہ اس
 کے قاتلوں کو تیرے حوالے کر دوں۔ میں ایسا نہیں کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم اپنی
 خواہشوں کو پانے کے لیے بہانے بنانا چاہتے ہو اور اسے وسیلہ بنا رہے ہو۔ درحقیقت تم
 عثمان کے خون کا بدلہ نہیں لینا چاہتے ہو۔ مجھے اپنی جان کی قسم! اگر تم اپنی گمراہی سے باز نہ
 آئے تو تمہارے ساتھ وہی کچھ ہوگا جو ہر سرکش کی سزا ہوتی ہے۔“

حضرت علیؑ کا عمر و عاص کو خط

حضرت علیؑ نے عمر و عاص کی طرف خط لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بندۂ خدا علی بن ابی طالبؑ کا خط عمر و عاص کی طرف

اما بعد! دنیا اُس انسان کو دوسرے کاموں سے باز رکھتی ہے جو دنیا کی حرص میں
 مبتلا رہتا ہے۔ دنیا میں جوں جوں چیزیں ملتی جاتی ہیں حرص بڑھتی جاتی ہے۔ جو شے مل
 جاتی ہے وہ اس شے سے جو نہیں ملتی بے نیاز نہیں کرتی۔ سعادت مند وہ ہے جو دوسروں
 سے نصیحت اور عبرت حاصل کرے۔ معاویہ کی دوستی میں اپنے اعمال کو باطل مت کرو
 کیونکہ اس نے حق کو بھلا دیا ہے اور باطل کو منتخب کر چکا ہے۔ والسلام!

معاویہ پر لعنتیں کر رہے ہیں اور شامیوں کو بھی گالیاں دے رہے ہیں۔ تو حضرت نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ ان کاموں سے پرہیز اور اجتناب کریں۔ یہ دونوں حضرت علیؑ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: اے امیر المومنین! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ فرمایا: رب کعبہ کی قسم! ہم حق پر ہیں۔

انہوں نے کہا تو پھر آپ ہمیں لعنت اور گالیوں سے منع کیوں کر رہے ہیں؟ حضرت علیؑ نے فرمایا: میں پسند نہیں کرتا کہ تم ان لوگوں کو لعنتیں اور گالیاں دو چکے کہو کہ پروردگار ہمارے خون کی حفاظت فرما، ہماری اصلاح فرما اور انہیں ہدایت فرماتا کہ جنہوں نے حق کو نہیں پہچانا وہ پہچان لیں اور جو باطل پر ہیں وہ اس سے باز آ جائیں۔ اور سب حضرت علیؑ نے جنگ کے لیے حرکت کا ارادہ کیا اور منادی کو ندا کا حکم دیا کہ لوگ خلیفہ علیؑ وادی میں جمع ہو جائیں اور (جنگ کے لیے) تیار ہو کر باہر آ جائیں۔

حضرت علیؑ کا اپنے نمائندوں کو بلا بھیجنا

حضرت علیؑ نے ابوسعود انصاری کو کوفہ میں مقرر فرمایا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے حضرت کی شبِ متر آدمیوں کی ہمراہی میں بیعت کی تھی۔ اسے کوفہ میں متعین کرنے کے بعد خود خلیفہ کی طرف چلے۔ حضرت عمار یا سب سے آگے تھے۔ حضرت علیؑ خلیفہ آئے اور اپنے نمائندوں کی طرف خط لکھے کہ وہ ان کے پاس آ جائیں۔ جب امام علیؑ کا خط ابن عباس کے پاس پہنچا تو اس نے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے خطاب کیا۔ سب سے پہلے احنف بن قیس نے اس کے بعد خالد بن معمر سدی نے اس کے بعد عمرو بن مرحوم عسلی نے اور اس کے بعد باقی تمام اہل بصرہ نے اپنی آمادگی کا اعلان کیا۔

ابن عباس نے ابوالاسود دؤلی کو بصرہ میں چھوڑا اور خود لوگوں کے ہمراہ سفر شروع کیا اور خلیفہ کے مقام پر حضرت علیؑ سے آئے۔

جب دور اور نزدیک سے لوگ جمع ہوئے تو حضرت علیؑ علیہ السلام نے خلیفہ سے

جب یہ خبر حضرت علیؑ کو ملی تو آپ نے فرمایا:

ایسا گمراہ مارا گیا ہے کہ جس کا قاتل معلوم ہی نہیں ہے۔ اس کا خون بہا اس کے ورثہ کو بیت المال سے دیا جائے۔ بنی تمیم کے شعراء میں سے ایک شاعر نے یوں شعر کہے:

”اس شخص کی سوت جیسی بازاری موت سے خداوند کی پناہ مانگتا ہوں جس کو قبیلہ ہمدان کے لوگوں نے جوتیوں سے اس طرح مارا کہ ایک ہاتھ بلند ہوتا تھا تو دوسرا اسے جا لگتا تھا۔“

مالک اشتر گھڑے ہوئے اور کہا: اے امیر المومنین! آپ نے اس خائن سے جو سنا ہے اس کے سبب ناامید نہ ہوں۔ یہاں موجود سب لوگ آپ کے پیرو ہیں آپ پر جان قربان کرنے والے ہیں اور آپ کے بغیر زندگی کو پسند نہیں کرتے۔ ہمارے ہمراہ دشمنوں کی طرف کوچ کریں۔ خدا کی قسم! جو موت سے ڈرتا ہے اس سے بچ نہیں سکتا۔ جو بقاء اور ہمیشہ باقی رہنے کو پسند کرتا ہے اسے ہمیشہ کی زندگی عطا نہیں ہوتی۔ کوئی شخص غرور اور آزار سے کسی شے کو حاصل نہیں کر سکتا۔

عبداللہ بن مسعود وغیرہ کا صفین میں شمولیت سے انکار

تمام لوگوں نے حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ کو قبول کیا لیکن عبداللہ بن مسعود اور عبیدہ سلمانی اور ربیع بن عظیم اور ان کے ساتھیوں نے شرکت نہ کی۔ یہ لوگ چار سو قاریوں کے ساتھ حضرت کی خدمت میں آئے اور عرض کیا:

”اے امیر المومنین! ہم آپ کے فضل کے معترف ہیں لیکن اس جنگ میں شک و تردد سے دوچار ہیں۔ آپ ہمیں اسلامی سرحد کی نگہداری کے جہاد کے لیے روانہ کریں۔“

حضرت علیؑ علیہ السلام نے انہیں شہری اور قزاقین کے لیے بھیجا۔ ربیع بن عظیم کو لکناؤ مقرر فرمایا اس کے لیے پرچم تیار کیا۔ یہ کوفہ میں پہلا پرچم تیار ہوا۔

ان دنوں حضرت علیؑ علیہ السلام کو خبر پہنچی کہ جبر بن عدی اور عمرو بن حنظلہ علی الاعلان

حرکت کی اور زیادہ بن نصرہ اور شریح بن ہانی کو بلایا اور ہر ایک کو چھ ہزار سواروں پر مقرر فرمایا اور کہا:

”تم میں سے ہر ایک دوسرے سے الگ ہو کر سفر کرے اور اگر سامنے جنگ شروع ہو جائے تو زیادہ بن نظر امیر لشکر ہوں گے۔ جان لو کہ مقدمہ لشکر لشکر کی آنکھ ہوتا ہے اور آنکھ کی طرح آگے ہوتا ہے اور دوسروں کے لیے جاسوسی کرتا ہے۔ تم اس کام سے تھک مت جائیے گا اور بغیر فوجی لباس اور مواظبت کے نہ گزریں اور جب دشمن کے سامنے آ جاؤ یا دشمن تمہارے سامنے آ جائے تو کوشش کرو کہ تم بلند جگہ پر رہو اور جب رات ہو جائے تو اپنی قیام گاہ کی نیزہ برداروں اور پہرہ داروں کے ذریعے سے نگہبانی کریں۔ اور ان کے پیچھے تیر اندازوں کو کھڑا کرنا۔ جتنے بھی قیام کرنا رات اسی کیفیت سے بسر کرنا تا کہ تم پر شب خون نہ مارا جاسکے اور اپنی قیام گاہ کی خود حفاظت کرو اور کم سونا۔ خدا نے چاہا تو میں بھی بہت جلد تمہارے پیچھے آ رہا ہوں۔ تم اس وقت تک پہل نہ کرنا جب تک وہ پہل نہ کریں یا میرا حکم نہ آ جائے۔“

ان کے جانے کے تین دن بعد حضرت علی علیہ السلام کھڑے ہو گئے اور یوں ارشاد فرمایا:

”اے لوگو! کل ہم اپنے مقدمانی لشکر کے پیچھے جائیں گے۔ مبادا کوئی شخص سفر سے باز رہے۔ میں مالک بن حبیب یوٹی کو مقرر کر رہا ہوں۔ وہ باقی لشکر کا امیر ہوگا۔ اسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ کسی کو یہاں سے نہ گزرنے دے۔ وہ باقی تمام لوگوں کو لے کر ہم سے آئے گا۔“

حضرت کا بابل کے خرابہ سے گزر

دوسرے روز صبح حضرت علی کی طرف سے کوچ کا حکم صادر ہوا اور سفر شروع ہوا۔ حضرت جب شہر بابل کے خرابہ میں پہنچے تو اپنے اصحاب سے فرمایا:

”یہ وہ شہر ہے جو کئی بار تباہ ہو چکا ہے اور زمین بوس ہو چکا ہے۔ اپنے گھوڑوں کو جلدی سے گزاریو ان کی نگاموں کو ڈھیلا کرو تا کہ اس شہر سے گزر جائیں شاید (ہم) نماز عصر کے وقت تک اس شہر سے نکل جائیں۔“

امام نے حرکت کی، لشکر نے بھی حرکت کی اور وہ اس شہر کی حدود سے باہر نکل آئے۔ جب نماز عصر کا وقت ہوا تو سب اپنی اپنی ساریوں سے اترے اور نماز ادا کی۔ نماز کے بعد دوبارہ سوار ہوئے اور دیر کعب پہنچے۔ وہاں سے گزر کر ساہا پ مائن پہنچے۔ وہاں لوگوں نے آرام کیا اور اپنی تھکن دور کی۔ صبح پھر سفر شروع کیا۔ اس وقت اس لشکر کی تعداد ۸۰ ہزار یا اس سے زیادہ تھی۔ یہ تعداد چرووں اور نوکروں کے علاوہ تھی۔

معتل کی علمداری

حضرت علی نے حرکت کی اور شہر انبار پہنچے۔ مائن میں معتل بن قیس کو ایک پرچم اور تین ہزار آدمی دیئے اور انہیں حکم دیا کہ موصل اور نصیبین کے راستے سے جائیں اور رقبہ ان کے ساتھ مل جائیں۔ معتل نے حرکت کی اور موصل کے محلہ حدیث میں آیا۔ حدیث پہلے زمانے میں شہر تھا اور موصل کو بعد میں اسے مروان بن محمد نے بنایا تھا۔

جب معتل وہاں پہنچا تو اس نے دو شخصوں کو دیکھا جو ایک دوسرے کو شاخوں سے لٹکے ہوئے تھے۔ قبیلہ خثعم کا ایک شخص بھی معتل کے ہمراہ تھا۔ اس نے قال نکالی اور جب سامنے انہیں دیکھا تو یہی ہی کہنا شروع کر دیا۔

معاویہ نے ابوالاعور سہمی کو حکم دیا کہ دس ہزار فوجیوں کے ساتھ فرات پر پہرہ دو اور جو عراقی (علی کی فوج کا سپاہی) یہاں پانی پینا چاہے اسے روکو۔ حضرت علی علیہ السلام جب وہاں پہنچے اور پتہ چلا کہ شامیوں نے فرات پر قبضہ کر لیا ہے تو آپؑ نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ معاویہ کی فوج کے قریب ہی پڑاؤ ڈالو۔ تھوڑی دیر کے بعد جب چند لوگ پانی بھرنے کے لیے فرات پر آئے تو ابوالاعور نے انہیں پانی بھرنے سے روک دیا۔ جب اس بات کا حضرت علی علیہ السلام کو پتہ چلا تو حضرتؑ نے مصعبہ بن صوحان سے فرمایا:

”معاویہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو ہم جنگ سے پہلے اتمامِ حجت کے لیے آئے ہیں، صلح کر لو تو یہ بہت اچھا ہے۔ اب تم ہمارے اور پانی کے درمیان مانع ہو رہے ہو۔ اگر صلح نہیں کرنا چاہتے تو لوگوں کو چھوڑ دو تا کہ جنگ کریں اور پھر پانی جس کے قبضہ میں آجائے گا وہ پیئے گا۔“

ولید نے کہا: اے معاویہ! تم ان کا اسی طرح پانی بند کرو جس طرح انہوں نے حضرت عثمان کا پانی بند کیا تھا اور انہیں پیاسا قتل کرو۔

معاویہ نے عمرو عاص سے کہا: تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ عمرو عاص نے کہا: پانی سے کنارہ کرو کیونکہ اگر تم سیراب ہوئے تو یہ ہرگز پیاسے نہیں رہیں گے۔

حضرت عثمان کے مادرِ زانو بھائی عبداللہ بن ابی سرح نے کہا: آج رات ان کا پانی بند رکھو چنانچہ مصعبہ نے معاویہ سے کہا: تمہارا کیا خیال ہے؟

معاویہ نے کہا: تم چلے جاؤ بعد میں سیرا پیغام تم تک پہنچ جائے گا۔ مصعبہ نے حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر سب باتوں سے آگاہ کیا۔ عراقیوں نے وہ دن اور رات بغیر پانی کے گزارا۔ صرف چند ایک غلاموں نے رات گئے دور سے جا کر پانی پیا۔

لے گئے۔ نعمی شخص نے کہا: تم اس جنگ میں نہ غالب ہو گے اور نہ ہی مغلوب۔
مصل نے کہا: خدا نے چاہا تو بہتر ہی ہوگا۔ پھر اپنے رستے پر چل بڑے سفر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بلخ نامی جگہ پر حضرت علیؑ سے آ ملے۔ حضرت علیؑ نے وہاں تین روز قیام فرمایا اور حکم دیا کہ فرات عبور کرنے کے لیے یہاں ایک ٹیل بنایا جائے۔ جب حضرت علیؑ فرات سے گزر گئے تو زیاد بن نضر اور شریح بن ہانی کو حکم دیا کہ اب بھی تم میرے آگے آگے سفر کرو۔ انہوں نے حرکت کی اور جب سور الروم پہنچے تو وہاں ابوالاعور سہمی کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ یہ شخص شامی تھا اور اس کے ساتھ بہت زیادہ سوار تھے۔ انہوں نے حضرت علیؑ کو پیغام دیا اور اپنے آنے کی اطلاع دی۔

حضرت علیؑ کا مالکِ اشتر کو امیر مقرر کرنا

حضرت علیؑ علیہ السلام نے ان دونوں پر مالکِ اشتر کو امیر مقرر فرما کر ان کی طرف بھیجا۔ مالکِ اشتر ان کے پاس پہنچا اور ان کے وہاں پہنچنے ہی جنگ شروع ہو گئی۔ دونوں گروہ استقلال سے لڑے لیکن جب رات ہوئی تو ابوالاعور سہمی میدان سے فرار کر کے معاویہ کے پاس پہنچا۔ معاویہ نے بھی اپنے سواروں کے ساتھ حرکت کی۔ سفیان بن عمرو آگے آگے آ رہا تھا اور لشکر کے آخر میں بسر بن ابوی ارطاح عامری تھا۔ سفیان ابوالاعور کے ہمراہ صفین آیا۔

مقامِ صفین میں لشکروں کا پڑاؤ

صفین ایک ویرانہ نما میدان تھا جسے رومیوں نے بنایا تھا اور دریائے فرات کے رودخانہ کے قریب تھا۔ پس فرات کے کنارے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔ سفیان بن عمرو اور ابوالاعور انہوں نے صفین میں پڑاؤ کیا۔ ان کے بعد معاویہ بھی تمام فوج کو لے کر ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔

مجھ سے اپنی سلامتی کی امید رکھتے ہو؟

عبید اللہ نے کہا: حمد وثنا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے اگر آپ مجھ سے ہر زمان کے خون کا
خاص طلب کریں گے تو میں بھی آپ سے حضرت عثمان کے خون کا مطالبہ کروں گا۔
حضرت علیؓ نے فرمایا: عنقریب جنگ میں آنا سامنا ہوگا اور تمہیں پتہ چل جائے

بیچ الثانی سے محرم تک کے مختصر حالات

ماہ ربیع الثانی اور جمادی الاول میں ایک دوسرے کی طرف نمائندے آتے جاتے
ہے اور ایک دوسرے کو پیغامات دیتے رہے۔ بسا اوقات چھوٹی موٹی جھڑپیں بھی ہوتی
لیکن قاریوں اور نیک لوگوں نے لڑائی جھگڑے سے اجتناب کیا۔ ان دونوں مہینوں
۸۵ دفعہ حملے کیے گئے۔ قرآن کے قاریوں نے لوگوں کو لڑائی سے روکنے کی کوششیں
کیں۔

جب ماہ جمادی الاول مکمل ہوا تو حضرت علیؓ علیہ السلام نے اپنی سپاہ کو تیار کیا اور
لڑائی کے لیے آمادہ کیا۔ پھر معاویہ کو پیغام بھیجا کہ اب جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔
حضرت علیؓ علیہ السلام کا پیغام ملنے ہی اس نے بھی اپنے لشکر کو جنگ کے لیے تیار کیا۔ محاذ
کرم ہوا۔ ہر ایک گروہ اپنے اپنے پرچم کے نیچے جمع ہو گیا اور حملہ کرنے کے لیے تیار
ہو گیا۔ لیکن ابھی جنگ نہ ہو سکی اور اس خوف سے کہ کہیں جنگ سے دونوں گروہ نابود نہ
کلیں جنگ سے باز رہے۔ لیکن دونوں گروہوں کے لوگ میدان میں ایک دوسرے
دست و گریباں ہوئے۔ رجب کا مہینہ آیا تو دونوں گروہوں نے جنگ سے ہاتھ کھینچ
لیے۔ یہ ہیں کہ ابودرداء اور ابوامامہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ معاویہ کے پاس آئے اور اسے
حضرت علیؓ کے ساتھ کس طرح جنگ کریں دریں حالیکہ وہ تم سے خلافت کے زیادہ

ہیں؟

اس صورت حال میں حضرت علیؓ علیہ السلام بہت غمگین ہوئے اور لوگوں کی تسکینی سے بہت
افسردہ ہوئے۔ اشعث بن قیس حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے
امیر المؤمنین! کیا آپ کے ہوتے ہوئے اور ہماری تلواروں کے ہوتے ہوئے یہ لوگ
ہمیں پانی سے روک سکتے ہیں؟

آپ مجھے حکم دیں خدا کی قسم جب تک مرنہ جاؤں واپس نہیں آؤں گا اور مالک
اشتر اور اشعث دونوں نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا جس سے ابوعمر اور اس کے ساتھی
فرات سے پسپا ہو گئے اور فرات مالک اشتر کے ہاتھ آ گیا۔

عمرو عاص نے معاویہ سے کہا: اگر آج وہ ہمارے ساتھ ایسا ہی کریں جیسا کہ کل
ہم نے ان کے ساتھ کیا تھا تو تم کیا کر دے؟

معاویہ نے کہا: جو گزر چکا ہے اس کی بات نہ کرو تم علیؓ کے بارے میں کیسی فکر
رکھتے ہو وہ ایسا نہیں کرے گا۔

عمرو نے کہا: میرا تو یہ خیال ہے کہ تم نے ان کے ساتھ جیسا سلوک کیا ہے وہ دیا
نہیں کرے گا۔

عبید اللہ بن عمر کو حضرت علیؓ کی سرزنش

کچھ جنگ ٹھنڈی ہوئی تو حضرت علیؓ علیہ السلام نے حکم دیا کہ شامیوں پر پانی بند
مت کرنا۔ جب پانی کو کھلا رکھا گیا تو عراقی اور شامی آپس میں ملنے جلنے لگے۔ کسی قسم کی
ناروا گفتگو نہ کی بلکہ ایک دوسرے سے صلح و آشتی کے امیدوار تھے۔ عبید اللہ بن عمر بن
خطاب حضرت علیؓ کے خیموں میں آیا اور حضرت علیؓ سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔
اسے اجازت دے دی گئی۔ جب وہ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت علیؓ
نے فرمایا: ہر زمان جو میرے چچا عباس کے ہاتھوں مسلمان ہوا تھا تم نے اسے قتل کر دیا
جبکہ تمہارے باپ نے اس کے لیے ماہانہ دو ہزار درہم مقرر کیے ہوئے تھے اور اب تم

آپؐ نے فرمایا: میں یہ کام سرانجام نہیں دے سکتا کیونکہ وہ تو میں ہزار لوگ ہیں۔
دونوں اٹھے اور باہر آ گئے۔ لوگ محرم کے آخر تک اس کیفیت ہی میں رہے۔
حالیس بن سعد طائی جو کہ معاویہ کا دوست اور قبیلہ بنی طی کا علم دار تھا نے یوں چند اشعار بیان کیے:

”ہمارے اور موت کے درمیان سات آٹھ دن سے زیادہ فاصلہ
نہیں ہے اس لیے کہ محرم کے اتنے ہی دن باقی ہیں۔ ہم اور وہ
علی الاعلان موت پر جہوم کر رہے ہیں کیا قرآنی آیات ہمیں جنگ
سے منع کرتی ہیں البتہ انہیں ہمارے ساتھ لڑنے سے منع نہیں کرتیں۔“

جب ماہ محرم ختم ہو گیا تو حضرت علی علیہ السلام نے غروب آفتاب کے وقت ایک
مغص کو حکم دیا کہ معاویہ کے لشکر کے نزدیک آواز دو کہ جب تک حرمت والے مہینے تھے ہم
نے جنگ نہیں کی اور اب حرمت والے مہینے ختم ہو گئے ہیں لہذا اب ہم اعلان جنگ کرتے
ہیں اور خداوند متعال خیانت کاروں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت علیؑ کے جنگ صفین میں علم دار

اس رات ہر ایک گروہ نے اپنی اپنی سپاہ کو منظم اور تیار کیا اور دونوں طرف آگ
کے بج جلتے رہے اور صبح کے وقت صف بندی کی گئی۔ حضرت علی علیہ السلام نے عمار بن
یاسر کو سواروں پر اور عبداللہ بن بدیل بن ورقاء خزاعی کو پیادہ لوگوں پر مقرر فرمایا۔ اپنا سب
سے بڑا علم ہاشم بن عقبہ مرقال کو دیا۔ اشعث بن قیس کو میسرہ پر اور عبداللہ بن عباس کو مہینہ
پر متعین فرمایا اور مہینہ کے پیادہ فوجیوں پر سلیمان بن مرد کو نیز میسرہ کے پیادہ فوجیوں پر
حارث بن حرہ عدی کو مقرر کیا۔ قبیلہ معز کے لوگوں کو قلب لشکر پر متعین کیا اور قبیلہ ربیعہ کو
حائیں سمت اور اہل یمن کو بائیں سمت متعین فرمایا۔ قبیلہ قریش اسد کنانہ کے افراد کو
عبداللہ بن عباس کے حوالے کیا۔ قبیلہ کنده کو اشعث کے اور قبیلہ بکر بصری کو صفین بن منذر

معاویہ نے کہا: میں تو حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے جنگ کر رہا
ہوں۔

انہوں نے کہا: کیا اسے علیؑ نے قتل کیا تھا؟

معاویہ نے کہا: اس نے حضرت عثمان کے قاتلوں کو پناہ دی ہوئی ہے۔ اب اسے
کہو کہ انہیں ہمارے حوالے کر دے تو میں شامیوں میں سب سے پہلے اس کی بیعت کروں
گا۔

وہ دونوں حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری بات سنائی
تو میں ہزار فوجی حضرت علیؑ کی فوج سے باہر نکل آئے اور اعلان کیا کہ ہم سبھی عثمان کے
قاتل ہیں۔

ابودرداء اور ابوامامہ وہاں سے نکلے اور کسی ساحل کی طرف چلے گئے اور انہوں نے
اس جنگ میں کسی طرف سے بھی شرکت نہ کی۔ اس کے بعد معاویہ نے شرجیل بن سمط
کندی اور حبیب بن مسلمہ اور محن ابن یزید بن اغض کو بلایا اور کہا:

”علیؑ کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ عثمان کے قاتلوں کو میرے حوالے کر دو اور
خلافت سے دور ہو جاؤ تاکہ اس مسئلہ کو مسلمانوں کی شوریٰ میں رکھا جائے۔ وہ جس کو پسند
کریں گے اس خلیفہ بنا لیں گے۔“

یہ لوگ حضرت علیؑ کے پاس آئے۔ حبیب بن مسلمہ نے بات شروع کی اور جو
باقی معاویہ نے کہیں تھیں آپ کو بتائیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: اے ابن ماجہ! تمہیں اس کام سے کیا سروکار جو تیرے
شایان شان نہیں۔ حبیب غصے سے چلا گیا اور جاتے وقت کہا: بخدا آپ مجھے ایسی جگہ پر
دیکھیں گے جہاں دیکھنا پسند نہیں کرتے۔

شرجیل نے کہا: کیا آپ عثمان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے نہیں کریں گے؟

بن مالک کو اُردن کے قبیلہ ہمدان پر مقرر کیا۔ زید بن حارث کو اُردن کے قبیلہ غسان پر مقرر کیا۔ قحطاع بن امیہ کو ان لوگوں پر جو دُور سے آئے تھے مقرر کیا۔ عمرو بن حاص کو تمام سواروں پر اور ضحاک بن قیس کو تمام پیادہ لوگوں پر مقرر کیا۔

دونوں گروہوں نے اپنی صفوں کو سات سات صفوں میں تقسیم کیا۔ دو صفوں کو دائیں جانب اور دو صفوں کو بائیں طرف مقرر کیا اور تین صفوں کو قلب لشکر قرار دیا۔ دونوں گروہوں کی کُل چودہ صفیں ہوئیں۔ ہر گروہ کے افراد اپنے اپنے پرچم کے نیچے کھڑے ہو گئے اور کچھ دیر تک سنا سنا سا چھا گیا۔

باپ بیٹے کے مقابلے میں

اس خاموشی کو توڑتے ہوئے حُجَل بن اِثال (عراقی فوجی) جس کا تذکرہ عرب کے شجاع لوگوں میں ہوتا تھا میدان میں نکلا۔ دو صفوں کے درمیان کھڑا ہو گیا اور آواز بلند کی۔ دوسری طرف سے اس کا باپ (اِثال) سر پر لوہے کا خود پہنے باہر نکلا۔ اِثال کا ذکر شام کے شجاع لوگوں میں ہوتا تھا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کو پہچان نہ سکے۔ انہوں نے ایک دوسرے پر نیزوں سے حملے کیے لیکن کوئی بھی زخمی نہ ہوا۔ بالآخر اِثال نے نیزہ مارا جس سے حُجَل زمین پر گرا۔ اِثال بیٹے کے سینے پر چڑھا، دونوں نے ایک دوسرے کو غصے سے دیکھا تو ایک دوسرے کو پہچان گئے۔

جب انہوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا، فوراً ایک دوسرے کو چھوڑ دیا اور اپنے اپنے لشکر کی طرف واپس لوٹ گئے۔ اس کے علاوہ کوئی اور ناخوش گوار واقعہ اس دن پیش نہ آیا۔ لوگ متفق ہو گئے اور اپنی قیام گاہوں کو چلے گئے۔

جمعہ اور عتبہ برادرِ معاویہ کے درمیان معرکہ

دوسرے روز بھی صف بندی کی گئی۔ اس دن عتبہ بن ابوسفیان گھوڑے پر سوار

اور قبیلہ حمیم بعدنی کو نعیم بن جرہ کے اور سعد باب بصرہ کو خابرجہ بن قدامہ کے اور قبیلہ بجیلہ کو رفاعہ بن شداد کے اور ذیل کوئی کو رویم شہابی کے اور قبیلہ حنظلہ کو امین بن ضمیہ کے اور قبیلہ قضاہ کو عدی بن حاتم کے اور لہازم کو فہوس کو عبداللہ بن بدیل کے قبیلہ حمیم کوفہ کو عمیر بن عطار کے اور قبیلہ ہمدان کو سعد بن قیس اور لہازم بصرہ کو خزیمہ خازم کے اور سعد باب کوفہ کو ابومصرہ کے اور قبیلہ مذحج کو مالک اشتر کے اور قبیلہ عبد قیس کو عبداللہ بن طفیل کے اور قبیلہ عبد قیس بصرہ کو عمرو بن حنظلہ کے اور قبیلہ قیس بصرہ کو شداد ہلالی کے اور باقی دُور سے آنے والے گروہوں کو قسم بن حنظلہ جہنی کے حوالے کیا۔

معاویہ کے جنگِ صفین میں علم دار

معاویہ نے سواروں پر عبداللہ بن عمرو حاص کو امیر مقرر کیا۔ پیادہ لوگوں پر مسلم بن عقبہ (خدا اس پر رحمت کرے) کو مقرر کیا۔ میمنہ پر عبید اللہ بن عمر خطاب کو مقرر کیا۔ میسرہ پر حبیب بن مسلمہ کو مقرر کیا، اپنا بڑا پرچم عبدالرحمن بن خالد کے حوالے کیا۔ ضحاک بن قیس کو دمشق کے لوگوں پر مقرر کیا۔ ذوالکلاع کو حمص کے لوگوں پر مقرر کیا۔ زفر بن حارث کو قسریں کے لوگوں پر مقرر کیا۔ سفیان بن عمرو کو اُردن کے لوگوں پر مقرر کیا۔ مسلمہ بن خالد کو فلسطین کے لوگوں پر مقرر کیا۔ بسر بن ابی ارطاة کو دمشق کے پیادہ لوگوں پر مقرر کیا۔ حوشب ذو قلم کو حمص کے پیادہ لوگوں پر مقرر کیا۔ طریف بن حابس کو قسریں کے پیادہ لوگوں پر مقرر کیا۔ عبدالرحمن قبی کو اُردن کے پیادہ لوگوں پر مقرر کیا۔ ہلال بن ابی ہیرہ کو قیس حمص پر مقرر کیا۔

حابس بن ربیعہ کو میمنہ کے پیادہ لوگوں پر مقرر کیا۔ حسان بن بجذل کو دمشق کے قبلہ قضاہ پر مقرر کیا۔ عباد بن زید کو حمص کے قاضیوں پر مقرر کیا۔ عبداللہ بن جون سلکسی کو دمشق کے قبیلہ کندہ پر مقرر کیا۔ یزید بن ہیرہ کو حمص کے قبیلہ کندہ پر مقرر کیا۔ یزید ابن اسد غلی کو نمربن قاسط کے قبیلہ قضاہ پر مقرر کیا۔ تامل قیس کو فلسطین کے قبیلہ لحم پر مقرر کیا۔ حمزہ

سب بن مسلمہ بھی چند سواروں کے ساتھ نکلا۔ اس قدر جنگ ہوئی کہ ہر طرف سے دھواں ہونے لگی۔ پھر ایک دن ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص جو کہ مرقال کے نام سے معروف تھا میدان جنگ میں آیا اور اس کے ہمراہ چند ایک سوار بھی تھے۔
ادھر معاویہ کے لشکر سے ابوعور سلمیٰ بھی چند ایک سواروں کے ساتھ آیا۔ سارا دن دو گروہوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ کوئی بھی پسپا نہ ہوا۔

عمرو عاص کے پرچم کی داستان

دوسرے روز حضرت علیؓ کی فوج سے عمار یا سر میدان کارزار میں آئے اور معاویہ کی طرف سے عمرو عاص جنگ کے لیے میدان میں وارد ہوا۔ اس کے پاس سیاہ پرچم تھا جس کو اس نے نیزہ کے ساتھ باندھا ہوا تھا۔ جس کے بارے میں لوگوں نے کہا کہ اس پرچم کو رسول اللہؐ نے باندھا تھا۔

حضرت علیؓ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس پرچم کی داستان میں تمہیں سنا ہوں یہ بات ہے کہ اس پرچم کو آنحضرتؐ نے باندھا تھا لیکن انہوں نے فرمایا تھا: جو کوئی اس پرچم کو لے گا اسے چاہیے کہ اس کا حق بھی ادا کرے۔ تو اس وقت عمرو عاص نے کہا: کیا کہ اس کا حق کیا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: ”اگر اسے کافر کے مقابلہ میں لے جاتا تو یہ قرار نہ کرنا اور اس کے ساتھ مسلمانوں سے جنگ نہ کرنا۔“ جبکہ یہ آنحضرتؐ کے زمانے میں کافروں کے مقابلے پر اس پرچم کو لے گیا تو راہ فرار اختیار کی اور آج اسے لے کر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے آیا ہے۔

محمد بن حنفیہ بمقابلہ عبید اللہ ابن عمر

عمار اور عمرو عاص نے سارا دن جنگ کی لیکن کوئی بھی پیٹھ دکھا کر نہ بھاگا۔ دوسرے دن حضرت محمد بن حنفیہ میدان جنگ میں وارد ہوئے اور معاویہ کی طرف سے عبید اللہ بن عمر مقابلے کے لیے آیا۔ عبید اللہ نے محمد حنفیہ سے کہا: میرے ساتھ جنگ کے

میدان میں آیا اور دونوں لشکروں کے درمیان کھڑا ہو گیا اور جعدہ بن مسیرہ بن ابی وہب قرشی کو مبارزہ کے لیے بلایا۔ جعدہ آیا اور عتبہ کے نزدیک آکر رک گیا۔ عتبہ پہلے باتیں کرنے میں لگا رہا۔ جعدہ نے اسے غصہ دلایا تو جعدہ کو گالیاں دینے لگ گیا۔ مگر دونوں ایک دوسرے پر غصے میں بھرے ہوئے واپس چلے گئے۔ پھر دونوں نے اپنے اپنے گروہ تیار کیے اور جنگ کے لیے آمادہ ہو گئے۔

دونوں میدان جنگ میں آئے۔ لوگوں کی آنکھیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ جب جعدہ لڑائی کے لیے تیار ہوا تو عتبہ چلا گیا جس سے دونوں کے فوجی بھی واپس چلے گئے۔ اس دن بھی اس کے علاوہ کوئی اور واقعہ رونما نہ ہوا۔

نجاشی نے ان دونوں کی کیفیت دیکھ کر چند اشعار کہے جن کا مفہوم یہ ہے:

”اے عتبہ! مرد بزرگوار کو گالی دینا بہت بڑی خطا ہے اور یہ ناپسند خطاؤں میں سے ہے۔ اس کی ماں اُم ہانی ہے اور اس کا باپ لوی بن غالب کے خاندان سے ہے اور وہ میرہ بن وہب ہے کہ تمام بنی مخزوم اس کے فضل اور برتری کے شاہد ہیں۔“

ادھر سے بھی چند اشعار کہے گئے جن کا مفہوم یہ ہے:

”انسان کو تکبر اور ناز نہیں کرنا چاہیے۔ خود پسندی اسے بڑا نہیں بنا سکتی۔ جب تلواریں باہر آئیں اور سوار بھی آئے تو تم نے کہا میرے پاس آؤ لیکن وہ نہ آئے اور چالاکی بھی نہ کی۔ تم قبیلہ سکون ازو صدف کے کشتہ جو زمین پر گرے پڑے ہیں کو کیوں نہیں دیکھتے۔ اے عتبہ! اگر تم میں بے عقلی اور تن آسانی نہ ہوتی تو اس بدنامی اور رسوائی سے دُور ہوتے۔“

ایک دن اشعث عراق کے شجاع جوانوں کے ساتھ باہر آیا تو معاویہ کی طرف سے

شام کا ایک حجر الشرمائی شخص میدان میں آیا اور اس کے مقابلے میں حضرت علیؑ کی فوج سے حجر بن عدی آئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو نیزے مارے۔ شامی نے حجر بن عدی کو نیزہ مارا جس سے وہ گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور زمین پر گر پڑے لیکن حجر بن عدی کے دوستوں نے انہیں اٹھا لیا اور بچالیا۔ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ اس معرکہ میں حجر بن عدی زخمی ہو گئے تھے۔ ان کے زخمی ہونے کے بعد اہل کوفہ سے حکم بن ازھر حجر الشرمائی کے مقابلے میں آیا۔ یہ اہل کوفہ کے اشراف سے تعلق رکھتا تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے پر وار کیے تو حجر الشرمائی حکم بن ازھر کو شہید کر دیا۔ یہ دیکھ کر حکم بن ازھر کا چچا ازاد رفاعہ بن طلحہ جلدی سے جنگ کے لیے آیا اور اس نے ایک ہی حملہ میں حجر الشرمائی کا کام تمام کر دیا۔ تو حضرت علیؑ نے خداوند تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔

عبداللہ بن بدیل معاویہ کے سر پر پہنچ گئے

دوسرے دن عبداللہ بن بدیل خزاعی جو کہ حضرت علیؑ کے دوستوں میں سے تھا اپنے ساتھیوں کے ہمراہ میدان میں آیا۔ اس کے مقابلے میں ابوہریرہ سلمیٰ بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آیا۔ دن کا کچھ حصہ جنگ ہوتی رہی۔ عبداللہ نے اپنے دوستوں کو جنگ کا کہا اور خود گھوڑوں کو تازیانہ مار کر شامیوں پر حملہ آور ہوا۔ وہ ان کی صفوں کو چیرتا ہوا تلوار زنی کرتا ہوا آگے بڑھا اور جہاں معاویہ بیٹھا تھا وہاں پہنچنے کی کوشش کی۔ معاویہ کے دوست اسے بچانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

معاویہ نے کہا: خیال رکھو لو ہا اور تلواریں اس پر اثر نہیں کرتیں۔ تم اس پر پتھروں کی بارش کرو۔ چنانچہ معاویہ نے ان پر اتنے پتھر برسائے کہ وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گیا۔

معاویہ آیا اس کے سینہ پر سوار ہو گیا اور کہا: یہ اپنی قوم کا پہلوان تھا اور یہ ان لوگوں میں سے ہے جو اس شعر کے مصداق ہیں:

لیے تیار ہو جاؤ۔

محمد بن حنفیہ نے کہا: پیادہ! عبید اللہ نے کہا: ٹھیک ہے۔ دونوں گھوڑے سے اترے۔ جب حضرت علیؑ نے ان دونوں کو دیکھا تو اپنے گھوڑے کو دوڑا کر محمد کے پاس آئے اور خود گھوڑے سے اتر آئے اور محمد بن حنفیہ سے فرمایا: میرے گھوڑے کو پکڑو۔ محمد نے گھوڑے کو پکڑا۔ حضرت علیؑ عبید اللہ بن عمر کی طرف بڑھے لیکن عبید اللہ اپنے لشکر کی طرف چل پڑا اور کہا کہ مجھے تمہارے ساتھ جنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میرا قصد تو صرف تمہارے بیٹے کے ساتھ جنگ کرنا تھا۔ حضرت محمد بن حنفیہ نے کہا: (بابا جان) اگر آپ مجھے جنگ کی اجازت دیجئے تو میں اسے قتل کر دیتا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: ہاں مجھے بھی یہی امید تھی لیکن اس بات کا خوف بھی تھا کہ کہیں وہ تمہیں قتل نہ کر دے۔ نیم روز تک نوجوانوں میں معرکہ آرائی ہوئی اور بغیر کسی نتیجے کے ختم ہو گئی۔

دوسرے روز عبداللہ بن عباس حضرت علیؑ کی طرف سے میدان میں آئے اور ان کے مقابلے میں معاویہ کی طرف سے ولید بن عقبہ آیا۔ دونوں کے ہمراہ سواروں کا گروہ تھا۔ ولید نے کہا: اے ابن عباس! تم قطع رحم کے مرتکب ہوئے ہو اور اپنے امام (عثمان) کو قتل کیا ہے لیکن پھر بھی تمہاری خواہش پوری نہ ہو سکی۔

ابن عباس نے کہا: افسانہ بازی سے باز رہ اور جنگ کے لیے تیار ہو جا۔ ولید نے قبول کیا اور سامنے آیا۔ ابن عباس نے اس دن ایک سخت جنگ کی اور دونوں گروہ انتقامی کیفیت میں اپنے اپنے لشکر کی طرف لوٹ گئے۔ تیسرے روز عمرو عاص میدان میں آیا اور حضرت علیؑ کی طرف سے سعد بن قیس ہمدانی مقابلہ کے لیے آیا۔ عمرو نے یوں رجز پڑھا:

”اے ابوالحسن! تم امان میں نہ رہو اس لیے کہ چھری سے تمہیں

آسیب پہنچنے والا ہے۔“

ہوتے ہیں اور ہم میں سے ایک مارا گیا تو دوسرا خلیفہ بن جائے گا۔

جب حضرت علی علیہ السلام کا پیغام معاویہ کو ملا تو اس نے عمرو عاص سے مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے؟

عمرو عاص نے کہا: علیؑ کہتا تو انصاف کی بات ہے۔ جاؤ اور جنگ کرو۔

معاویہ نے کہا: تم یہ کہہ کر مجھے معذور کر رہے ہو؟ میں اس کے مقابلے میں کیسے آسکتا ہوں۔ دریں حالیکہ قبیلہ ملک و اشعری میرے ماتحت ہیں اور وہ میری حمایت کرتے ہیں پھر اس نے ایک شعر کہا جس کا مفہوم یہ ہے:

”بادشاہوں کو جنگ میں مرنے والوں سے کیا ہے مبارزہ تو شاہین کے گوشت کے ٹکڑے سے ہوتا ہے۔“

عمرو عاص نے موت سے گھبرا کر حضرت علیؑ کے سامنے پیڑھنگی کر دی

معاویہ عمرو عاص پر ناراض ہو گیا اور چند دنوں تک اس سے ہمکلام نہ ہوا۔ ایک روز عمرو عاص نے معاویہ سے کہا: کل میں علیؑ سے اپنے ساتھیوں کی معیت میں جنگ کرنے کے لیے جاؤں گا۔ عمرو عاص میدان کارزار میں آیا اور دو لشکروں کے درمیان ٹکڑے ہو کر کہا:

”میری زندہ ٹھیک کر دو تا کہ وہ کھل نہ جائے۔ ایک دن قبیلہ ہمدان کا تو دوسرا صدف کا ہے۔ جب تک تمہی منحرف نہ ہوں ان کا بھی دن ہے اور ربیعہ کے لیے دن بہت تنگ اور مشکل ہے۔ جب ہم بڑبڑاتے اونٹ کی طرح جولان میں آئیں تو ان کو ہڈوں کے ساتھ سیدھا کر دیں۔“

اس نے آواز بلند کی: ”اے ابوالحسن! میرے ساتھ جنگ کے لیے آؤ تمہیں ملوٹوم ہے میں عمرو عاص ہوں۔“

حضرت علیؑ میدان میں آئے۔ پہلے نیزہ سے جنگ کی پھر تلوار نکالی اور عمرو عاص

”جنگجو وہ ہے کہ اگر جنگ اسے ہلاک کرنا چاہے تو وہ بھی جنگ کو ہلاک کر دے۔ اگر جنگجو اس کی کمر شکنی کرے تو وہ بھی اس کی کمر شکنی کرنے جس طرح شیر اپنے ساتھیوں کا دفاع کرتا ہے۔ موت بھی اسے اپنے تیر کا نشانہ بنائے تو وہ اسے گرا دے۔“

معاویہ اور خوف ذوالفقار

جس سوار پر معاویہ کو فخر تھا وہ اس کا آزاد کردہ غلام حریت تھا۔ وہ معاویہ کا لباس حرب کو پہن کر اس کے گھوڑے پر سوار ہوتا اور اس کی شبیہ بن کر مخالفوں پر حملہ آور ہوتا تھا۔ لوگ اسے دیکھتے تو کہتے تھے کہ یہ سوار معاویہ ہے۔

معاویہ نے اسے کہا ہوا تھا کہ جہاں دل چاہے نیزہ چلانا لیکن علیؑ کے نزدیک نیزہ لے کر مت جانا۔ عمرو عاص نے اسے تنہائی میں دیکھا تو کہا کہ ٹو بھی علیؑ کی طرح جنگجو ہے تو پھر اس کے ساتھ جنگ کیوں نہیں کرتا؟

اس نے کہا: میرے آقا نے مجھے اس سے مقابلہ کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔ عمرو عاص نے اسے کہا: بخدا مجھے امید ہے اگر تم اس پر حملہ کرو تو اسے قتل کر ڈالو گے اور علیؑ کے قاتل ہونے کا شرف تمہیں مل جائے گا۔ ان باتوں نے حریت کے دل میں مقام پیدا کیا۔ حریت باہر میدان میں آیا اور دو صفوں کے درمیان کھڑا ہو گیا اور کہا: اے ابوالحسن! میرے ساتھ جنگ کرو اس لیے کہ میں حریت (ایک بہادر سوار) ہوں۔ حضرت علیؑ اس کے مقابلے میں گئے اور ایک وار ہی سے اسے پچھاڑ دیا۔

حضرت علیؑ کی معاویہ کو پیشکش

انہی دنوں میں سے ایک دن حضرت علیؑ علیہ السلام نے معاویہ کی طرف پیغام بھیجا کہ خواہ خواہ لوگوں کو کیوں موت کے منہ میں دے رہے ہو۔ آؤ میں اور تم دونوں نیر و آزا

مدونہ کی اور ربیعہ نے بھی ایسا کام کیا کہ یہ بارش کے پانی سے بھی سیراب نہ ہو سکیں گے۔

اس نے شمر بن ریان بجلی کو مارا اور وہ شہید ہو گیا۔ شمر قبیلہ ربیعہ کے پہلوانوں میں سے تھا۔ دوسرے روز صبح کے وقت عبید اللہ بن عمر اپنے سابقہ ساتھیوں کے ساتھ میدان جنگ میں نکلا تو قبیلہ ربیعہ کے لوگ مقابلے کے لیے سامنے آئے۔ دونوں لشکروں کے درمیان جنگ ہوئی۔ عبید اللہ شامیوں کے آگے آگے تلوار چلا رہا تھا۔ حریت بن جابر خنی نے اس پر حملہ کیا اور اس کے گلے پر نیزہ مارا جس سے عبید اللہ بن عمر ہلاک ہو گیا۔

عبید اللہ بن عمر کے قاتل کے بارے میں اختلاف ہے۔ ہمدانی کہتے ہیں کہ ہانی نے قتل کیا۔ قبیلہ حضرموت والے کہتے ہیں کہ مالک بن عمرو حضری نے قتل کیا ہے اور قبیلہ ربیعہ والے کہتے ہیں کہ حریت بن جابر خنی نے قتل کیا ہے البتہ اس آخری قول پر اکثر مؤرخین کا اتفاق ہے۔

ذوالکلاع کی ہلاکت

ایک دن ذوالکلاع شامیوں کے قبائل عک اور لخم کے شہسواروں کے ساتھ میدان میں وارد ہوا۔ ادھر حضرت علی علیہ السلام کی فوج سے عبداللہ بن عباس قبیلہ ربیعہ کے جوانوں کی معیت میں مقابلے کے لیے آئے۔ دونوں گروہوں کا آمناسامنا ہوا۔ عراقی قبیلہ مذحج کے ایک شخص نے آواز بلند کی:

”اے خاندان مذحج! جلدی کرو اور تیزی کے ساتھ حرکت کرو۔“ انہوں نے قبیلہ عک پر حملہ کر دیا اور ان کے اڈنوں پر اس قدر شمشیر زنی کی کہ وہ سنبھل نہ سکے اور گر گئے۔ ذوالکلاع نے آواز لگائی: ”اے قبیلہ عک! اپنے اڈنوں کو بٹھاؤ۔“

بکر بن وائل کے قبیلہ کا ایک حدف نامی شخص آگے بڑھا اور اس نے ذوالکلاع پر حملہ کر دیا اور اتنے زور سے تلوار اس کے شانے پر ماری کہ شانہ جدا ہو گیا اور وہ اپنی

پر حملہ کیا۔ جب عمرو عاص پر قابض ہوئے تو اس نے اچانک اپنے آپ کو گھوڑے سے گرا دیا اور اپنے ایک پاؤں کو بلند کیا جس سے اس کی شرمگاہ نظر آنے لگی۔ حضرت علیؑ نے اپنے چہرے کو اس سے پھیر لیا اور اسے چھوڑ دیا۔ جب عمرو عاص معاویہ کے پاس گیا تو معاویہ نے اس سے کہا: خدا کا شکر کرو کہ بچ لکھے ہو!

عبید اللہ بن عمر اور مالک اشتر میں مقابلہ

ایک دن عبید اللہ بن عمر جو کہ عرب میں پہلوان کے لقب سے پہچانا جاتا تھا اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مالک اشترؓ کے مقابلے میں آیا۔ جب ان کے درمیان جنگ نے زور پکڑا اور عبید اللہ اور مالک اشترؓ کا آمناسامنا ہوا تو عبید اللہ نے مالک اشترؓ پر حملہ کیا۔ مالک اشترؓ نے بھی اسے نیزہ مارا جو خطا ہو گیا۔ اس کے بعد مالک اشترؓ نے عبید اللہ کے ساتھیوں پر حملہ کیا۔ کچھ دیر بعد جنگ ختم ہو گئی اور حضرت مالک اشترؓ غالب رہے۔

اگلے روز عبدالرحمن ابن خالد بن ولید معاویہ کی طرف سے میدان میں اُترا اور اس کے مقابلے میں عدی بن حاتم آئے۔ سارا دن جنگ ہوئی رہی البتہ بغیر کسی کے غلبہ کے تمام ہو گئی۔

ایک دن ذوالکلاع اپنے چار ہزار ساتھیوں کے ہمراہ میدان میں آیا اور اس نے حضرت علیؑ کے میسرہ (قبیلہ ربیعہ) پر حملہ کر دیا جن کا امیر عبداللہ بن عباس تھا جنگ زوردار ہوئی اور ان کے درمیان کانٹے دار مقابلہ ہوا۔ لاشوں پہ لاشے گرے جا رہے تھے۔

عبید اللہ بن عمر کی ہلاکت

عبید اللہ بن عمر نے فریاد کی کہ میں پاک ابن پاک ہوں۔ عمار نے اس کی آواز کا جواب دیا کہ تو ناپاک ہے۔ عبید اللہ بن عمر نے حملہ کیا اور یہ رجز پڑھا:

”میں عمر کا بیٹا عبید اللہ ہوں۔ میرا باپ سوائے آنحضرتؐ اور ابوبکرؓ کے قریش میں سب سے بہترین تھا۔ قبیلہ معز نے حضرت عثمانؓ کی

شامی بھی معاویہ کے پاس جمع ہوئے تو معاویہ نے کہا: ”مقدمۃً لشکر کہاں ہے؟ حمص کے لوگ اپنے پرچموں کے نیچے اکٹھا ہونا شروع ہو گئے۔ ان سب کا سردار ابواحور اسلی تھا۔

معاویہ نے کہا: اُردن کے لوگ کہاں ہیں؟ وہ سب اپنے پرچم کے نیچے اکٹھے ہوئے۔ زفر بن حارث کلابی ان کا امیر تھا۔ اس کے بعد معاویہ نے کہا: لشکر کا امیر کہاں ہے؟ دمشق کے لوگ اپنے پرچم کے نیچے جمع ہوئے اور معاویہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کا امیر ضحاک بن قیس تھا اور کل لشکر کا امیر عمرو عاص کو بتایا گیا۔ یوں معاویہ کی فوج نے تیار ہو کر حضرت علیؑ کی فوج کے سامنے میدان جنگ میں قدم رکھا۔

معاویہ ایک بلند منبر پر بیٹھا تا کہ دورانِ جنگ اسے دونوں گروہ نظر آئیں۔ قبیلۂ عک شام کے لوگ میدان میں آگے بڑھے۔ وہ اپنے چمرے عماموں سے چھپائے ہوئے تھے انہوں نے اپنے سامنے ایک بڑا پتھر پھینک کر کہا:

”ہم نے یہ پتھر اس لیے پھینکا ہے کہ جنگ سے پیٹھ نہ دکھا جائیں۔“

عمرو عاص نے اپنی فوج کو پانچ صفوں میں تقسیم کیا اور خود ان کے سامنے آ گیا اور یہ رجز پڑھا:

”اے ایمان دار سپاہیو! ٹھیک ٹھیک قیام کرو اور خداوند سے مدد طلب کرو۔ مجھے ایک بات معلوم ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ علیؑ نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا ہے۔ انہیں کہو کہ ہمارے شیخ کو جس طرح تھا واپس کر دو۔“

ایک شامی شخص آگے بڑھا اور یہ رجز پڑھا:

”جب کل لشکر میدان میں تلواریں نکال کر آئے گا تو حضرت عثمانؓ پر گریہ وزاری کی جائے گی اور ہم خدا سے اپنا حق مانگیں گے حالانکہ

سواری سے گر پڑا اور وہیں فی النار ہو گیا۔ جب یہ قتل ہوا تو قبیلہ عک نے تلواروں کے مقابلے میں مقاومت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا حتیٰ کہ رات ہو گئی۔

جنگ صفین کا عجیب پہلو

جنگ صفین میں عراقی اور شامی جنگ کے بعد ایک دوسرے کی قیام گاہوں میں آتے جاتے تھے اور کوئی بھی دوسرے کو منع نہ کرتا تھا اور نہ ہی کوئی ناخوشگوار واقعہ دیکھنے میں آیا۔ وہ اپنے مقتولین کو میدان سے اٹھا کر لے جاتے تھے اور دفن کر دیتے تھے۔

حضرت علیؑ کا اہم اعلان

ایک دن حضرت علیؑ نے اعلان فرمایا: ”آج میں اپنے تمام لشکر کے ساتھ (لشکر) معاویہ پر حملہ کروں گا اور ان لوگوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ کرتا رہوں گا جب تک خداوند ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہ فرماوے۔“

یہ اعلان سن کر لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا اور کہنے لگے کہ پہلے تو کچھ اس طرف سے اور کچھ اس طرف سے مقابلہ کرتے تھے اب جب کہ سبھی لوگ آپس میں لڑیں گے تو ہمیں خوف ہے کہ عرب غیبت و نابود ہو جائیں گے۔

حضرت علیؑ علیہ السلام اپنی مسند سے اٹھے اور لوگوں سے خطاب فرمایا: ”کل تم سب نے مخالفین کا مقابلہ کرتا ہے لہذا آج رات نمازیں بہت زیادہ ادا کرو اور خداوند متعال سے ثابت قدمی اور توبہ کی قبولیت کی درخواست کرو اور ان (دشمنوں) کے ساتھ پختہ ارادے سے لڑو۔“

کعب بن جہل نے یوں کہا: ”اُمت ایک ایسے تعجب سے دوچار ہے کل جو کامیاب ہوگا خلیفہ بنے گا۔ میں تو سچی بات کرتا ہوں اور بغیر جھوٹ کے کہتا ہوں کہ کل عرب کے بڑے بڑے برج گر جائیں گے۔“

”اے لوگو! صبح دوبارہ جنگ ہوگی۔ تم دشمن کا سامنا کرو گے اپنی آنکھوں کو بند رکھنا، آوازیں دہمی رکھو اور باتیں کم کرو ثابت قدم رہنا اور خدا کو زیادہ یاد کرنا اور آپس میں جھگڑا مت کریں ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہارا احترام ضائع ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

اسی شام معاویہ نے بھی اپنے اصحاب سے خطاب کیا اور کہا:

”اے لوگو! اپنے دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہو کمزوری مت دکھانا، کسی ایسے شخص کے ساتھ جنگ مت کرنا جس کا خون بہانا حرام ہو ورنہ آسمان پر تمہارا عذر قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔“

عمر و عاص بھی اٹھا اور کہا:

”اے لوگو! زرہ پوشوں کو آگے بھیجو اور پیادوں نیز وزرہ کے بغیر لوگوں کو پیچھے رکھو اور اپنی کثرت عاریتاً ہمیں دے دو۔ اب حق اپنی جگہ پر پہنچ گیا ہے۔ جلد ہی ظالم اور مظلوم کا پتہ چل جائے گا۔“

ساری رات دونوں لشکروں نے جنگ کی تیاری میں گزاری اور صبح کو میدان میں آئے۔ حبیب بن مسلمہ جو کہ معاویہ کے لشکر میسرہ کا امیر تھا اس بد نہاد نے حضرت علیؑ کے میمنہ پر حملہ کیا جس سے حضرت علیؑ کا لشکر تھوڑا سا پسپا ہوا۔ جب حضرت علیؑ کھاتو سہل بن حنیف سے کہا: ان کی مدد کے لیے اپنے ہمراہی حجازیوں کے ساتھ مل ان کی مدد کے لیے روانہ ہوا تو شامی لشکر نے ان کا سامنا کیا اور ایسا حملہ کیا جس میں بھی پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ پھر انہوں نے اس لشکر پر حملہ کیا جس میں حضرت علیؑ چنانچہ حضرت علیؑ کے چند ولیر ساتھیوں کے علاوہ کوئی بھی باقی نہ رہا۔ حضرت علیؑ

ہمارے مد مقابل علیؑ کے لیے حکمت چاہتے ہیں اور تم جو چاہتے ہو اس کی دلیلیں پیش کرو۔ ہم نے بات کر دی ہے پس تم دلیل پیش کرو۔“

حضرت علیؑ علیہ السلام نے نماز فجر کو اول وقت میں ادا کیا اور بعد میں اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ اپنے اپنے علم کے سائے میں آ جاؤ اور بھر شامی فوج کے ارد گرد چکر لگایا اور پوچھا یہ کن کا گردہ ہے؟

ہر ایک کے گردہ کے نام بتائے گئے۔ جب ہر ایک کا پتہ چل گیا تو حضرت علیؑ علیہ السلام نے کوفہ کے ازدیوں سے فرمایا:

تم ازدی شامیوں کے لیے کافی ہو اور شمع سے فرمایا: تم خنسی لوگوں کے لیے کافی ہو۔ الغرض آپؑ نے حکم دیا کہ میری فوج کا ہر ہر قبیلہ شامیوں کے اسی نام کے قبائل کے ساتھ جنگ کرنے پر حکم دیا کہ حملہ یکبارگی ہونا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت علیؑ علیہ السلام کے کل بارہ ہزار اصحاب جو حجاز و قریش اور انصار سے تھے۔ حضرت ان کے آگے آگے تھے ان سب نے تکبیر کہی جس سے لرزہ پیدا ہو گیا۔ شام کے لوگ دوڑ کر بکھر بکھری ٹکڑیوں میں بٹ گئے۔ ان کے پرچم ادھر ادھر گر گئے۔ معاویہ اور عمرو عاص پیچھے چلے گئے اور معاویہ گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد شامیوں نے پراگندگی کے بعد اکٹھا ہونا شروع کر دیا اور عراقیوں کے ساتھ جنگ کے لیے آمادہ ہوئے۔ پھر دونوں لشکروں کا آمنہ سامنا ہوا اور جم کر جنگ ہوئی۔ رات گئے تک جنگ جاری رہی جس میں عرب کے بزرگ افراد قتل ہوئے۔ دوسرے روز ایک دوسرے کی قیام گاہوں میں جا کر اپنے اپنے لوگوں کی لاشوں کو اکٹھا کیا اور سارا دن اپنی لاشوں کو دفناتے رہے۔ دفن سے فراغت کے بعد شام کے وقت حضرت علیؑ علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے خطاب فرمایا:

حضرت زحر کی شہادت

زحر بن جہل نے فریاد کی اے فرزندان تمہی! تم کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا: تم پر افسوس ہے کہ تم پسپا ہو رہے ہو اور پھر بہانے بنائے جا رہے ہو۔ اگر دین کے لیے نہیں لڑ سکتے تو اپنے نسب اور شرف کی حفاظت کے لیے ہی جنگ کر لو۔

حضرت زحر نے حملہ کیا۔ تمیموں نے بھی ان کے ساتھ حملہ کیا۔ زحر جنگ کرتے کرتے شہید ہو گئے۔ دونوں گروہوں کا آپس میں زبردست مقابلہ ہوا۔ لوگ کٹ کٹ کر منگریزوں اور خاک پر گرنے لگے۔ ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں تم میں سے کون ہے جو بیوی بچوں کے لیے باقی رہنا چاہتا ہے۔ خدا را خدا را اپنی بیویوں کا کچھ خیال کرو۔

اس وقت حضرت علی علیہ السلام شامیوں کے گھمسان میں داخل ہوئے اور ایسی تلوار چلائی کہ ان کی تلوار خمیدہ ہو گئی اور لہو لہان ہو کر اس اڑوہام سے باہر نکلے۔ آپؑ نے تلوار کو درست کیا اور پھر میدان میں تشریف لائے۔ قبیلہ ربیعہ نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ کی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ اس وقت وہ معاویہ تک پہنچ گئے۔ معاویہ نے عمرو عاص سے مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے۔

عمرو عاص نے کہا: اپنے شاہی خیمہ کو چھوڑ دو۔ معاویہ اپنے منبر سے اتر آیا اور خیمہ سے باہر نکل گیا۔

قبیلہ ربیعہ کے چند لوگ حضرت علیؑ کی قیادت میں وہاں پہنچے اور اسے وہاں نہ آکر اس کے خیمہ کو اکھاڑ ڈالا۔ حضرت علیؑ علیہ السلام نے وہ رات قبیلہ ربیعہ کے ہمراہ گزار دی۔

ہاشم مرقال اور ابن ہاشم علم بردار ابن علیؑ

جب صبح ہوئی تو شامیوں کے ساتھ جنگ کا آغاز کیا اور اپنا سب سے بڑا علم ہاشم

نے اپنے میسرہ کی طرف گھوڑے کا رخ کیا جس میں قبیلہ ربیعہ کے لوگ تھے اور جو تاحال ثابت قدمی کے ساتھ لڑ رہے تھے۔

علیؑ و حسنینؑ اور محمد حنفیہ تیروں کی زد میں

زید بن وہب کہتا ہے: ”میں نے اس موقع پر حضرت علیؑ علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے ہمراہ حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ اور محمدؑ تھے اور ربیعہ کی طرف جا رہے تھے۔ ان کے ارد گرد تیر گر رہے تھے۔ حضرت علیؑ پر ان کے بیٹے جان نچاؤ کر رہے تھے۔“

حضرت جب میسرہ کے قریب پہنچے تو حضرت مالک اشترؑ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”ان پسپا ہونے والوں کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ جس موت کے بغیر چار انہیں ہے اور جو ہمیشہ رہنے والی زندگی ہے اس سے اپنے آپ کو کیوں بچا رہے ہو۔“

مالک اشترؑ نے پسپا لوگوں کو حوصلہ دیا

مالک اشترؑ نے اپنے گھوڑے کو تیز دوڑایا اور اس پسپا لشکر کے قریب آیا اور کہا: ”اے لوگو! میں مالک بن حارث ہوں۔ میرے پاس آؤ۔“

لیکن کسی نے بھی اس کی بات کی طرف توجہ نہ دی۔ مالک اشترؑ نے سمجھا کہ لوگوں نے مجھے اس نام سے پہچانا نہیں ہے لہذا پھر سے کہا: میں اشتر ہوں۔ یہ سنتے ہی لوگ اس کے پاس آئے۔ اب اس نے اور باقی سب لوگوں نے مل کر معاویہ کی فوج کے میسرہ پر حملہ کیا اور اتنی سخت جنگ کی کہ شای پسپا ہو گئے اور پیچھے ہٹتے ہٹتے اپنی قیام گاہوں میں گھس گئے۔ مالک اشترؑ نے حضرت علیؑ کی فوج کے میمنہ کو درست کیا اور قلب لشکر کو بھی مرتب کیا۔ جب فوجی مرتب ہوئے تو اپنی صفوں کا معائنہ کیا اور انہیں اس دن پسپائی دکھانے پر ڈانٹا۔ اس وقت شامیوں نے حضرت علیؑ کی فوج کے میمنہ پر دھاوا بول دیا اور اسے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔

جاری رہی۔ حضرت علیؑ کے جسمِ مازنین پر پانچ زخم لگے۔ تین زخم سر پر اور دو زخم
پیر پر لگے۔ اس کے بعد جنگ ختم ہو گئی۔ دوسرے روز پھر جنگ کے لیے میدانِ جج گیا۔
عمرو عاص شامیوں کے آگے آگے تھا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار نے عمرو عاص
کو قتل کیا اور جنگ کی۔ انصار کے دو نوجوان اس طرح تیزی سے آگے بڑھے کہ معاویہ
کے شاہی خیمہ میں داخل ہو گئے لیکن اس خیمہ کے کنارے پر انہیں قتل کر دیا گیا۔ آج رات
کی ایک تہائی شب تک جنگ جاری رہی اور جب صبح ہوئی تو لوگ ایک دوسرے کی قیام
گاہوں میں گئے اور لاشے اٹھائے اور انہیں دفن کیا۔

معاویہ کا حضرت علیؑ کی طرف خط

معاویہ نے حضرت علیؑ کی طرف خط لکھا، اما بعد:

”میری آپ سے حضرت عثمان کے خون کی وجہ سے جنگ ہے اور اس کام میں
مستی کا مظاہرہ نہیں کروں گا۔ اگر خون کا بدلہ لے لیا تو اپنے مقصود کو پالوں گا ورنہ راہِ خدا
میری موت واقع ہوگی۔“

حضرت علیؑ کا معاویہ کو جواب

حضرت علیؑ نے اس کے جواب میں لکھا، اما بعد:

”میں تم سے وہی بات کرتا ہوں جو عمارق نے بنی فارج سے کی اور وہ یہ ہے: ”اے
اللہ! اگر تم بنی فارج کی قیام گاہ سے گزرتو ان سے کہہ دینا ہماری طرف جلدی سے آؤ لیکن
ہم انہیں ہوا کہ صحرا کی خشکی کی طرح کہ جس کی گرد اور خاک اڑ چکی ہو۔ قبیلہ سلیم بن منصور
بڑے لوگ ہیں اور ان کی سر زمین درختوں سے پُر ہے۔“

معاویہ نے پھر جواب دیا:

”پہلے ہم امیر کے ذریعے جنگ کرتے رہے ہیں۔ تمہاری اور میری مثال ایسے

بن عتبہ المعروف مرقال کے حوالے کیا۔ مرقال نے سارا دن اس علم کے ساتھ جنگ کی۔
جب رات ہوئی تو اس کے کچھ ساتھی پہا ہو گئے لیکن پھر بھی ہاشم اپنے دلیر ساتھیوں کے
ساتھ ثابت قدم رہا۔

حارث بن منذر تنوخی نے اس پر حملہ کر دیا اور اس نے ہاشم کو ایک زوردار نیزہ مارا
لیکن پھر بھی اس نے جنگ جاری رکھی۔ چنانچہ اس کے پاس حضرت علیؑ کی طرف سے ایک
نمائندہ آیا اور پیغام دیا کہ پرچم کو لے کر آگے بڑھو۔ نمائندے نے دیکھا کہ ہاشم کا پیٹ
پھٹ چکا ہے۔ نمائندہ حضرت علیؑ کے پاس آیا اور ہاشم کی رپورٹ دی۔ ابھی تھوڑی دیر
گزری تھی کہ ہاشم زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے زمین پر گر پڑے۔ جب ان کے
ساتھیوں نے اسے زمین بوس دیکھا تو وہ پیچھے ہٹ گئے انہیں لاشوں کے بچ چھوڑ گئے۔
رات ہو گئی تھی جنگ روک دی گئی۔ جب صبح ہوئی تو حضرت علیؑ نے نماز فجر سے فراغت
کے بعد تیار ہو کر حملہ کر دیا۔ اب سب سے بڑا علم ہاشم کے بیٹے کے حوالے کیا۔ دونوں
گروہوں کے درمیان حملہ اور جنگ شروع ہو گئی۔

تفصیل ظفری روایت کرتے ہیں کہ اس روز ہم نے تلواروں کی ایسی جھنکار سنی جس
نے بجلی کی چمک اور کڑک بھی کم تھی اور حضرت علیؑ جنگ کی نظارت کر رہے تھے اور ساتھ
ساتھ فرما رہے تھے:

”خداوند متعال کے علاوہ کوئی طاقتور نہیں ہے اور ہم خدا سے مدد چاہتے ہیں۔
خدا یا! ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان حق کا فیصلہ فرما کیونکہ تو بہترین فیصلہ کرنے والا
ہے۔“

علیؑ لشکرِ شام میں چھپ گئے

اس کے بعد حضرت علیؑ نے شامیوں پر حملہ کر دیا اور اس قدر لڑے کہ شامیوں میں
چھپ گئے اور خون آلود ہو کر واپس لوٹے۔ اس سارے دن اور رات کی ایک تہائی تک

۱۔ حضرت علیؑ کے دوستوں میں سے ایک شجاع سلیمان بن مرداس کے مقابلے میں نے اور حوشب مارا گیا۔

اس صورت حال میں صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ وہ حضرت علیؑ کی طرف بڑھے کہ آپ دوسری جگہ جنگ کرنے میں مصروف تھے۔ جنگ جاری رہی۔ عدی بن حاتم جگہ سے حضرت علیؑ سے جدا ہوا تھا وہاں آیا لیکن جب حضرت نظر نہ آئے تو آپ کا منہ لگا۔ اس کی حضرت کی طرف رہنمائی کی گئی۔ وہ حضرت علیؑ کی خدمت میں آیا اور کہا: ”اب جب کہ آپ کو زندہ دیکھ رہا ہوں ہمارا کام آسان ہو گیا ہے لیکن جان لو میں لاشوں سے گزر کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔“

جب صفیں میں جن لوگوں نے سب سے زیادہ حضرت علیؑ کا ساتھ دیا اور ثابت رہے وہ قبیلہ ربیعہ کے لوگ تھے جن کے بارے میں حضرت علیؑ علیہ السلام نے فرمایا: ”قبیلہ ربیعہ کے لوگو! تم میری تلوار اور زره ہو۔ اس کے بعد رسول خدا کے ریح نامی بڑے پر سوار ہوئے۔ آنحضرتؐ کا شہا نامی استر نکالا اور رسول خدا کے سیاہ عمامہ کو سر پر لٹکا۔ پھر اپنے منادی سے کہا: ”نداؤ:“

”اے لوگو! تم میں سے کون ہے جو اپنی جان کو خدا کے ہاتھ فروخت کرے؟“ کئی لوگ آمادہ ہو گئے اور حضرتؐ کے ساتھ مل گئے۔ ان کو ساتھ ملا کر حضرتؐ نے شامیوں پر حملہ کر دیا اور انکی سخت جنگ کی کہ شامی اپنے پرچم و ہیں چھوڑ کر بھاگ پڑے ہوئے۔ اس کو دیکھ کر معاویہ نے ہوشیاری دکھاتے ہوئے اپنا گھوڑا منگوا لیا۔

معاویہ کے منادی نے شامیوں سے کہا: اے لوگو! کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ ثابت رہے ہوش اور شکست تو باری باری جنگ میں آتی ہی رہتی ہے۔ دوبارہ شامی معاویہ کے جمع ہو گئے اور انہوں نے پلٹ کر حضرت علیؑ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ معاویہ نے عمرو بن عبد شمس سے کہا: قبیلہ عک اور اشعری کے لوگوں کو میدان میں بھیجو۔ عمرو عاص ان کے پاس

ہے جیسے اوس بن حجر نے کہا ہے: ”جب قبیلوں کے درمیان جنگ چھڑ جاتی ہے تو ان کے پوشیدہ عیب بھی آشکار ہو جاتے ہیں اور جب جنگ ہو تو ضروری ہے کہ جو لائق لوگ ہوں وہ حمایت کریں اور چند لوگ ایسے ہیں جو بظاہر آراستہ و پیراستہ تو ہوتے ہیں لیکن ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔“

دوسرے روز صبح سویرے جنگ شروع ہو گئی۔ شامیوں کا سب سے بڑا پرچم عبدالرحمن بن خالد بن ولید کے ہاتھ میں دیا گیا۔ عبدالرحمن جو کہ عرب کے شجاع اشخاص میں سے تھا۔ وہ ایسا تھا کہ اس کے سامنے جو شے آتی اسے نابود کر دیتا تھا۔

مالکِ اشترؓ علم بدست

ان کے مقابلہ سے عراقی فوج پسا ہو گئی اور انہوں نے مالکِ اشترؓ سے کہا: کیا آپ نہیں دیکھتے کہ پرچم کس کو ملا ہے؟

حضرت علیؑ کی طرف سے مالکِ اشترؓ علم لے کر سامنے آئے اور رجز پڑھا: ”میرا نام اشتر ہے میں دوسروں کو پچھاڑنے میں مشہور ہوں اور عراقی انھی ز ہوں۔“

انہوں نے انکی جنگ کی کہ شامیوں کو پہلے حملے ہی میں پسا کر دیا۔ نجاشی شاعر نے اس کے بارے میں یوں کہا:

”میں نے پرچم کو عتاق کے سایہ میں دیکھا جس کو ایک شامی جلدی سے لے جا رہا تھا۔ ہم نے ان کے مقابلے میں عراقی فوج کو بلایا۔ اس وقت لشکر سے لشکر ملے ہوئے تھے۔ اشتر نے انہیں پسا کر دیا اور وہ اپنے ہدف اور اپنی آرزو کو پہنچ گئے۔“

اس وقت جندب بن زبیر نے پرچم کو لیا۔ شامیوں کا پرچم حوشب و ظلم کے ہاتھ میں تھا۔ یہ آگے بڑھا اور عراقیوں کے ایک گروہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور کئی کو زخمی

ہو چکے ہیں اور (بہت سے) لوگ مر چکے ہیں۔ اور ہم عبد مناف کی اولاد کو ایک دوسرے پر کوئی برتری اور فضیلت نہیں ہے سوائے اس شے کے جس کی وجہ سے غالب لوگ خوار ہوتے ہیں اور آزاد غلام بنتے ہیں۔ والسلام!“

حضرت علیؑ کا معاویہ کو جواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”تمہارا خط ملا۔ تم نے لکھا ہے کہ اگر مجھے اور تجھے معلوم ہوتا کہ جنگ سے یہ نوبت آپہنچے گی تو جان لو کہ تمہارا اور ہمارا اس جنگ میں ہدف کیا ہے۔ ابھی تک وہ ہدف ہمیں حاصل نہیں ہوا۔ اور تم نے جو کہا کہ جنگ میں ہم دونوں کو یکساں خوف ہے تو جان لو کہ تم میرے یقین میں اپنے شک سے زیادہ ثابت قدم نہیں ہو۔ شامی اتنے دنیا کے حریص نہیں ہیں جتنے عراقی آخرت کے حریص ہیں۔ اور جو تم نے کہا ہے کہ ہم سب اولاد عبد مناف ہیں اور کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہے تو تمہاری یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ اُمیہ کا درجہ بنی ہاشم جیسا نہیں ہے۔ اور حرب کا درجہ عبد المطلب جیسا نہیں ہے اور ابوسفیان کا درجہ ابوطالب جیسا نہیں ہے۔ مہاجر اور وہ غلام جو آزاد ہوئے ہیں — برابر نہیں ہیں۔ نوبت کی فضیلت ہمارے ہاتھ میں ہے جس کی وجہ سے غالبوں کا خاتمہ ہوا اور ناتواں ہمارے مطیع ہوئے۔“

ایک دن حضرت علیؑ نے صبح سویرے نماز فجر ادا کی اور اپنے ہاتھ میں نیزہ لیا اور شامیوں پر ٹوٹ پڑے۔ آپؑ کے ہمراہی بھی آپؑ کے ساتھ تھے۔ آپؑ نے تین نیزوں کو شامیوں کے سینوں میں توڑا۔ اس جنگ اور حملے میں کھاروں اور گرزوں والوں نے ایک دوسرے پر حملے کیے۔ ایک شامی لوہے سے لیس اپنے چہرہ کو چھپائے میدان میں وارد ہوا اور اس نے آ کر کہا:

”اے ابوالحسن! میرے سامنے آؤ تاکہ میں آپ سے ہم کلام ہوں۔ حضرت علیؑ

گیا اور معاویہ کا پیغام سنایا تو ان کے امیر مسرق کی نے کہا: آپ سب انتظار کریں میں معاویہ کے پاس سے ہو کر آتا ہوں؟

وہ معاویہ کے پاس آیا اور کہا: میری قوم کے لیے ۲۰ لاکھ درہم مقرر کریں اور ہمارے ساتھ یہ شرط طے کریں کہ ان میں سے جو قتل ہو جائے گا اس کا چچا زاد اس کا جانشین بنے گا۔ معاویہ نے اس شرط کو قبول کر لیا تو وہ اپنی قوم کے پاس واپس آ گیا اور وہ خبر انہیں سنائی۔ چنانچہ وہ جنگ کے لیے آگے بڑھے۔ قبیلہ عک اور قبیلہ ہمدان آپس میں نبرد آزما ہوئے تو کھاروں کی جھنکار کی آوازیں بلند ہوئیں۔ قبیلہ عک والوں نے قسم کھائی کہ وہ جب تک ہمدانوں کو میدان سے بھگا نہ دیں اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ ہمدانوں نے بھی یہی قسم اٹھائی۔

عمر وعاص نے معاویہ سے کہا: شیر شیروں کے ساتھ نبرد آزما ہیں۔ میں نے آج جیسی جنگ کبھی نہیں دیکھی۔

معاویہ نے کہا: اگر ہمارے پاس قبیلہ عک کی طرح کا کوئی اور قبیلہ ہوتا اور علیؑ کے پاس قبیلہ ہمدان کی طرح کا کوئی اور قبیلہ ہوتا تو یہاں کبھی نیست و نابود ہو جاتے۔

معاویہ کا حضرت علیؑ کی طرف ایک اور خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معاویہ بن ابوسفیان کا خط علی ابن ابی طالب کی طرف

”اما بعد! میرا خیال یہ ہے کہ اگر تمہیں اور مجھے یہ پتہ ہوتا کہ جنگ میں یہ نوبت آپہنچے گی تو ایسا تم روانہ رکھتے۔ دوسرے لوگ ہماری عقل پر کامیاب ہوئے لیکن اب بھی کچھ نوبت باقی ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ گذشتہ پریشیمان ہو جائیں اور آئندہ احتیاط کریں کہ زندگی سے مستفید ہونے کی جو میری امیدیں ہیں تمہاری بھی ہیں اور قتل و غارت سے جتنا تم ڈرتے ہو میں بھی اتنا ہی ڈرتا ہوں۔ پچھلا اب لشکری فوجی کمزور اور ناتواں

ایسی جنگ کرو کہ خدا ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے
کیونکہ وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔“

جب یہ خبر معاویہ کے پاس پہنچی تو اس نے عمرو عاص سے کہا: آپ کیا دیکھتے ہیں
جب کہ آج کا دن اور رات ہمارے لیے باقی بچی ہے؟

عمرو عاص نے کہا: میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔ اگر انہوں نے اسے مان لیا
تو ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا اور اگر انہوں نے نہ مانا تو پراگندہ ہو جائیں گے۔
معاویہ نے کہا: وہ کیا ہے؟

عمرو عاص نے کہا: انہیں کہو کہ تمہارے اور ہمارے درمیان قرآن فیصلہ کرے گا۔
ایسا کرنے سے جو چاہتے ہو وہی ہو جائے گا۔

معاویہ نے کہا: بات یہی ہے جو تم بیان کر رہے ہو۔ ادھر اشعہ بن قیس نے
اپنے گرو جمع اپنی قوم سے کہا: کل تم نے نیست و نابود کرنے والی جنگ کو دیکھا کہ کیسی تھی؟
بھلا اگر ہم کل آئے سانسے آئے تو عرب حتماً نیست و نابود ہو جائیں گے۔

قرآن کو نیزوں پر بلند کرنے کی سازش

جاسوسوں نے یہ بات معاویہ تک پہنچائی تو اس نے کہا: اشعہ نے صحیح کہا ہے۔
اگر کل جنگ میں ہمارا آئنا سامنا ہوا تو رومی ہماری عورتوں بچوں پر حملہ کر دیں گے اور
ہم اپنی دیہاتی عورتوں کی عورتوں اور بچوں پر حملہ کر دیں گے۔ اس بات کو فقط صاحبان عقل
یہی سمجھ سکتے ہیں۔ اب آپ کا فریضہ یہ ہے کہ قرآن کو نیزوں پر بلند کر کے فیصلے کر دواؤ۔
پانچ سو سو سویرے معاویہ کے طرف داروں نے ایک بہت بڑے قرآن کو پانچ نیزوں پر
بلند کیا جسے پانچ آدمیوں نے اٹھا رکھا تھا اور ان کے پیچھے باقی لوگوں نے قرآن نیزوں پر
بلند کیے ہوئے تھے۔ وہ حضرت علیؑ کی فوج کی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ جب حضرت علیؑ
کے اصحاب نے دیکھا کہ معاویہ کے لوگ قرآن کو نیزوں پر بلند کیے آ رہے ہیں (البتہ

اس کے سامنے آئے تو اس شخص نے آپؐ سے یوں کہا:

”آپؐ کا اسلام میں وہ مقام ہے جو کسی اور کا نہیں ہے۔ آپؐ نے آنحضرتؐ کے
ہمراہ ہجرت فرمائی اور متعذو جہاد فرمائے۔ کیا آپؐ اس خون ریزی کو روکنا چاہتے ہیں؟
آپؐ خود عراق لوٹ جائیں تو یہ جنگ ختم ہو سکتی ہے۔ ہم شام چلے جاتے ہیں اس سے
آپؐ اپنے گھروالوں میں اور ہم اپنے گھروالوں میں خوش و خرم رہیں گے۔“

حضرت علیؑ نے فرمایا: ”میں اس طریقے کو آزما چکا ہوں اور اس کی تمام صورت
حال کو دیکھ چکا ہوں۔ اب دو کاموں میں سے ایک کام ہو سکتا ہے: جنگ یا پھر جو محمدؐ پر
نازل ہوا اس سے انکار کر دوں۔ جب زمین میں گناہ بڑھ جائے تو خدا اپنے بندوں پر
راضی نہیں ہوتا۔ وہ لوگ اپنی حیثیت سے سکوت کر جاتے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن
المنکر نہیں کرتے۔ میں جنگ کو جہنم میں زنجیروں سے جکڑے ہوئے جانے پر ترجیح دیتا
ہوں اور آسان سمجھتا ہوں۔“

وہ شای انا للہ وانا الیہ راجعون کہتا ہوا واپس چلا گیا۔

لیلۃ الہریر کا منظر

اس کے بعد ایسی جنگ ہوئی کہ نیزے ٹوٹ گئے اور کھواریں کام کرنا بند کر گئیں۔
زمین سے باد و خاک کا ایسا غبار اٹھا کہ لوگوں کو سانس لینا مشکل ہو گیا، یہاں تک کہ رات
ہو گئی اور یہ لیلۃ الہریر ہے صبح دونوں گروہوں کے لوگ ایک دوسرے کی قیام گاہوں کی
طرف گئے اور اپنے اپنے کشتوں کے لاشے اٹھا کر دفنائے۔

اس روز حضرت علیؑ نے خداوند متعال کی حمد و ثناء کی اور لوگوں سے خطاب فرمایا:

”اے لوگ! تمہارا اور دشمن کا امر اس نوبت تک آ پہنچا ہے کہ جسے تم
دیکھ رہے ہو۔ اب تو اس قوم سے چند لوگ باقی بچے ہیں۔ خدا تم پر
رحمت نازل فرمائے۔ صبح دشمن سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور

اس کے بعد حصین بن منذر نے کہا: اے لوگو! ہمارا ایک امام اور راہبر ہے جو کہ امین اور سوریہ اعتماد ہے۔ اگر وہ حکم کے مسئلہ میں کہے نہ تو نہ ہی ہے اور اگر کہے ہاں تو ہم بھی ہاں ہی کہیں گے۔

حضرت علیؑ کا اپنے اصحاب کو معاویہ کی سازش سے آگاہ کرنا
اس کے بعد حضرت علیؑ نے فرمایا:

”اے بندگانِ خدا! میں بخواتینہ بہتر جانتا ہوں کہ اس قرآن کی دعوت کو قبول کروں۔ اسی طرح تم اس کام کے لیے دوسروں سے زیادہ بہتر جانتے ہو لیکن کیا کیا جائے کہ ان لوگوں کا سوائے دھوکا دہی کے کوئی قصد نہیں ہے۔ اس جنگ نے ان لوگوں کو تھکا دیا ہے۔ بخدا انہوں نے فقط قرآن کو اٹھایا ہوا ہے ان کا قصد قرآن پر عمل کرنا نہیں ہے۔ البتہ میرے لیے یہ بات اچھی نہیں ہے کہ مجھے قرآن کی دعوت دی جائے اور میں اسے قبول نہ کروں کیونکہ ہم تو اس لیے جنگ کر رہے ہیں کہ قرآن کے حکم کو تسلیم کیا جائے۔“

احضت نے کہا: امیر المومنین! ہم آج بھی کل کی طرح آپؑ کی رائے کو قبول کرتے ہیں البتہ صحیح رائے یہ ہے کہ ان کی دعوت کو قبول کر لیں۔ عدی بن حاتم اور عمرو بن محقق نے کسی قسم کی بات نہ کی اور نہ ہی اظہار رائے کیا۔

جب حضرت علیؑ نے ان کی بات کو قبول کر لیا تو انہوں نے کہا: کسی کو بھیجو کہ جاکر مالکِ اشترؓ کو بلا لائے اور کہے کہ مزید پیش رفت نہ کرے۔ مالکِ اشترؓ مینہ پر حملہ کیے ہوئے تھے۔ حضرت علیؑ نے یزید بن ہانی سے فرمایا: مالکِ اشترؓ کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ جنگ کو بند کرو اور فوراً میرے پاس آؤ۔ وہ گیا اور مالکِ اشترؓ کو پیغام دیا۔ مالکِ اشترؓ نے کہا: تم واپس لوٹ جاؤ اور امیر المومنینؑ سے میری طرف سے عرض کرو کہ اب جنگ زور پر ہے اور میرے لیے واپسی اچھی نہیں ہے۔

یزید بن ہانی حضرت علیؑ کی خدمت میں آیا اور ساری بات سے آگاہ کیا۔ اس

ان کے سامنے پرچم کی طرح کی کوئی شے تھی جسے پہچان نہ سکے (جب روشنی ہوئی تو پتہ چلا کہ باقی بھی قرآن ہیں۔

دریں اثناء فضل بن اوحم قلب لشکر کے مقابلے میں اور شریح جزای مینہ کے مقابلے میں اور ورقا بن معمر میرہ کے مقابلے میں آکر کھڑے ہو گئے اور آواز دی: اے اہل عرب! خدا را اپنی عورتوں اور بچوں کو رومیوں اور ایرانیوں کے حملے سے بچا لو۔ تمہارے اور ہمارے درمیان کتابِ خدا حکم ہے جو فیصلہ کرے گی، نہیں منظور ہوگا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ تم کتابِ خدا کو کمر و بہانہ کے لیے استعمال کر رہے ہو۔ اس کے بعد ابو اعمور سلمیٰ سرخ گھوڑے پر سوار ہو کر قرآن نیزہ پر آویزاں کیے میدان میں وارد ہوا اور آتے ہی آواز دی:

”اے عراق کے لوگو! یہ کتابِ خدا ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے۔“

جب عراقیوں نے یہ سنا تو کروں بن ہانی بکری اپنی نشست سے اٹھا اور کہا:

”اے عراق کے لوگو! یہ قرآن آپ کو دھوکا دینے کے لیے ہیں۔ ان کا اعتبار مت کرو۔

اس کے بعد سفیان بن ثور کمری (یا بکری) نے کہا: اے لوگو! ہم نے سب سے پہلے شامیوں کو کتابِ خدا کی دعوت دی تھی لیکن انہوں نے قبول نہ کی تھی۔ اسی وجہ سے ہم نے ان سے جنگ کو جائز قرار دیا تھا۔ اب اگر ہم ان کی بات کو قبول نہ کریں تو ہمارے اور ان کے درمیان جنگ پھر سے جائز قرار پائے گی اور اس صورت میں ہم عذابِ خدا اور رسول اللہ کی ناراضگی سے نہ ڈریں۔ اس پر خالد بن معمر اپنی جگہ سے اٹھا اور حضرت علیؑ سے کہا: اے امیر المومنین! اگر دیکھا جائے تو ان کی بات کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے اور اگر ان کی بات میں مصلحت نہیں ہے تو آپؑ کا جو حکم ہو وہ برتر ہے۔

☆ حکم کے معنی فیصلہ کے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب دو گروہ آپس میں جھگڑ پڑیں تو کسی ایسے شخص کو فیصلہ کے لیے مبین کریں جس پر فریقین راضی ہوں۔

انہوں نے مالکِ اشتر کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور مالکِ اشتر کے گھوڑے کو تازیانہ بھی مارا۔ اس نے بھی سواروں کو تازیانہ مارا۔ ابنِ مذکی اور ابنِ کواء اور چندہ قاری جو بعد میں خارجی بن گئے قرآن کے فیصلے کے شدت سے طرفدار تھے۔

معاویہ شام کے لوگوں میں کھڑا ہوا اور کہا: اے لوگو! جنگ ختم ہو چکی ہے اور دونوں طرف کے لوگ یہی کہتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں اور دوسرے باطل پر ہیں۔ اب ہم نے انہیں دعوت دی ہے کہ ہمارے درمیان قرآن حکم ہے۔ اگر ہماری دعوت قبول کر لیں تو بہتر درنہ ہم نے تو حجت تمام کر دی ہے۔“

پھر معاویہ نے حضرت علیؑ کی طرف خط لکھا:

”وہ پہلے شخص جو اس جنگ کے لیے جواب دہ ہیں اور جن سے حساب کتاب ہونا چاہیے وہ میں ہوں اور آپ ہیں۔ میں آپ کو خون بہانے سے روکتا ہوں اور دین میں محبت و دوستی پیدا کرنے اور دلوں سے کینہ دور کرنے کا کہتا ہوں۔ اب دو حکم میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کریں۔ ایک میری طرف سے ہو اور دوسرا تمہاری طرف سے۔ جو قرآن کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ اگر تم اہل قرآن ہو تو قرآن کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ۔“

اس کے خط کا حضرت علیؑ نے یوں جواب دیا: ”تم نے مجھے دعوت دی ہے کہ قرآن کو حکم تسلیم کروں اور میں جانتا ہوں کہ (دراصل) تم قرآن کو حکم نہیں چاہتے۔ (البتہ) ہم نے قرآن کے حکم کو قرآن کے لیے مانا ہے نہ کہ تمہارے لیے۔ اور جو قرآن کے حکم پر راضی نہ ہو وہ سخت گمراہ ہے۔“

حضرت علیؑ نے عروہ عامس کو یوں خط لکھا:

”اما بعد! جب کہ معلوم ہے کہ دنیا انسان کو دوسرے کاموں سے روکتی ہے۔ دنیا اسے لالچ اور حرص دیتی ہے جس سے انسان دنیا میں زیادہ رغبت کرتا ہے۔ دنیا میں وہ

وقت جہاں مالکِ اشتر تھے وہاں سے بے تحاشا گردوغبار اٹھا تو کوفیوں نے کہا: بخدا ہم خیال نہیں کرتے کہ آپؑ نے انہیں جنگ کا حکم دیا ہو۔ آپؑ نے فرمایا: کیسے ممکن ہے کہ میں نے اسے جنگ کا حکم دیا ہو ورنہ اس حالیکہ اس کے ساتھ خلوت میں میری کوئی بات نہیں ہوئی۔ پھر آپؑ نے یزید سے فرمایا: مالکِ اشترؓ سے کہو جنگ بند کر دو اور واپس آ جاؤ کیونکہ یہاں نیا فتنہ کھڑا ہو گیا ہے۔ یزید مالکِ اشترؓ کے پاس آیا اور اسے امام کا حکم سنایا۔ مالکِ اشترؓ نے عرض کیا: کیا یہ سب کچھ قرآن کے نیزوں پر بلند ہونے کے سبب سے ہے؟ یزید نے کہا: ہاں۔

مالکِ اشترؓ نے کہا: بخدا میں نے جس وقت قرآن کو نیزوں پر بلند دیکھا سمجھ گیا تھا کہ آج لوگوں میں اختلاف اور پراگندگی پھیل جائے گی۔ مجبوراً مالکِ اشترؓ واپس لوٹ آئے اور کہا: ”اے لوگو! تم پست اور ناتواں ہو اب جب تم دشمن پر غالب ہو رہے ہو تو محض قرآن کو دیکھ کر سستی نہ کرو۔ مجھے تمہاری سی مہلت دے دو۔ میں جنگ فتح کر کے دکھاتا ہوں۔“ انہوں نے کہا: ہم تمہارے گناہ میں شریک نہیں ہو سکتے۔

مالکِ اشترؓ نے کہا: ”تم پر افسوس ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ نیک اور برگزیدہ شہید ہو چکے ہیں اور سست اور کمزور باقی بچے ہیں۔ بتاؤ یہ (شامی) کب حق پر تھے اب یا پہلے؟ جو اصحاب شہید ہو چکے ہیں وہ تو انہیں افضل اور برتر نہیں سمجھتے تھے۔ بتاؤ وہ بہشت میں ہیں یا دوزخ میں ہیں؟“

انہوں نے کہا: ”پہلے ہم نے راہِ خدا میں جہاد کیا ہے اور اب بھی راہِ خدا میں جنگ کو چھوڑ رہے ہیں۔“

مالکِ اشترؓ نے کہا: ”وہ لوگ جن کی پیشانی پر سیاہ داغ ہیں میں ان کو نصیحت کرتا ہوں: تمہاری نمازیں عبادت اور بہشت کے شوق میں ہیں۔ اب دنیا کی طرف کیوں پناہ لیتے ہو۔ اس سے برائی اور بدنامی تمہارا مقدر بن جائے گی۔“

انہوں نے کہا: آپ اور ابن عباس کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے گویا آپ خود فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کام ایسے شخص کے اوپر ڈال دیں کہ جس کی نظر میں آپ اور معاویہ برابر ہوں اور تم میں سے کسی کے نزدیک تر نہ ہو۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: تم شامیوں کے لیے عمرو عاص پر راضی ہو گئے ہو حالانکہ وہ تو معاویہ کا شدید طرفدار ہے؟

انہوں نے کہا: وہ اپنے کام میں دانا ہیں اور ہم اپنے کام میں!

حضرت علیؑ نے فرمایا: چلو مالک اشترؓ کو حکم بنا لو۔

اشعث نے کہا: کیا مالک اشترؓ کے علاوہ کوئی اور ہے جس نے یہ جنگ بھڑکائی ہو؟ کیا ہم مالک اشترؓ کے تابع فرمان ہیں؟

حضرت علیؑ نے پوچھا: اس بارے میں مالک اشترؓ کی صورت حال حکم کیا ہے؟ اشعث نے کہا: اس کا کام ملے ہوئے لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف کرنا ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: گویا تمہارا ارادہ ہے کہ فقط ابو موسیٰ اشعریؓ کو ہی حکم بنایا جائے اور اس کے علاوہ کسی دوسرے کو قبول نہ کیا جائے؟

انہوں نے کہا: ہاں۔

آپؐ نے فرمایا: جو چاہو کرو۔ انہوں نے موسیٰ اشعریؓ کے پاس آدنی بھیجا کیونکہ وہ صفین کی جنگ میں شامل نہیں تھا اور شام کے نواح میں آباد ہو چکا تھا۔ وہ شخص اس کے پاس پہنچا اور کہا کہ لوگوں نے صلح کر لی ہے۔ اس نے کہا خدا کا شکر ہے اور جب اس نے کہا کہ لوگوں نے تجھے حکم بنایا ہے تو اس نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔

ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت علیؑ کی قیام گاہ میں پہنچا تو اکثر لوگ اس کے حکم ہونے پر راضی ہو گئے اور اسے اس عنوان سے قبول کر لیا۔

احنف بن قیس نے حضرت علیؑ سے کہا: آپؐ پتھر کی طرح مضبوط اور عربوں سے

جس شے کو پالیتا ہے وہ اُسے اس شے سے جسے وہ نہیں پاسکتا بے نیاز نہیں کرتی۔ تم معاویہ کے ساتھ مل کر اپنے اعمال کو باطل قرار مت دو ورنہ اپنے علاوہ کسی دوسرے کو نقصان مت دو۔ والسلام!

عمرو عاص نے کہا: ”اما بعد! ہماری اصلاح اور اُلفت اس میں ہے کہ حق کی بازگشت ہو جائے۔ ہم نے اپنے اور تمہارے درمیان قرآن کو حکم قرار دیا ہے اور اس فیصلہ پر ہم راضی ہیں اور لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ ہمارے عذر کو قبول کریں۔“

حضرت علیؑ علیہ السلام نے اسے جواب دیا: ”وہ شے جس نے تمہیں اپنا شیدائی بنا رکھا ہے وہ دنیا کی محبت ہے۔ یہ دنیا تم سے روگردان ہو جائے گی۔ تم اس دنیا پر اعتبار نہ کرو کیونکہ یہ بہت دھوکہ دینے والی ہے۔ اگر ماضی سے صیحت پاؤ تو جو باقی رہ گیا ہے اس میں اس سے بہرہ ور ہو سکتے ہو۔ والسلام۔“

عمرو عاص نے جواب میں تحریر کیا:

”اما بعد! جس نے قرآن کو حکم قرار دیا ہے اس نے انصاف کا ساتھ دیا ہے۔ اے ابوالحسن! صبر کرو ہم قرآن کے فیصلہ کے علاوہ آپ سے کچھ نہیں چاہتے اور نہ ہی کچھ کریں گے۔ والسلام۔“

اس دوران میں دونوں لشکروں کے درمیان قرآن خواں (قاریاں قرآن) بیٹھ گئے اور اپنے ہمراہ قرآن لے آئے اور ایک دوسرے سے بحث مباحثہ کرنے لگے کہ دو حکم متعین کیے جائیں۔ چنانچہ شامیوں نے عمرو عاص کو حکم منتخب کیا۔

ابو موسیٰ اشعریؓ کے حکم بننے پر حضرت علیؑ کا اعتراض

اشعث اور باقی عراقی قرآن خوانوں نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو منتخب کیا تو حضرت علیؑ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: مجھے ابو موسیٰ اشعریؓ کی ذوراندیشی سے اطمینان نہیں ہے۔ میں حکم کے طور پر ابن عباس کو متعین کرتا ہوں۔

حکیمیت کا پیمان نامہ

اہل عراق اور اہل شام سب لوگ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے ایک لکھنے والے کو لایا اور سب نے مل کر حکیمیت کے لیے ایک تحریر لکھی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ وہ امر ہے جس پر امیر المومنینؑ نے حکم صادر کیا اور اپنی موافقت کا اظہار فرمایا ہے۔

معاویہ نے کہا: اگر میں علیؑ کو امیر المومنین سمجھتا ہوتا تو اس کے ساتھ جنگ کرنے

سے ایک بدکار انسان بنتا، لہذا میں تو اسے امیر المومنین نہیں سمجھتا۔

معاویہ کی بات سن کر عمرو عاص نے لکھنے والے سے کہا: فقط علیؑ اور اس کے باپ

کا نام لکھو۔

احف ابن قیس نے حضرتؑ سے عرض کیا: مولانا امیر المومنینؑ کے عنوان کو حذف پر

موافقت نہ کریں کیونکہ مجھے ڈر ہے اگر یہ عنوان آج محو کر دیا گیا تو پھر کبھی آپؑ کی طرف

میں آئے گا لہذا آپ ان کا تقاضا رد کریں۔

حضرت علیؑ علیہ السلام نے نعرہ تکبیر بلند فرمایا اور ارشاد فرمایا: بخدا ایسا ہی

میں ہوں حضرت کے زمانے میں ہوا تھا۔ جب حدیبیہ کا صلح نامہ لکھا جا رہا تھا تو قریش نے کہا تھا

کہ رسول اللہ کے لفظ کو حذف کر دیا جائے تو پیغمبر اکرمؐ نے لکھنے والے (یعنی مجھ سے)

سے فرمایا تھا: فقط ”محمد بن عبد اللہ“ ہی لکھ دو۔ اب حکیمیت کا پیمان نامہ یوں لکھا گیا:

”یہ پیمان نامہ ہے جس پر علی ابن ابی طالبؑ معاویہ بن ابی سفیان اور ان دونوں

کے پیروں نے موافقت کی ہے۔ ہم سب قرآن کے حکم اور سنت پیغمبرؐ کے حکم پر راضی

ہیں۔ حضرت علیؑ تمام اہل عراق خواہ وہ حاضر ہیں یا غائب سب پر خلیفہ ہیں اور تمام اہل

عالم حاضر و غائب پر معاویہ کی حکومت مسلم ہے۔

قرآن جو آغاز سے لے کر انجام تک فیصلے کرتا ہے۔ ہم نے اس کے حکم سے

ذہین شخص کے ہاتھوں گرفتار ہوئے ہیں۔ میں نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو آزمایا ہوا ہے۔ وہ کم مایہ شخص ہے اور اس کام کے لائق نہیں ہے۔ اس کام کے لیے موزوں وہ شخص ہے جو کبھی تو ایسا ہو کہ دوسرا اسے نزدیک سمجھے اور کبھی ایسا ہو جائے کہ دوسرا اسے ستاروں میں سمجھنے لگے۔ اگر آپ چاہیں تو مجھے حکم بنا سکتے ہیں ورنہ کسی اور کو بنا دیں۔ اگر کہیں کہ میں اصحاب رسولؐ میں سے نہیں ہوں۔ تو کسی صحابی کو حکم بنا دیں اور مجھے اس کا وزیر بنا دیں۔

حضرت علیؑ علیہ السلام نے فرمایا: ”یہ لوگ حکیمیت کے لیے سوائے ابو موسیٰ اشعریؓ کے کسی پر راضی نہیں ہیں۔ خدائے تعالیٰ اپنے خواستہ کو محقق کر دکھائے گا۔“

ایمن بن خرم اسدی جو کہ شام کے لوگوں میں سے تھا اور جنگ صفین میں شریک نہیں ہوا تھا۔ اس نے اس موضوع پر چند اشعار کہے جن کا مفہوم یہ ہے:

”اگر اس قوم میں فکر ہوتی تو اس حکمت کے لیے ابن عباس ہی کو مقرر

کرتے لیکن انہوں نے یمن کے بوڑھے شخص کو معین کیا ہے جو اتنا بھی

نہیں جانتا کہ پانچ کو چھ سے ضرب دی جائے تو کتنے بنتے ہیں؟“☆

معاویہ نے ایمن بن خرم کو کہا ہوا تھا کہ اگر تم میری بیعت کر لو تو فلسطین کا کچھ

حصہ تمہیں دے دیا جائے گا تاکہ تم اس پر حکومت کرو لیکن ایمن نے معاویہ کی بات قبول

نہ کی اور چند اشعار کہے جن کا مفہوم یہ ہے:

”میں ایسا شخص نہیں ہوں کہ حکومت اور بادشاہی کے لالچ میں نماز

گزار قریش قتل کروں۔ اس کا حق بادشاہی ہے اور میں گناہ لے

لوں میں ایسی نادانی اور بے عقلی سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔ کیا میں

احق کسی مسلمان کو قتل کر سکتا ہوں۔ اگر ایسا کروں گا تو مجھے میری

زندگی ذرا بھی فائدہ نہ دے سکے گی۔“

☆ یہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا تھا۔ اس کا باپ اور چچا مسلمانوں کے ساتھ جبکہ بدر میں شریک ہوئے۔

اس نے ان سے روایات نقل کی ہیں۔ فلاں پانچ کو چھ سے ضرب دینا نہیں جانتا ضرب اٹل ہے۔

کہہ دیں اور راستے کھول دیئے جائیں۔ ان دو گروہوں کے جو لوگ فیصلہ میں موجود نہ ہوں گے انہیں حاضر سمجھا جائے گا۔

یہ دونوں حکم ایسی جگہ پر رہیں جہاں سے اہل عراق اور اہل شام کی مسافت برابر ہو۔ کوئی ان کے ساتھ ملاقات کا حق نہیں رکھتا سوائے ان کہ یہ دونوں جن پر رضایت کا اظہار کریں فیصلے کی مدت ماہ مبارک رمضان کے آخر تک رکھی گئی۔ لیکن اگر حکمین جلدی فیصلہ کرنے میں مصلحت جانیں تو پہلے بھی فیصلہ ہو سکتا ہے اور اگر چاہیں تو حکم کرنے میں تاخیر بھی کر سکتے ہیں اور اگر انہوں نے قرآن کے مطابق فیصلہ نہ کیا تو دوبارہ جنگ جاری ہو سکتی ہے۔

حکمیت کے عہد نامہ پر گواہوں کے نام

اہل عراق کی طرف سے گواہ حسب ذیل تھے:

- | | |
|------------------------------|--------------------------------|
| ۱- حضرت حسن | ۲- حضرت حسین |
| ۳- عبداللہ بن عباس | ۴- عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب |
| ۵- اصف بن قیس | ۶- مالک اشتر بن حارث |
| ۷- سعد بن قیس | ۸- حصین بن حارث بن عبدالمطلب |
| ۹- طفیل بن حارث بن عبدالمطلب | ۱۰- ابوسعید بن ربیعہ انصاری |
| ۱۱- عبداللہ بن خباب بن ارث | ۱۲- کھل بن حنیف |
| ۱۳- ابولیسیر بن خباب بن ارث | ۱۴- عوف بن حارث بن عبدالمطلب |
| ۱۵- یزید بن عبداللہ اسلمی | ۱۶- عقبہ بن عامر جہنی |
| ۱۷- رافع بن خدیج انصاری | ۱۸- عمرو بن حمن خزاعی |
| ۱۹- مجرب بن عدی کنذی | ۲۰- یزید بن جہم فکری |
| ۲۱- مالک بن کعب ہمدانی | ۲۲- ربیعہ بن شریبل |

موافقت کو تسلیم کر لیا ہے۔ جسے قرآن نے زندہ کیا ہے اسے زندہ سمجھتے ہیں اور جس شے کو قرآن نے زندہ نہیں رکھا ہم بھی زندہ نہیں جانتے۔“

اس بات پر حضرت علیؑ اور معاویہؓ دونوں راضی ہو گئے۔ حضرت علیؑ اور ان کے شیعہ عبداللہ بن قیس (ابومویٰ اشعری) کے حکم پر راضی ہو گئے۔

معاویہؓ اور اس کے پیرو عمرو عاصؓ کے حکم پر راضی ہو گئے۔ حضرت علیؑ اور معاویہؓ نے ابومویٰ اشعری اور عمرو عاصؓ سے عہد لیا:

”خدا اور رسول اللہ کی قسم اٹھاؤ کہ اپنے حکم کا ملاک قرآن کو قرار دو گے۔ قرآن اور اس میں لکھے ہوئے احکامات سے تجاوز نہیں کرو گے۔ جو شے قرآن میں موجود نہ ہوگی اسے سنت رسولؐ میں تلاش کر دو گے اور جان بوجھ کر ان کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کرو گے۔ شبہات میں جتنو نہیں کرو گے۔“

ابومویٰ اشعری اور عمرو عاصؓ نے بھی حضرت علیؑ اور معاویہؓ سے عہد لیا کہ ہم جو قرآن و سنت کے مطابق فیصلہ کریں گے اس پر راضی رہنا۔ اس کے بعد اس حکم کی مخالفت نہیں کر دو گے۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنی جان مال عورتوں اور بچوں کے لیے امان طلب کی خواہ ان کے حکم پر راضی ہوں اور خواہ راضی نہ ہوں البتہ امت کا فرض ان کو حکم تسلیم کرنا اور ان کی مدد کرنا ہوگا۔

ان دونوں حکم میں سے اگر کوئی ایک فیصلہ کرنے سے پہلے مرجائے تو اس عہد نامے اور شرائط پر اس کی جماعت کے لوگ کسی اور عادل اور صلح شخص کو مامور کریں گے۔ دونوں گروہوں نے ان شرائط پر رضایت کا اظہار کیا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ اور معاویہؓ اور حکمین کے علاوہ بقایا سب کے لیے سلام ممنوع قرار دے دیا گیا۔ خداوند تعالیٰ کو گواہ قرار دیا گیا۔ جو شخص ان فیصلوں سے روگردانی کرے گا امت اس سے بیزار ہوگی جب تک فیصلہ نہ ہو جائے۔ لوگوں کی جان مال سب امان میں ہوں گے۔ فریقین اسلحہ کو

کے پرچم کے پاس جا کر عہد نامہ کو پڑھا۔ اس قبیلہ کے چار ہزار مرد حضرتؑ کے ساتھ تھے جن میں سے دو بھائیوں نے کہا: لَا حُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ ”خدا ہی حکم اور فیصلہ کر سکتا ہے“۔ یہ کہہ کر انہوں نے شامیوں پر حملہ کر دیا اور اتنی جنگ کی کہ دونوں بھائی قتل ہو گئے۔ یہ دونوں اپنے شخص تھے جنہوں نے سب سے پہلے لَا حُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ کا نعرہ لگایا تھا۔ اشعث اس کے بعد قبیلہ مراد کے پاس گیا اور ان کے سامنے عہد نامہ کو پڑھا۔ ان میں سے سب سے زیادہ صالح شخص صالح بن شفیق نے کہا: سوائے خدا کے کسی کو حکم کا حق حاصل نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بات مشرکوں کو ناگوار گزرے۔“

اشعث بنی راسب کے پرچم کے قریب گیا اور اسے پڑھ کر سنایا۔ انہوں نے کہا کہ لوگوں کو دین خدا میں فیصلہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ جب اشعث بن حمیم کے لوگوں کے پاس گیا تو وہاں بھی ایسی ہی بات سنی۔ عروہ بن ادیہ نے کہا کیا تم دین خدا میں لوگوں کو حکم بتا رہے ہو۔ ہمارے شہداء کس کھاتے میں جائیں گے؟ یہ کہہ کر اس نے اپنی تلوار سے اشعث پر حملہ کر دیا لیکن اس کا حملہ کارگر ثابت نہ ہوا اور تلوار اس کے گھوڑے کی سرین پر لگی۔ اشعث اپنی قوم میں واپس لوٹ گیا۔ بنی حمیم کے بزرگ اس کے پاس گئے اور معذرت کی۔ اس نے انہیں معاف کر دیا۔ سلمان بن مرد حضرت علیؑ کی خدمت میں آیا۔ اس کے چہرے پر تلوار کا زخم تھا۔ سلمان نے حضرتؑ سے عرض کیا: کاش آپ کے پاس ایسے مددگار ہوتے کہ آپ اس عہد نامہ کو نہ لکھواتے۔ عمر بن جنس بن ضلیح اپنی جگہ سے اٹھا اور حضرت علیؑ کے سامنے آ کر عرض کیا: ”کیا کوئی راستہ ہے کہ جس کے ذریعے اس عہد نامہ کو واپس کر دیا جائے۔ بخدا مجھے ڈر ہے کہ یہ عہد نامہ آپ کی کمزوری اور شجاعت کا موجب ہے۔“

حضرتؑ نے فرمایا: کیا تحریر کے لکھوا دینے کے بعد اب اسے توڑ دیں؟ یہ جائز نہیں ہے۔ اس کے بعد معاویہ اور حضرت علیؑ میں فیصلہ کی جگہ پر اتفاق رائے ہوا اور وہ

۲۳- مجرب بن یزید

۲۶- نعمان بن عجلان انصاری

۲۳- حارث بن مالک

۲۵- علیہ بن جحیر

اہل شام کی طرف سے گواہ درج ذیل تھے:

۲- ابو اعمور سلمی

۴- معاویہ بن خرقہ کندی

۳۳- مسلم بن عمر سکسی

۸- علقمہ بن یزید کلیبی

۱۰- علقمہ بن یزید حضری

۱۲- مروق بن جبلی

۱۴- عبداللہ بن عامر قرشی

۱۶- محمد بن ابوسفیان

۱۸- عمارہ بن احوں کلیبی

۲۰- صباح بن جلیہم حمیری

۲۲- خالد بن یزید سکسی

۲۴- علقمہ بن حکم

۲۶- حمزہ بن مالک

۱- حبیب بن مسلمہ فہری

۳- یسرا بن ارطاة قرشی

۳۲- مختار بن حارث

۷- عبداللہ بن عمرو عاص

۹- سعید بن یزید حضری

۱۱- یزید ابن الجبر عسبی

۱۳- یسر بن یزید حمیری

۱۵- عتبہ بن ابوسفیان

۱۷- محمد بن عمرو عاص

۱۹- معبد بن عمرو دہلی

۲۱- عبدالرحمن بن ذوالکلاع

۲۳- ثمامہ بن حوشب

۲۵- عبدالرحمن بن خالد بن ولید

یہ عہد نامہ ۱۶ صفر ۳۷ ہجری بروز بدھ کو تحریر کیا گیا۔

حکمین کے تعین کے بعد اختلاف

اشعث نے عہد نامہ ہاتھ میں لیا اور دونوں لشکروں کے سامنے اسے پڑھا۔ پھر ہر ایک قبیلے کے پاس گیا اور ان کے پرچم کے پاس کھڑے ہو کر انہیں پڑھ کر سنایا۔ قبیلہ غزوہ

جب ان کے پاس معاویہ کا خط آیا تو کبھی دومۃ الجندل میں ان کے پاس پہنچ گئے اور فیصلے تک وہاں ہی رہے۔ سعد ابن ابی وقاص بھی حاضر ہوا۔ صغیرہ مبن شعبہ جو کہ منافق میں مقیم تھا یہ بھی آیا۔ یہ ان حملوں میں شریک نہ تھے اور فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔ اور جب فیصلے میں دیر ہوئی تو دمشق چلے گئے وہاں معاویہ سے ملاقات کی۔

معاویہ نے ان سے کہا: جس شے میں مصلحت دیکھتے ہو مجھے بتاؤ؟
صغیرہ نے کہا: اگر تمہارے حق میں رائے دے سکتا تو تمہارے ساتھ جنگ میں شرکت نہ کرتا۔ البتہ ان دونوں حکمین کی رپورٹ تمہیں دیتا ہوں۔

معاویہ نے کہا: کیا ہے؟
صغیرہ نے کہا: میں نے ابوموسیٰ اشعری سے خلوت میں ملاقات کی ہے تاکہ پتہ چل سکے کہ اس مسئلہ میں اس کی رائے کیا ہے اور اس نے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا جو جنگ سے کنارہ کش تھے اور حاضر نہ ہوئے کہ ان کے بارے میں اس کی رائے کیا ہے؟ تو ابوموسیٰ اشعری نے کہا: جو لوگ جنگ صفین میں شامل نہیں ہوئے وہ بہترین لوگ ہیں کیونکہ ان کی پشت پر بھائیوں کی خون ریزی کا بار نہیں ہے اور ان کے شکم میں ان کے اموال نہیں ہیں۔ پھر وہاں سے اٹھا اور عمرو عاص کے پاس گیا اور اس سے بھی کہا کہ جو لوگ جنگ سے کنارہ کش تھے ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟
اس نے کہا: وہ بدترین لوگ ہیں کیونکہ انہوں نے حق کو پہچانا نہیں اور باطل کا انکار نہیں کیا۔

میرا تو یہ تجویز ہے کہ ابوموسیٰ اشعری اپنے دوست حضرت علیؑ کی خلافت کو ختم کرنا چاہتا ہے اور جنہوں نے جنگ نہیں کی ان میں سے کسی کو خلافت دینا چاہتا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس کا میلان عبداللہ بن عمر کی طرف ہے۔

حافظ مکہ کے جنوب میں سرات کی پہاڑیوں میں واقع ایک شہر ہے جو سطح سمندر سے ۵ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔ اس کی آب و ہوا خوش گوار ہے۔

دومۃ الجندل^① طے ہوئی۔ یہ جگہ عراق اور شام کے درمیان میں ہے۔
حضرت علیؑ نے شریح بن ہانی^② کو چار ہزار لوگوں کی معیت میں ابوموسیٰ اشعری کی طرف روانہ کیا اور نماز جماعت کے لیے عبداللہ بن عباس کو ہمراہ بھیجا۔
معاویہ نے بھی چار ہزار آدمیوں کی معیت میں ابو اور سلمیٰ کو عمرو عاص کی طرف روانہ کیا۔ سب لوگ صفین سے چل کر دومۃ الجندل آئے۔ حضرت علیؑ اپنے احباب کے ساتھ کوفہ واپس چلے گئے اور معاویہ اپنی فوج لے کر شام واپس چلا گیا اور سب لوگ فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔

حضرت علیؑ نے ابن عباس کی طرف ایک خط لکھا: ”عبداللہ بن عباس کے دوست اکٹھے ہوئے کہ مولانا نے آپ کی طرف کیا لکھا ہے؟ اس نے وہ خط چھپا دیا۔ انہوں نے کہا: تم نے حضرت کا خط کیوں چھپایا ہے حالانکہ فلاں فلاں باتیں انہوں نے آپ کی طرف لکھی ہیں۔ انہوں نے اس قدر جتو کی یہاں تک کہ خط کے مضمون سے آگاہ ہوئے۔ اور اس کے برعکس معاویہ نے عمرو عاص کی طرف جو خط لکھے کسی نے بھی انہیں پڑھنے کا مطالبہ نہ کیا۔

معاویہ نے عبداللہ بن عمر بن خطاب اور عبداللہ بن زبیر اور ابو جہم بن حذیفہ اور عبدالرحمن بن یثوث کی طرف خط لکھے۔

اما بعد! جنگ صفین ختم ہو چکی ہے۔ دو شخص (حکم) دومۃ الجندل گئے ہوئے ہیں تم جو کہ اس جنگ سے کنارہ کش تھے اور لوگوں پر جو وارد ہوا تم پر وارد نہیں ہوا ہے۔ اب آؤ اور ان دونوں کے پاس جاؤ اور ان کے افعال اور مشورے پر شاہد بنو۔ والسلام!

① دومۃ الجندل نجد کے شمال میں ایک جگہ ہے۔ اب سعودی عرب میں واقع ہے۔ اس کا دوسرا نام جوف السرحان ہے۔

② شریح بن ہانی پیغمبر اکرمؐ کے صحابی تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کے لیے دعا فرمائی کہ یہ حضرت علیؑ کے اکابر صحابہ میں سے ہوں گے۔ شریح ۷۸ ہجری میں سیستان کے کافروں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے ۱۲۰ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔

(آیت ۳۶)

اس کے علاوہ معاویہ زوجہ رسولؐ اُم حبیبہ کا بھائی ہے اور آنحضرتؐ کی صحبت کا شرف بھی حاصل کر چکا ہے۔

ابوموسیٰ نے کہا: خدا سے ڈر۔ اگر کسی کو گھر اور رشتہ داری کی وجہ سے خلافت اور حکومت کا منصب مل سکتا تو ابراہیم بن مباح حکومت کا زیادہ حق دار تھا کیونکہ وہ یمن کے بیچ بادشاہوں کا شہزادہ ہے جنہوں نے کئی سال زمین پر بادشاہی کی ہے اور دوسرا علی بن ابی طالبؑ کے ہوتے ہوئے معاویہ کے پاس کون سا رشتہ داری والا شرف ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ معاویہ خون عثمان کا بدلہ لینا چاہتا ہے تو یاد رکھ عثمان کا اپنا بیٹا اس کی نسبت زیادہ حق دار ہے کہ باپ کے خون کا بدلہ لے۔ ابوموسیٰ اشعری نے کہا: اگر تم میری رائے کو قبول کر لو تو عبداللہ بن عمر کو خلیفہ نامزد کر کے عمر کی یاد کو زندہ کر سکتے ہو اور یہ عبداللہ بن عمر دانشمند آدمی (بھی) ہے۔

عمر و عاص نے کہا: میرے بیٹے عبداللہ کے خلیفہ بننے میں کیا قباحت ہے حالانکہ وہ فضل و صلاح میں کسی سے کم نہیں ہے اور وہ مہاجر بھی ہے اور اسے آنحضرتؐ کی صحبت کا شرف بھی حاصل ہے؟

ابوموسیٰ اشعری نے کہا: تیرا بیٹا صحیح اور صاف گو آدمی ہے لیکن تو اسے اس جنگ میں لے آیا ہے آؤ عبداللہ بن عمر کو خلیفہ نامزد کریں۔

عمر و عاص نے کہا: خلافت کے لیے ایسا آدمی ہونا چاہیے جس کے دو دانت ہوں ایک سے خود کھائے اور دوسرے سے باقی لوگوں کو کھلائے۔

ابوموسیٰ اشعری نے کہا: اے عمرو مجھے تم پر افسوس ہے۔ مسلمان آپس میں جنگ

میں اُم حبیبہ ابوسفیان کی بیٹی تھی جو پہلے آنحضرتؐ کے بھوپھی زاد بیٹے عبداللہ بن جحش کی بیوی تھی۔ اس نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ ہجرت کی۔ شوہر حبشہ میں فوت ہو گیا تو ہجرت کے ساتویں سال حضورؐ نے اُم حبیبہ کے ساتھ نکاح کر لیا۔

البتہ عمرو عاص اپنے دوست کو بہترین شخص سمجھتا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو یا اپنے بیٹے عبداللہ کو خلیفہ بنانے کی جستجو میں ہے اور میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ وہ تمہیں اپنے سے زیادہ خلافت کا حق دار نہیں سمجھتا۔ ان باتوں نے معاویہ کو پریشانی کے سمندر میں غرق کر دیا۔

حکمین کی آپس میں گفتگو

جب حکمین تبادلہ خیال کے لیے جمع ہوئے تو ابوموسیٰ اشعری نے کہا: کیا اُمت کی مصلحت اور خدا کی رضا میں تم میرے ساتھ راضی ہو؟

ابوموسیٰ اشعری کی بزرگی اور احترام کو مد نظر رکھتے ہوئے عمرو عاص نے کہا: آپ کو مجھ سے پہلے آنحضرتؐ کی صحبت کا فخر حاصل ہوا ہے اور آپ کی عمر بھی مجھ سے زیادہ ہے۔

ابوموسیٰ اشعری نے کہا: عبداللہ بن عمر کو حکومت دینی چاہیے کیونکہ اس نے جنگ صفین کے کسی معرکہ میں دخل اندازی نہیں کی۔

عمر و عاص نے کہا: معاویہ سے کیوں غافل ہو؟
ابوموسیٰ نے کہا: معاویہ اس منصب کے لائق نہیں ہے اور اس کام سے مناسبت نہیں رکھتا؟

عمر و عاص نے کہا: کیا عثمان کی مظلومت بھری موت کا تمہیں علم نہیں ہے؟

ابوموسیٰ اشعری نے کہا: ہاں اس کا تو مجھے پتہ ہے۔

عمر و عاص نے کہا اگر لوگ کہیں کہ معاویہ کو حکومت کیوں دی ہے تو قتل عثمان تمہارے لیے عذر ہوگا۔ تم کہنا کہ میں نے اسے عثمان کا ولی پایا اور اس کے بارے میں ارشاد پروردگار ہوتا ہے:

”جو شخص مظلومیت کے ساتھ قتل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے خون کی تحقیق کرنے والوں کے لیے جہت قرار دیتا ہے۔“ (سورہ بنی اسرائیل)

عمر وعاص نے کہا: آپ مجھ سے بزرگ اور برتر ہیں آپ نے مجھ سے پہلے ہجرع کی۔ میں آپ سے مقدم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ پہلے ابو موسیٰ اشعری منبر پر گیا اور خداوند کی حمد و ثنا کے بعد کہا:

”اے لوگو! ہم ایسے کام کی طرف متوجہ ہوئے ہیں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس اُمت کے درمیان محبت قائم فرمائے گا اور اُمت کی اصلاح ہوگی اس سے بہتر کوئی فیصلہ نہیں کہ ہم ان دونوں کو خلافت سے جدا کرتے ہیں اور یہ کام شوریٰ پر چھوڑتے ہیں۔ لوگ جس کسی کو بہتر جانیں منتخب کر لیں۔ لہذا میں علیؑ اور معاویہؓ دونوں کو خلافت سے الگ کرتا ہوں۔ اب تم جسے چاہو اپنے لیے خلیفہ نامزد کر سکتے ہو۔

فیصلہ کے بعد حکمین کا ایک دوسرے کو گالی دینا

یہ کہہ کر ابو موسیٰ اشعری منبر سے اُتر آیا تو عمرو عاص منبر پر گیا۔ اس نے خداوند تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہا:

”اس شخص نے جو کچھ کہا ہے آپ نے سن لیا ہے اس نے اپنے سہ سالار (علیؑ) کو خلافت سے الگ کر دیا ہے میں بھی اس کے سالار (علیؑ) کو خلافت سے الگ کرتا ہوں اور معاویہؓ کی خلافت کے جاری رہنے کا اعلان کرتا ہوں کیونکہ اس نے امیر المؤمنین حضرت عثمان کے خون کا انتقام لینا ہے اور سب سے زیادہ خلافت کا حقدار بھی ہے۔“

یہ سن کر ابو موسیٰ اشعری نے عمرو عاص سے کہا: ”خدا تجھے نیکی کی توفیق نہ دے۔ تم نے یہ کیا کہا ہے۔ تم نے میرے ساتھ فریب اور دھوکا کیا ہے۔ تیری مثال تو اس کتے کی سی ہے کہ جس پر حملہ کیا جائے تب بھی وہ بھونکتا ہے اور اگر حملہ نہ کیا جائے تب بھی وہ بھونکتا ہے۔ (سورہ اعراف آیت ۱۷۵)

عمر وعاص نے کہا: تیری مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر چند کتاہیں لا دوئی جائیں تو وہ عالم نہیں بن جاتا۔ (بسطابق سورہ جمعہ آیت ۶)

کرنے لگے ایک دوسرے کے خلاف تلواریں اور نیزے لے کر آگئے۔ جگ روک کر انہوں نے مجھے اور تجھے فتنہ ختم کرنے کے لیے منتخب کیا ہے اور اب پھر سے انہیں فتنہ میں ڈالنا چاہتے ہو؟

عمر وعاص نے کہا: تمہاری کیا رائے ہے؟ اور اب کیا کیا جائے؟

ابو موسیٰ اشعری نے کہا: میرا خیال یہ ہے کہ معاویہؓ اور علیؑ دونوں کو خلافت سے الگ کر دیا جائے اور لوگوں سے کہا جائے کہ تم آزاد ہو جسے چاہو مصلحت کا خیال رکھتے ہوئے خلیفہ نامزد کر لو۔

عمر وعاص نے کہا: میں اس کام پر راضی ہوں اور یہ وہ کام ہے کہ جس میں لوگوں کی مصلحت کا راز مضمر ہے۔ جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو ابن عباسؓ ابو موسیٰ اشعری کے پاس آیا اور اس سے تنہائی میں ملاقات کی اور کہا: اے ابو موسیٰ! تم پر افسوس ہے کہ تجھے عمرو عاص نے دھوکے میں ڈالا ہے اور جس چیز پر تم نے اتفاق رائے کیا ہے پہلے عمرو عاص سے کہو کہ اس کا اعلان کرے۔ تم اس کے بعد اپنی رائے کا اظہار کرنا کیونکہ عمرو عاص دھوکا باز شخص ہے۔

تم نے جو خلوت میں پروگرام بنایا ہے مجھے اس بات کا اعتبار نہیں ہے کہ جب تم پہلے اعلان کر چکو تو وہ بعد میں وہی اعلان کرے بلکہ وہ تمہارے خلاف بات کرے گا۔

ابو موسیٰ نے کہا: ہم نے ایسے کام پر موافقت کر لی ہے کہ اگر خدا نے چاہا تو ہم میں سے کوئی بھی اس کی مخالفت نہیں کرے گا۔

حکمین کی رائے کا اعلان

دوسرے روز یہ دونوں حکم اس شہر کی جامع مسجد میں آئے۔ دوسرے لوگ بھی جمع ہو گئے۔ ابو موسیٰ اشعری نے فیصلہ سننے کے لیے عمرو عاص سے کہا کہ منبر پر جا کر اپنی رائے سے لوگوں کو آگاہ کرو۔

جنگ نہروان / جنگ خوارج

(مارقین یعنی منافقوں سے جنگ)

خارجیت

خارجیت کے جراثیم رسول خدا کے زمانے ہی میں پیدا ہو گئے تھے جو اندر ہی اندر بڑھتے اور پھیلنے لگے۔ یہ لوگ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام ہی کے خلاف سازشیں کرتے اور تحریکی کارروائیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ان کی گستاخوں کا یہ عالم تھا کہ رسول اکرم کی دیانت و عدالت پر بھی حملہ کرنے سے نہ چوکتے تھے۔ غزوہ حنین کا مال غنیمت جب رسول پاکؐ نے وادی ہجرانہ میں تقسیم فرمایا اور نو مسلموں کی دل جوئی کے لیے اپنے قس کے حصہ میں سے انہیں اوروں کی نسبت زیادہ دیا تو اس گروہ کے ایک فرد ذوالخویصرہ حمی نے گستاخانہ لہجے میں آنحضرتؐ سے کہا: آپ عدل و انصاف کریں جس پر آپ نے فرمایا: میں عدل نہیں کروں گا تو کون کرے گا؟“ (بخاری ج ۳ ص ۱۳۴)

یہ جنگ حضرت علیؑ نے خوارج کے خلاف لڑی اور صفر ۳۸ھ میں نہروان کے مقام پر لڑی گئی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان

”اگر تم میں سے کوئی ان کی نمازوں کے مقابلہ میں اپنی نمازوں کو ان کے روزہ

شرح کا عمرو عاص پر حملہ

اس وقت شرح بن ہانی نے عمرو عاص پر حملہ کر دیا اور اس کے منہ پر تازیانہ مارا۔ لوگوں نے انہیں ایک دوسرے سے جدا کیا۔ شرح کہتا تھا: مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا کہ میں نے اس دن تازیانہ کے بجائے تلوار کیوں نہ ماری۔ ابوموسیٰ نے اپنے آپ کو وہاں سے بحفاظت باہر نکالا اور اپنی سواری پر سوار ہو کر کھچلا گیا۔

ابن عباس نے کہا: خدا ابوموسیٰ اشعری سے اپنی رحمت کو دور کرے۔ میں نے اسے پہلے سے متنبہ کیا تھا لیکن اس نے میری ایک نہ سنی اور اس دھوکا باز پر اعتماد کر لیا۔

ابوموسیٰ اشعری نے بھی کہا: ابن عباس نے تو مجھے اس کے مکرو فریب سے آگاہ کیا تھا، لیکن میں نے اس پر اعتماد کیا اور مجھے عمرو عاص سے یہ امید نہ تھی کہ وہ ایک شے کو مسلمانوں کی بھلائی پر ترجیح دے گا۔

شامیوں کا معاویہ کی بیعت کرنا

عمرو عاص کے اعلان کے بعد شامی جو وہاں موجود تھے معاویہ کے پاس گئے اور سلام کرنے کے بعد خلیفہ کے عنوان سے بیعت کر لی۔

ابن عباس اور شرح بن ہانی اور جو ان کے ہمراہ تھے حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ سنایا۔ سعید بن قیس ہمدانی اٹھا اور کہا: بخدا اگر ہم ہدایت اور اتحاد کی راہ میں اکٹھے ہو جائیں تو اب جو ہماری بصیرت وین میں ہے اس سے زیادہ ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسی قسم کے الفاظ پر مشتمل بات چیت کی۔



اٹھار کفر ہے۔ جو ایسی رضایت کا اظہار کرے وہ کافر ہے اور اس کا خون مباح ہے مگر یہ کہ وہ تائب ہو جائے۔ یہ ایک ایسا نتیجہ تھا جس کے مقدمات بے بنیاد تھے اور انہوں نے ایک ایسی عمارت بنا رکھی تھی جس کے ستون (قطعاً) کمزور تھے۔

حضرت علیؑ نے ان بداندیش منافقوں سے جنگ کی جس میں ان کے ہزار ہا لوگ قتل ہوئے۔ اس موقع پر حضرتؑ نے نہایت بے باکی سے فرمایا:

”میں ہی وہ ہوں جس نے فتنہ و فساد کی آنکھ پھوڑ دی اور فتنہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔“ ☆

خارجی

جب صفین حضرت علیؑ اور ان کے اصحاب و احباب کی فتح پر ختم ہونے والی تھی کہ معاویہ اور اس کے دوستوں نے حکم والی چال چلی اور اس جنگ کا خاتمہ ابو موسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص کی حکیم پر ہوا۔

جب عراق کے لوگ حکمین کی رائے سے واقف ہوئے تو خارجیوں نے ایک دوسرے کے پاس جا کر وعدہ کیا کہ سب عبداللہ بن وہب راہی کے پاس جمع ہوں۔ سب سے پہلے عبداللہ بن وہب نے تقریر کی:

”اے میرے بھائیو! دنیا کی متاع قلیل اور بے اہمیت ہے۔ دنیا کی جدائی نزدیک ہے۔ ایک دوسرے کا ساتھ دے کر خروج کریں اور حکیم کے خلاف اپنی آواز بلند کریں۔ ان دونوں میں سے کسی کو بھی سوائے خدا کے حکم اور فیصلے کا حق نہیں ہے۔ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو حقیقی اور نیکوکار ہیں۔“

اس کے بعد حمزہ بن سیار نے تقریر کی اور اپنے خیالات کا یوں اظہار کیا:

”یہ نبیؐ اللہ کے خطبہ نمبر ۹۳ کا ایک جملہ ہے (فانی قفات عین الفتنہ) میں نے فتنہ کی آنکھ کو دبا دیا

کے مقابلہ میں اپنے روزوں کو دیکھے گا تو اپنی نمازوں اور روزوں کو پست و حقیر خیال کرے گا۔ (لیکن) یہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار کو چیر کر نکل جاتا ہے۔“ (بخاری، ج ۴، ص ۱۳۴)

یہ لوگ بظاہر شعائر اسلام اور احکام دین کے پابند اور روزہ، نماز اور تلاوت قرآن کے دلدادہ تھے مگر اسلام کی روح سے نا آشنا اور دین کی حقیقت سے بے خبر تھے۔

پیغمبر اسلامؐ کا ایک اور ارشاد گرامی

”میری امت دو فرقوں میں بٹ جائے گی اور ان دو میں سے ایک اور فرقہ نکل کھڑا ہوگا جس کے لوگ سرمند وائے موغھیں کھائے اور پتھلیوں تک تہبند باندھے ہوں گے۔ وہ قرآن کی تلاوت کریں گے مگر قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور انھیں وہ شخص قتل کرے گا جو مجھے اور اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔ (تاریخ بغداد، ج ۱، ص ۱۶۰)

منافقت اور منافقین

اسلام میں منافقوں کو کافروں سے بھی بدتر قرار دیا گیا۔ وہ ظاہری طور پر خود کو مسلمان، اللہ اور اُس کے رسولؐ کے پیرو و مطیع اور قرآنی تعلیمات کے تابع کہتے ہیں لیکن اُن کے دلوں میں خباثت اور شرارت ہوتی ہے۔ تاریخ اسلام میں مسلمانوں کو ہمیشہ سب سے زیادہ خطرہ منافقوں کی طرف سے لاحق رہا ہے۔ حضرت علیؑ نے بھی اپنی خلافت ظاہری کی تیسری جنگ منافقین سے لڑی جو کافروں سے بھی بدتر تھے۔

یہ منافقین و منافقین تاریخ اسلام میں خارجی کے نام سے معروف ہوئے۔ انہوں نے جب صفین کے بعد امام علیؑ علیہ السلام کے خلاف قیام کیا، ان کی کج فہمی، جہالت اور سادہ اندیشی نے انہیں اس غلط طرز فکر میں مبتلا کر دیا کہ حکمین کی بات پر رضامندی کا

میں ان کے ساتھ تھلاڑوں گا یہاں تک کہ جامِ شہادت نوش کر کے اپنے خدا سے ملاقات کروں۔“

جب عبداللہ بن خثعم نے ان لوگوں کی گفتگو سے جانکاری کی تو اپنے جذبات کا چند لفظوں میں یوں اظہار کیا۔ یہ شخص پارسا، طاقتور اور سپاہیانہ لباس میں رہنے والا تھا:

”اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر لعنت کرے جو معصیتِ خدا کو اپنے گوشت اور ہڈیوں کو پارہ پارہ کرنے سے آسان سمجھتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے غصہ و غضب کا سبب بنتا ہے۔ اے بھائیو! تم اس کام میں رضائے خدا کو چاہو۔ جنہوں نے اللہ کے حکم سے سرتابی کی ہے اُن سے دشمنی کرو اور اُن سے جنگ کے لیے خروج کرو۔ ان کے چہروں کو تلواروں سے جھکا کر اطاعتِ خدا پر مجبور کرو۔ اللہ تمہیں اُن لوگوں کے انجام سے فائدہ کا درس دیتا ہے جو اطاعتِ خدا اور رضائے خدا کو حاصل کرنے کے لیے انجام دیتے ہیں اور حقوقِ اللہ کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر تم کامیاب ہو جاؤ تو غنیمت جانو اور اگر مغلوب ٹھہرو تو جنت میں جانے سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔“

اس کے بعد سب لوگ پراگندہ ہو گئے۔ دوسرے دن عبداللہ بن وہب اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ شریعتِ بن ابی اوفی عسی کے گھر گیا یہ خارجیوں میں بلند مقام رکھتا تھا۔ عبداللہ خدائے متعال کی حمد و ثنا کرتے ہوئے گویا ہوا:

”ان دونوں حکم (حکمین) نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کیا اور ہمارے جو بھائی ان کی حکمت پر راضی ہوئے وہ کافر ہو چکے ہیں۔ انہوں نے دین میں سب لوگوں کی حکمت کو قبول کر لیا ہے۔ جبکہ ہم ان سے نکل آئے ہیں۔ حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے کہ

”صحیح رائے یہ ہے کہ جس کا تم نے معصم ارادہ کر لیا ہے اور جو کچھ تم نے کہا ہے حق بھی اس کے ہمراہ ہے۔ لیکن اپنی خلافت ایک پیشوا کے حوالے کریں اور اسے پرچم دیں کیونکہ اس کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔“

چنانچہ ان لوگوں نے خلافت کے لیے یزید بن نعیم سے کہا: یہ سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار تھا لیکن اس نے پیشوائی کا عہدہ قبول نہ کیا۔ اس کے بعد امن ابی اوفی عسی سے کہا گیا لیکن اس نے بھی یہ منصب قبول نہ کیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن وہب راسبی کی باری آئی۔ جب اُسے کہا گیا تو اس نے کہا: بخدا میں اسے دنیا کے لیے قبول نہیں کرتا اور نہ ہی موت سے فرار کے لیے بلکہ زیادہ ثواب کی اُمید سے قبول کرتا ہوں۔

عبداللہ نے اپنا ہاتھ دراز کیا۔ تمام خارجی کھڑے ہو گئے اور اس کی بیعت کی۔ بعد ازاں وہ خود کھڑا ہوا اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد خطبہ دیا:

”اللہ تعالیٰ نے ہم سے اہم عہد کیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو۔ ہمیں کہا گیا ہے کہ حق کے معتقد رہو اور حق بات ہی کہو اور حق کی راہ میں جہاد کرو۔ جو اللہ کی راہ سے گمراہ ہو جائیں اُن کے لیے شدید عذاب ہے۔“ (سورۃ ص، آیت ۲۶)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ”ہر وہ شخص جو خدا کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ تباہ کار ہے۔“ (سورۃ مائدہ، آیت ۴۷)

میں گواہی دیتا ہوں کہ جن لوگوں کو قرآن کے مطابق حکم کے بارے میں کہا گیا تھا انہوں نے اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کیا ہے اور ہوائے نفس کی پیروی کی ہے۔ چنانچہ ان کے ساتھ جنگ کرنا حق ہے۔ بخدا اگر ان کے ساتھ جنگ میں میرا کوئی بھی مددگار نہ ہوا تو

اشخاص کو حکم بتایا لیکن انہوں نے کتاب خدا اور سب سے رسولؐ کے برعکس فیصلہ کیا ہے لہذا وہ کافر ٹھہرے اور راہِ راست سے منحرف ہو گئے۔ اسی سبب ہم ان سے جدا ہو چکے ہیں اور ہم نے باہم عہد کیا ہے اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ہم نہروان کے پل کے پاس اکٹھے ہو چکے ہیں تم بھی وہاں آ جاؤ۔ اللہ تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ اپنی عاقبت درست کرو اور ثواب وارین حاصل کرو۔ ایک دوسرے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔ حدین اور امین لوگوں میں سے ایک شخص حاضر خدمت ہے۔ اگر کچھ پوچھنا چاہو تو اس سے پوچھ لو۔ نیز اپنی رائے اور ارادے سے آگاہ کریں۔ والسلام“

یہ خط عبداللہ بن سعد عسی کے ہاتھ روانہ کیا گیا۔ وہ خط لے کر بصرہ گیا۔ خط دوستوں کو پہنچایا اور اسے پڑھا اور اس کا جواب لکھا گیا:

”ہم عنقریب آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔“

اس کے بعد سب خارجی ایک ایک کر کے اور کچھ دو دو ہو کر شہر کوفہ سے باہر نکلے۔ یزید بن حصین طائی اپنی سواری پر سوار ہو کر شہر سے باہر آیا اور اس نے کہا: خدا مجھے ستم کار لوگوں سے نجات دے۔ جب مدائن کی طرف متوجہ ہوا تو کہا: شاید کہ میرا پروردگار مجھے راہِ راست کی ہدایت کرے۔“ (سورہ قصص، آیہ ۲۰)

وہ فاصلہ طے کرتے کرتے سیبستان مقام پر پہنچا۔ وہاں اس کے بہت سے ساتھی موجود تھے جو اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ ان میں سے ایک زید بن عدی بن حاتم تھا۔ عدی اپنے اس بیٹے کو تلاش کرنے کے لیے اس کے پیچھے نکلا یہاں تک کہ مدائن آ پہنچا، لیکن پھر اپنے بیٹے تک نہ پہنچ پایا۔ چنانچہ حضرت علیؑ کے مقرر کردہ مدائن کے گورنر کے پاس پہنچا۔

☆ سیب پانی کی جگہ کو کہتے ہیں۔ کئی جگہوں کا نام ہے جو کوفہ بصرہ خوارزم میں ہیں۔

(جس کے کرم سے) ہم ایسے لوگ حق پر ہیں۔“

شرع نے کہا: اپنے ساتھیوں کو علیؑ کے خلاف خروج سے پہلے آگاہ کیجیے اور ہمیں بھی اپنے ہمراہ لیتے جانا، حتیٰ کہ مدائن پہنچ جائیں۔ وہاں پہنچ کر اہل بصرہ کو پیغام دیجیے گا کہ ہمارے پاس آؤ اور ہم سے محمد اور ہم دست ہو جاؤ۔

حصین بن طائی نے کہا: اگر تم سب خروج کرو تو تمہارے مخالف پیچھے آ جائیں گے، لہذا تم ایک ایک کر کے اور چھپ چھپ کر نکلو۔ مدائن میں ایسے لوگ ہیں کہ وہ اس شہر کا دفاع کریں گے۔ آپس میں ملے کر وہ سب نہروان کے پل کے پاس جمع ہوں اور وہیں ٹھہریں۔ پھر وہاں سے بصریوں کو خط لکھو کہ وہ بھی نہروان کے پل کے پاس آ کر اکٹھے ہو جائیں۔

سب نے کہا یہ رائے صحیح ہے اور اس پر مکمل اتفاق کر لیا۔ انہوں نے اپنے تمام ساتھیوں کو مطلع کیا۔ سب کے سب فرودا کوفہ سے نکلنے پر آمادہ ہو گئے۔ پھر بصرہ کے خارجیوں کی طرف خط لکھا گیا۔

خارجیوں کا اہل بصرہ کے نام خط

”یہ خط عبداللہ بن وہب، یزید بن حصین، قوس بن زہیر اور شرع بن ابی اوفیٰ کی طرف سے تمام مسلمانان بصرہ کے نام ہے۔ تم پر ہمارا سلام! ہم اس خدا کی عبادت کرتے ہیں کہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی زیادہ محبوب ہے جو اس کی کتاب پر زیادہ عمل کرتا ہو۔ نیز اس کی اطاعت اور راہِ حق پر زیادہ ثابت قدم ہو، اور سب سے بڑھ کر (وہ ہے) جو اس کی رضا کو پانے کے لیے جہاد کرے۔

ہمارے ساتھیوں نے کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے دو

ایک خوارج یا جنگ نہروان

ان دنوں حضرت عبداللہ بن عباس بصرہ کے گورنر تھے۔ جب انہیں بصرہ کے خارجیوں کے خروج کی خبر ہوئی تو انہوں نے ابو الاسود دہلی کو ایک ہزار سواروں کی کمان سونپ کر خارجیوں کی تلاش میں روانہ کیا۔ انہوں نے یل شومر پر خارجیوں سے رات کے اندھیرے میں ملاقات کی۔ خارجی ان لشکریوں سے بچ کر بھاگ جانے میں کامیاب ہوئے۔ ان کا کام یہ تھا کہ راستے میں جس سے ملتے اُس سے حکمین کے بارے میں رائے طلب کرتے۔ اگر وہ حکمین سے اظہار برأت کرتا تو اُس کی جان بخشی کر دیتے ورنہ موت کے گھاٹ اتار دیتے۔

خارجی سفر کرتے کرتے دجلہ کے کنارے پہنچے اور دجلہ کے قریب صریقین عراق کے ایک بہت بڑے گاؤں سے گزرے اور نہروان پہنچے۔

خارجیوں کے لیے حضرت علی کا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بندۂ خدا امیر المومنین علی (ابن ابی طالب) کا خط عبداللہ بن وہب راسخی یزید بن حکیم اور دیگر کے نام:

”تم پر سلام ہو جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے فیصلہ کے لیے دو اشخاص کو منتخب کیا ہوا تھا اور انہوں نے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کر دیا ہے (یوں) خدا کو چھوڑ کر ہوائے نفس کی اتباع کی ہے چونکہ انہوں نے قرآن اور سنت رسول کے مطابق فیصلہ نہیں کیا لہذا ہم اُن سے اظہار برأت کرتے ہیں (البتہ) ہم اپنی پہلے والی بات پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ خدا تم پر اپنی رحمت نچھاور کرے میرے پاس واپس چلے آؤ تاکہ ہم سب مل کر دشمن کے ساتھ جنگ کے لیے

اس وقت مدائن کا گورنر سعد بن مسعود ثقفی تھا اور خارجی اس سے دور تھے۔

ادھر عبداللہ بن وہب بھی رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کوفہ سے نکلا۔ کوفہ کے باہر اس کے ساتھی اس سے مل گئے اور وہ ایک گروہ کی صورت اختیار کر گئے۔ اس گروہ نے انبار کے راستہ کو منتخب کیا جو فرات کے بائیں جانب عراق کے شمال مشرق میں واقع ہے اور بغداد سے بارہ فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ وہ لوگ فرات کے کنارے کو عبور کر کے دیر عاقول پہنچے جو بغداد سے پندرہ فرسنگ کے فاصلے پر دجلہ کے ساحل پر واقع ہے۔ یہاں ان کا آنا سامنا عدی بن حاتم کے ساتھ ہوا۔ عدی کوفہ جا رہا تھا۔ عبداللہ نے چاہا کہ عدی کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے مگر عمرو بن مالک نبھائی اور بشیر بن یزید بولانی جو خارجیوں میں شامل تھے نے عبداللہ کو منع کیا کہ عدی کے سامنے کسی قسم کا اظہار نہ کرنا۔

سعد بن مسعود ثقفی نے اپنے بیٹے عمار بن ابی عبید کو مدائن میں اپنا نائب بنایا اور عبداللہ بن وہب کے پیچھے مدائن سے باہر آیا۔ غروب آفتاب کے قریب بغداد کے کرخ نامی مقام پر ان کی ملاقات ہوئی۔ سعد کے ہمراہ پانچ سو سوار تھے اور خارجی فقط تیس آدمی تھے۔ دونوں ایک دوسرے پر ایک گھنٹہ تیر چلاتے رہے۔ سعد کے ساتھیوں نے کہا: اے امیر ان کے ساتھ جنگ کرنے سے کیا مقصود ہے حالانکہ ان کے بارے میں تو حضرت علی سے کسی قسم کا حکم نہیں آیا ہے۔ انہیں چھوڑ دو اور امیر المومنین کی طرف خط لکھو اور ان کی کارگزاری سے آگاہ کرو۔ سعد بن مسعود نے انہیں چھوڑ دیا۔ عبداللہ بن وہب بغداد آیا اور شہر کے کسانوں سے کہا کہ ہمارے آگے جانے کا انتظام کر دو۔ بغداد کے کسانوں نے اُن کے لیے وسائل مہیا کر دیئے۔ عبداللہ بن وہب وہاں سے خوخی پہنچا اور وہاں سے نہروان جا کر دیگر خارجیوں سے جا ملا۔ وہاں ان کے ہم عقیدہ اور ہم فکر بصری بھی ان سے آئے جن کی تعداد پانچ سو تھی۔

چنانچہ عبداللہ بن عباس سات ہزار بہادر شہسواروں کا لشکر لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب کارواں چلنے لگا تو خارجیوں کے ظلم و ستم کی ایک دروناک خبر پہنچی کہ خارجیوں نے عبداللہ بن خطاب اور اس کی بیوی کو راستہ میں دیکھا اور ان سے پوچھا کہ کیا تم حکمین کے فیصلے پر خوش ہو؟ جب انہوں نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا تو دونوں کو قتل کر دیا گیا۔ اسی طرح اُمّ ستان صدادی کو بھی قتل کر دیا گیا ہے۔ وہ راہ چلتے لوگوں کا راستہ روک کر یہ پوچھتے ہیں اور انہیں ہلاک کر دیتے ہیں۔

جب مولا امیر المومنینؑ کو یہ اطلاعات موصول ہوئیں تو آپؑ نے حارث بن عدہ نقعی کو بھیجا کہ ان کی خبر لائے۔ خارجیوں نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ جب یہ خبر ملی تو لوگوں نے حضرتؑ سے عرض کیا: اے امیر المومنینؑ! کیا انہیں گمراہی پر چھوڑ کر آگے جانے کا ارادہ ہے اور یہ اسی طرح زمین پر جا ہی پھیلاتے رہیں گے اور اپنی تلواروں کے تل بوتے پر لوگوں کے راستے بند کرتے رہیں گے۔ ہمیں ان کی طرف جانا چاہیے۔ انہیں اپنی اطاعت اور پیروی کے بارے میں کہیں۔ اگر وہ آپؑ کی باتیں قبول فرمائیں تو اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتے ہے اور اگر وہ بات کو قبول نہ کریں تو ان کے ساتھ جنگ کریں اور ان سے اُمت کی جان خلاصی کروا کر ہی شام جائیں۔

حضرت علیؑ کی نہروان کی طرف روانگی

اس صورتِ حالات میں حضرت علیؑ نے لوگوں کو کوچ کا حکم دیا اور نہروان کی طرف حرکت کی۔ آپؑ اپنے لشکر سمیت خارجیوں سے ایک کوس کے فاصلے پر ٹھہر گئے اور قیس بن سعد بن عبادہ اور ابویوب انصاری کو ان کے پاس بھیجا۔ وہ ان کے پاس گئے اور پکار پکار کر کہا: اے بندگانِ خدا تم نے بڑا گناہ کیا ہے تم نے لوگوں کو بہت تنگ کیا ہے اور انہیں غلّ بھی کیا ہے اور دوسرا یہ کہ ہمارے بارے میں مشرک ہونے کی گواہی دے رہو۔ حالانکہ مشرک بہت بڑا گناہ ہے۔ لیکن ان ملعونوں کے کان پر جوں نہ رہیگی۔

متحرک ہوں اور اس وقت تک جنگ کریں جس وقت تک اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہ فرما دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

جب مولائے کائنات کا خط اس کے پاس پہنچا تو اُن بد بختوں نے اس کا جواب یوں تحریر کیا:

”اما بعد! تم خدا کے لیے ناخوش نہیں ہوئے بلکہ اپنی ذات کے لیے ناخوش ہوئے ہو۔ اب اگر تم توبہ کر لو تو ٹھیک ہے کیونکہ تم بھی ان کے ساتھ خطا کار ہو گئے ہو اور اگر توبہ نہ کرو تو ہم تمہارے ساتھ اعلانِ جنگ کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ خیانت کاروں کی رہنمائی نہیں کرتا۔“

حضرتؑ نے جب اُن کج فہموں کا جوابی خط پڑھا تو اُن سے ناامید ہو گئے اور مصلحت اسی میں جانی کہ انہیں اُن کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

پھر آپؑ معاویہ کے ساتھ دوبارہ جنگ کے ارادہ کے ساتھ کوفہ سے چلے اور نخلیہ میں اپنے لشکر کا پڑاؤ کیا۔ مولائے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ شام کی طرف سفر کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میں نے تمہارے تمام بھائیوں کی طرف خط لکھ دیئے ہیں وہ آ رہے ہیں۔ جب وہ پہنچ گئے تو پھر آگے سفر شروع کریں گے۔

امیر المومنین علیؑ علیہ السلام نے اپنے تمام گورنروں کو لکھ دیا تھا کہ اپنے نائب مقرر کر کے خود ہماری طرف چلے آؤ۔ بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عباس کے نام خط میں تحریر تھا:

”ہم نخلیہ میں پڑاؤ کیے ہوئے ہیں اور ہمارا شامیوں کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ ہے۔ خط ملتے ہی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ میرے پاس پہنچ جاؤ۔ والسلام!“

تھی کہ وہ دونوں حکم قرآن کے مطابق فیصلہ کریں گے؟ کیا میں نے تمہیں پہلے ہی نہیں بتایا تھا کہ حکمیت کا موضوع شامیوں کا دھوکا اور فریب ہے اور چونکہ اس وقت تم حکمیت کے علاوہ کچھ قبول نہ کر رہے تھے تو میں نے فوراً ان پر شرط عائد کی تھی کہ قرآن نے جس چیز کو زندہ کیا ہے وہ بھی اُسے زندہ کریں گے اور جس چیز کو قرآن نے مردہ قرار دیا ہے وہ بھی اُسے مردہ کہیں گے۔ انہوں نے کتاب اللہ کی مخالفت کی ہے اور سنت رسول گو ان دیکھا قرار دیا ہے۔ نیز خواہش نفس کے تحت فیصلہ کیا ہے۔ ہم نے ان کے فیصلے کو رد کر دیا ہے۔ ہم اپنی پہلے والی حالت پر ہیں۔ اب تم بتاؤ کہ کہاں سرگرداں ہو اور کہاں سے آرہے ہو؟“

خارجیوں کا اعلان جنگ اور حضرت کو کافر قرار دینا

خارجیوں نے جواب دیا: ہم سب ان حکمین کی رائے پر رضامندی کا اظہار کر کے کافر ہو گئے تھے اور اب توبہ تابہ ہو چکے ہیں۔ اگر اب آپ بھی توبہ کر لیں تو ہم اکٹھے ہو سکتے ہیں ورنہ آپ کے ساتھ اعلان جنگ کرتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا: ”کیا تم کہتے ہو کہ میں اپنے کافر ہونے کی گواہی دوں تو اس صورت میں گمراہ قرار پاؤں اور ہدایت یافتہ نہ رہوں۔“

پھر فرمایا: ”کسی ایسے شخص کو میرے پاس بھیجو جس پر تم سب کا اتفاق رہے ہو۔ ہم آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ اگر (اس بات چیت کے دوران میں) مجھ پر حجت قائم ہو گئی تو میں توبہ کر لوں گا اور اگر حجت تم لوگوں پر قائم ہوئی تو پھر اس خدا سے ڈرو جس کی بارگاہ میں تم سب کی بازگشت ہے۔“

خارجیوں نے عبداللہ بن کواء سے کہا کہ علیؑ کے پاس جاؤ اور حجت قائم کرو عبداللہ

عبداللہ بن سخر نے جواباً کہا: یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ حق روز روشن کی طرح عیاں ہو چکا ہے۔ اب ہم تمہاری پیروی نہیں کریں گے۔ تمہاری طرف نہیں پلٹیں گے مگر یہ کہ حضرت عمر خطابؓ کی طرح کا کوئی شخص ہمارے پاس لے آؤ۔

قیس بن سعد نے کہا: ہم سوائے علیؑ کے کسی کو نہیں پہچانتے کیا تم کسی کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے انکار میں جواب دیا تو قیس نے کہا: میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں مت ڈالو کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہارے دلوں میں فتنہ پیدا ہو چکا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابویوب انصاریؓ نے بھی قیس کی طرح انہیں سمجھایا لیکن وہ کہنے لگے کہ فرض کریں ہم آج آپ کی بیعت کر بھی لیں تو کل آپ لوگ پھر ایسے ہی دو حکم بنا کر فیصلہ کروادیں گے۔

ابویوب انصاریؓ نے فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کل کے خوف سے آج فتنہ پیدا نہ کرو۔

وہ بولا اب آپ یہاں سے چلے جائیں کیونکہ ہم آپ کے خلاف اعلان جنگ کر چکے ہیں اور جو وعدے تم سے کیے تھے انہیں توڑتے ہیں۔ چنانچہ یہ دونوں معزز حضرات حضرت علیؑ کے پاس لوٹ آئے اور حضرت کو تمام صورت احوال سے آگاہ کیا۔

شیخ خدا نے اسی وقت حرکت فرمائی اور خارجیوں کے اتنے قریب پہنچ گئے جہاں سے ان کی آوازیں تک سنائی دے رہی تھیں۔ مولانا با آواز بلند فرمایا:

”اے وہ لوگو! جنہوں نے دشمنوں کو جہنم دیا ہے اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کی ہے اور حق سے دُوری اختیار کی ہے اور تبتُّجاً اشتباہ و خطا کے مرتکب ہو رہے۔ میں تمہیں گمراہی میں قدم رکھنے سے ڈراتا ہوں اور بغیر دلیل و حجت کے اپنی جانوں کو ضائع کرنے سے منع کرتا ہوں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں نے یہ شرط لگائی

حضرت علیؑ کا اعلان جنگ

اس وقت امام علی علیہ السلام نے حکم دیا کہ لوگوں میں با آواز بلند جنگ کی تیاری کا اعلان کرو کہ جنگی آلات سے لیس ہو جائیں۔ پھر حجر بن عدی کو لشکر کے مہینہ سیف بن ربیع کو میسرہ پر ابویوب انصاریؓ کو سواروں پر اور ابو قتادہ کو پیادوں پر سالار مقرر فرمایا۔ خارجی پہلے ہی جنگ کے لیے تیار تھے۔ یزید بن حصین کو مہینہ پر شریح ابن ادنیٰ کو میسرہ پر قوس بن زہیر کو پیادہ فوج پر اور عبداللہ بن وہب کو سواروں پر مقرر کیا گیا۔

جائے امان کا تعین

حضرتؑ نے لوگوں کی امان کے لیے ایک جائے امان قائم فرمائی وہاں دو ہزار سپاہیوں کو کھڑا کیا اور فرمایا: جو شخص یہاں کھڑا ہو جائے گا امان میں تصور ہوگا۔ اس کے بعد دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو فردہ بن نوفل اُجمی نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ”اے میری قوم ہم خدا کی قسم نہیں کھاتے کیونکہ علیؑ سے جنگ کر رہے ہیں اور ہمارے پاس اس کے خلاف جنگ پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ اے (میری) قوم! واپس چلے جاؤ یہاں تک کہ واضح ہو جائے کہ ہمیں جنگ کرنا ہے یا جھڑی۔“

عدم جواب کی صورت میں فردہ نے اپنے ساتھیوں کو چھوڑ دیا اور پانچ سو افراد کو ساتھ لے کر میدان جنگ سے باہر نکل گیا اور بنی نجین کی طرف چل دیا جو آج کل بغداد کے قریب عراق کا ایک پہاڑی شہر ہے (کچھ مؤرخین کے مطابق اُس نے یہ فیصلہ حضرت ابویوب انصاریؓ کے خطاب کے بعد کیا تھا)۔

اشع الثاسؓ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ”ان کے ساتھ اس وقت تک جنگ نہ کرنا جب تک یہ جنگ میں جاہل نہ کریں۔“

خارجیوں نے نعرہ بلند کیا: ”حکم کا حق فقط اللہ تعالیٰ کو ہے اگرچہ یہ بات مشرکوں کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔“

ابن کواء کا ان کے بزرگوں میں شمار ہوتا تھا۔ ابن کواء حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرتؑ نے خارجیوں سے خطاب فرمایا: کیا تم اس پر راضی ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں۔

حضرتؑ نے فرمایا: خدایا گواہ رہنا تو بہترین گواہ ہے۔ پھر لسان اللہ گویا ہوئے: ”اے ابن کواء! پہلے تو تم میری حکومت پر راضی تھے اور تم نے میری ہمرای میں معاویہ سے جنگ بھی کی۔ اب میری کس بات نے تمہیں مجھ سے دور کر دیا ہے؟ جنگِ جمل میں مجھ سے چیز ا کیوں نہ ہوئے؟“

ابن کواء نے کہا: اس وقت حکمیت والا موضوع موجود نہ تھا۔ جنتِ خدا نے فرمایا: کیا حکم اس وقت کافر تھا جب میں نے اُسے بھیجا تھا یا جس وقت اُس نے فیصلہ کیا تھا؟

ابن کواء نے کہا: جس وقت اُس نے رائے دی اس وقت کافر ہوا۔ مولاً نے فرمایا: ابھی تم نے کہا کہ جس وقت میں نے اُسے بھیجا تھا وہ مسلمان تھا کافر بعد میں ہوا۔ اب بتاؤ کہ اگر رسولؐ خدا لوگوں کی ہدایت کے لیے کسی کو بھیجیں تو وہ وہاں جا کر کافر ہو جائے تو کیا یہ رسولؐ خدا کا گناہ ہے یا اُس شخص کا؟ اس نے کہا: رسولؐ خدا کا کوئی گناہ نہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: تم پر انہوں سے بالفرض وہ گمراہ ہو گیا ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ کیا تمہارے لیے درست ہے کہ ایومویٰ اشعری کا بہانہ کر کے قتل و غارت گری کا بازار گرم کرو؟“

جب خارجی اکابر نے یہ بات سنی تو ابن کواء سے کہا: واپس چلے آؤ اور اس کی باتوں کو بھلا دو۔ چنانچہ حضرتؑ بھی اپنے اصحاب کے پاس واپس لوٹ آئے اور وہ لوگ ویسے کے ویسے اپنی گمراہی پر قائم رہے۔

ہیں۔ ہمیں اپنے شہر واپس لے چلے تاکہ جنگ کے بہترین ساز و سامان کے ساتھ تیار ہو سکیں۔“

جب حضرت علیؑ نے دیکھا کہ میرے اصحاب شامیوں کے ساتھ جنگ کرنے کے بجائے سُستی اور کمزوری کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور پھر ادھر سے یہ خبر سنی کہ معاویہ کے ساتھ شہر انبار تک آ گئے ہیں اور شہر میں گھس کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا ہے تو مولاً نے ایک خط لکھ کر ایک شخص کے حوالے کیا اور اُسے کہا کہ یہ خط نماز جمعہ کے اجتماع میں پڑھ کر سنانا (نسخ البلاغہ، خط نمبر ۷۷، بعض کے مطابق حضرت نے اسے خود بیان فرمایا)۔

حضرت علیؑ کا شیعوں کے نام خط

وہ خط یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”بندۂ خدا امیر المؤمنین اور اہل کونہ کی طرف سے اپنے شیعوں کی طرف۔ تم پر سلام ہو! ابعد! جہاد ابواب جنت میں سے ایک باب ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنے خاص دوستوں کے لیے کھولا ہے۔ یہ لباس ہے تقویٰ و پرہیزگاری کا، خدا کی حسین (مضبوط) زرہ اور وثیق پیر ہے جو اس سے نفرت کرے حق تعالیٰ اس کو ذلت و ہوان کا ثوب پہناتا ہے اور آفت و بلا میں مبتلا کرتا ہے۔ ایسا شخص خواری و فضیحت کھینچتا ہے اور رنج و مصیبت جھیلتا ہے۔ دشمن اس پر غالب آتے ہیں اور انصاف سے محروم رہتا ہے۔ تحقیق میں نے روز و شب خفیہ و علانیہ تم کو دعوت دی کہ اس قوم کے ساتھ جنگ کرو، قتل اس کے کہ وہ تمہارے ساتھ جنگ کریں۔ بخدا کسی قوم نے اپنے گھر کی دیوار کے نیچے لڑائی نہیں کی مگر یہ کہ وہ ذلیل ہوئی۔ مگر تم

اور پھر حضرتؑ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ ان کے حملہ کی شدت کے سبب حضرتؑ کے سپاہی ثابت قدم نہ رہ سکے۔ پھر خارجی دو حصوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک گروہ یمینہ اور دوسرا یمسرہ پر حملہ آور ہوا۔ حضرتؑ کے اصحاب بھی حملہ آور ہوئے۔ آپؑ کے صحابی قیس بن معاویہ بزحیٰ نے شریح ابن اونی پر حملہ کیا اور نکوار کا وار کر کے اس کے پاؤں کو کاٹ دیا۔ شریح نے کٹے پاؤں کے ساتھ بھی جنگ جاری رکھی اور آواز بلند کی:

”نراؤنٹ اپنے بندھے ہوئے پاؤں کے ساتھ اپنی مادہ کا دفاع کر رہا ہے۔“

اتنے میں قیس بن سعد نے اس پر حملہ کر کے اسے واصل جہنم کر دیا۔ یوں تمام خارجی حضرتؑ کے سپاہیوں کے ہاتھوں کینجا قتل ہو گئے۔

حقوق انسانی کے علم بردار اعظم اور لشکر حق کے سپہ سالار معظمؑ نے حکم نامہ جاری کیا کہ جن خارجیوں کے بدن میں ذرہ بھر بھی جان ہے انہیں اپنے اپنے قبیلہ کے سپرد کر دیا جائے۔

پھر دوسرا حکم صادر فرمایا: انہوں نے جو آلات جنگ اور سواریاں دوران جنگ میں استعمال کی ہیں ان پر تصرف کر سکتے ہو اور ان آلات کو اپنے صحابہ میں تقسیم فرما دیا۔ جبکہ ان مقتولین کا بقیہ مال و اسباب ان کے ورثاء کے سپرد کر دیا گیا۔

نہروان سے کوچ اور خطاب

حضرت علیؑ نے نہروان سے کوچ کا ارادہ فرمایا تو اپنے اصحاب کو اکٹھا کر کے خطاب فرمایا:

”اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں خارجیوں پر فتح عطا کی ہے۔ اب

بغیر دیر کیے شامیوں کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔“

حضرتؑ کے اصحاب میں سے اصف بن قیس اٹھا اور کہنے لگا: ”امیر المؤمنین! ہمارے تیر ختم ہو گئے ہیں اور نکواریں کند ہو گئی ہیں اور نیزوں کی انیاں بھی خراب ہو چکی

مخدرہ فی الجبال سے بزدل ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری صورت دیکھوں بلکہ میرے اور تمہارے درمیان تعارف تک ہو۔ اس سے بجز افسوس و ندامت کے کچھ حاصل نہیں۔ تم نے میرے دل کو مدید دریم بنا دیا ہے اور میرے سینے کو غیظ و غضب سے پُر کر دیا ہے۔ مجھ کو درد و الم کے گھونٹ پینے پڑے۔ تمہاری نافرمانی نے میری رائے دندبر کو برہم کر دیا حتیٰ کہ قریش کہتے ہیں ابن ابی طالب بہادر انسان ہے مگر حسن حرب سے نا آشنا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مجھ سے بڑھ کر اس فن میں کس کو مہارت حاصل ہے اور مجھ سے زیادہ اس کا ماہر کہاں ملے گا۔ ابھی میں سال کا نہیں ہوا تھا کہ جنگ و جدال میں پڑ گیا۔ اب اسی کام میں میری عمر ساٹھ سال ہو گئی ہے لیکن جس کی اطاعت نہ کی جائے اُس کی کوئی رائے نہیں ہوتی۔“

یہ خط سننے کے بعد لوگ کہنے لگے کہ آپ ہمیں اپنے ساتھ لے چلیں۔ بخدا سوائے بدگمان لوگوں کے کوئی بھی آپ کے ساتھ جانے سے نہیں گھبرائے گا۔“

رجبہ میں پڑاؤ کا اعلان اور التوائے جنگِ شام

حضرتؓ نے جنابِ حارث ہمدانی سے فرمایا: لوگوں کے درمیان آواز لگاؤ کہ کل رجبہ میں پڑاؤ کرنا ہے لیکن صرف وہ لوگ جائیں جو صدقِ نیت کے حامل ہوں۔ دوسرے دن نمازِ فجر کے بعد حضرتؓ رجبہ پہنچے اور وہاں تین سو آدمیوں کو دیکھا۔ حضرتؓ نے فرمایا: اگر تمہاری تعداد چند ہزار تک ہو جاتی تو تمہارے بارے میں کچھ بات کرتا۔ دو دن تک وہاں رنجیدہ خاطر رہے۔ حجر بن عدی اور سعید بن قیس ہمدانی اُٹھے اور کہنے لگے: آپ لوگوں کو حرکت کرنے پر مجبور کریں اور جو خلافِ درزی کرے اُسے سزا دیں۔

نے میرا حکم نہ مانا اور لیت و لعل کر کے اسے ٹالتے رہے یہاں تک کہ اب چاروں طرف سے دشمن تم پر غارت گری کر رہا ہے تمہارے ملک کو پامال کر رہا ہے اور تمہارے قبضے سے نکال رہا ہے۔ عوف غامدی کا یہ بیٹا اخبار شہر پر لشکر لایا اور میرے عاملِ امن حسان کو قتل کیا نیز ہماری سپاہ کو ہماری سرحد سے ہٹا دیا۔ وہ ستم گر لوگوں کے گھروں میں گھس گئے اور مسلمان خواتین نیز ذی کافرات کے ہاتھ پاؤں اور کان گلے کے زیورات اُتار لیے۔ عورتیں شور و غل مچاتی رہیں لیکن کسی نے ان کی ایک نہ سنی۔ انہوں نے فریاد کی تو کوئی فریاد کو نہ پہنچا۔ پس اس نے کثیر مال لے کر دشمنی کی اور ایک آدمی بھی ان میں سے نہ مارا گیا اور نہ ہی کسی کو زخم آیا۔ اگر کوئی شخص اس حادثہ پر افسوس کرتے کرتے مر بھی جائے تو وہ قابلِ ملامت نہیں ہے بلکہ یہ اس کے لائق ہے۔ خدا کی قسم ان کا باطل پر ہونا اور تمہارا حق پر ہونا دلوں کو اور غم و الم کو زندہ کرتا ہے۔ وائے ہو تم پر کہ تم تیروں کا ہدفِ مصیبت بن گئے۔ تاراج ہوتے ہو اور کچھ بھی نہیں کرتے ہو۔ تم پر حملے کیے جاتے ہیں تم بیٹھے دیکھتے ہو ملک میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو رہی ہے اور تم اس پر راضی ہو۔ اگر تابستان (موسم گرما) میں تم سے کہتا ہوں کہ اس طرف چلو تو گری کا عذر پیش کرتے ہو اور اگر زمستان (موسم سرما) میں کہتا ہوں تو سردی کا بہانہ بنا لیتے ہو۔ پس اگر تم سردی گری سے اس طرح بھاگتے ہو تو بخدا آتشِ تیغ سے زیادہ بھاگو گے۔

اے مردِ صورتو! تم اصل میں مرد نہیں ہو بلکہ اطفالِ خرد مال اور زنان

پاس لایا گیا تو اس نے خابجہ کے خون کے بدلے اسے قتل کر دیا۔

ملعون عبدالرحمن ابن ملجم آخر ماہ شعبان میں کوفہ پہنچا اور محلہ بنی کندہ میں خوارج کے یہاں ٹھہرا۔ اس نے اپنے ارادے کو قطعی طور پر پوشیدہ رکھا۔ اسی اثنا میں اس کی ملاقات ایک خارجی عورت قطام بنت تیمیہ سے ہوئی (صاحب اخبار الطوال نے اسے قطام کی بیٹی رباب لکھا ہے) وہ اس پر فریفتہ ہو گیا اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ بے شوہر ہے تو اس سے نکاح کی خواہش کی۔ قطام کا ایک بھائی اور باپ جنگ نہردان میں مارا گیا تھا۔ وہ حضرت علیؑ سے انتقام لینا چاہتی تھی۔ ابن ملجم کی اس خواہش سے اس کے دل میں انتقام کی چنگاری بھڑک اٹھی۔ اُس نے نکاح پر رضامندی کا اظہار کر دیا مگر تین ہزار درہم ایک غلام، ایک کنیر اور علی ابن ابی طالبؑ کے قتل کی بطور حق مہر طالب ہوئی۔

شقی ابن ملجم پہلے ہی حضرتؑ کے قتل کا ارادہ کر کے آیا تھا۔ پھر بھی اُس نے استغابیہ لہجہ میں کہا: علیؑ کو قتل کرنا کوئی آسان کام ہے! قطام نے اچانک حملہ کا مشورہ دیا۔ جب ابن ملجم نے دیکھا کہ قطام اُس کی پوری طرح ہم خیال ہے تو اس نے اپنا راز اُگل دیا اور کہا کہ میں تو یہاں آیا ہی اسی ارادے سے ہوں۔ قطام نے اس کی ہمت بڑھائی اور اپنے قبیلے کے قابل اعتماد لوگوں کے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ چنانچہ اس نے وردان بن حلالہ کو اس کی مدد پر آمادہ کیا۔ ابن ملجم نے شیبہ بن بحیرہ انصاری کو اپنا معاون بنایا اور اصحف بن قیس کو ہراڑ اور پھر حملہ کے دن کا انتظار کرنے لگا۔

روایات میں ہے کہ امیر المومنینؑ اس ماہ رمضان میں اپنی اولاد (اور عبداللہ بن جعفر) کے یہاں باری باری روزہ افطار فرماتے تھے۔ غذا بہت کم کھاتے تھے جب پوچھا جاتا تو آپؑ فرماتے کہ میں چاہتا ہوں کہ جب دنیا سے اُنھوں تو خالی پیٹ اُنھوں۔ (تاریخ کامل ج ۳ ص ۲۹۵)

انیسویں رمضان کی شب امیر المومنینؑ اپنی دختر اُم کلثوم کے یہاں تشریف فرما

حضرتؑ نے حکم دیا کہ منادی سے کہو خدا کرے۔ یہاں سے حرکت سے کوئی بھی مختلف نہ کرے اور معقل بن قیس سے فرمایا کہ قرب و جوار کے دیہات میں جاؤ اور تمام سپاہیوں کو اکٹھا کر کے لے آؤ۔ مگر (افسوس کہ) معقل بن قیس حضرتؑ کی شہادت کے بعد اس کام کے لیے گیا۔

حضرت علیؑ کی شہادت

۴۰ ہجری میں جنگ نہردان کے بچے کچھ خوارج مکہ میں جمع ہوئے تو انہوں نے نہردان کے مقتولین کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ہمارے بھائیوں کے خون کی ذمہ داری علیؑ، معاویہ اور عمرو عاص پر عائد ہوتی ہے۔ سب نے اس بات پر اتفاق کیا۔ برک بن عبداللہ نے معاویہ کو عمر بن بکر تمیمی نے عمرو عاص کو اور عبدالرحمن بن ملجم ملعون نے حضرت علیؑ کو قتل کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ یہ بھی طے پایا کہ ایک ہی دن میں ایک ہی وقت پر حملہ ہونا چاہیے تاکہ ان میں سے ایک کو دوسرے کے بارے میں خبر نہ ہو۔ چنانچہ دن اور وقت کے تعین کے بعد برک بن عبداللہ دمشق کی جانب عمرو بن بکر مصر کی سمت اور ابن ملجم کوفہ کی طرف چل دیا۔

اس خطرناک اور وحشیانہ اقدام کے لیے ماہ رمضان کی انیسویں شب اور نماز صبح کا مقرر کیا گیا۔ چنانچہ مقررہ تاریخ پر برک بن عبداللہ دمشق آیا اور جب جامع مسجد میں فجر کی نماز کھڑی ہوئی تو وہ بھی پہلی صف میں معاویہ کے عقب میں کھڑا ہو گیا۔ معاویہ جب رکوع کے لیے جھکا تو اس نے تلوار کا وار کیا جو اس کے عقبی حصہ پر پڑا۔ حملہ آور گرفتار کر لیا گیا اور گھاؤ معمولی ہونے کے سبب جلد ہی بھر گیا۔ عمر بن بکر مصر میں آ کر ٹھہرا تاکہ مقررہ وقت پر عمرو عاص کو قتل کرے مگر اتفاق سے عمرو عاص درو قونج میں جتلا ہو گیا اور اس نے اپنی جگہ خارجہ حذافہ سہمی کو نماز پڑھانے کے لیے بھیج دیا۔ عمر بن بکر اندھیرے میں اُسے پہچان نہ سکا اور عمرو بن عاص سمجھ کر اُسے ہی قتل کر دیا۔ اسے پکڑ کر جب عمرو عاص کے

بھی اوندھا پڑا سو رہا تھا۔ آپ محراب مسجد میں کھڑے ہوئے اور جب نافلہ فجر سے سر اٹھایا تو حسیب بن بصرہ نے آپ پر تلوار سے حملہ کیا مگر تلوار ستون مسجد سے ٹکرائی پھر ابن ملجم نے زہر میں بھی ہوئی تلوار آپ کے سر پر ماری جس سے آپ کا سر مبارک ٹکنا ہو گیا۔

آپؐ نے فرمایا: فُوتِ بَرِّبِ الْكَعْبَةِ، ”رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔“
قیامت کا منظر تھا۔ آسمان کانپ اٹھا، زمین لرز کر رہ گئی، مسجد کے دروازے آپس میں ٹکرائے۔ منادی غیب نے ندا دی کہ آج زکین ہدایت منہم ہو گیا۔ علی مرتضیٰ وصی رسولؐ خدا شہید کر دیئے گئے۔ شہر کو فزع لرزہ برآمد ہوا اور لوگ جوق در جوق گھروں سے نکل پڑے۔ حسنین پریشان حال مسجد کی طرف دوڑے۔ سبطین رسولؐ نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ محراب مسجد خون سے تر ہے اور امیر المومنین خاک و خون میں غلطاں فرش مسجد سے مٹی اٹھا اٹھا کر سر کے زخم پر ڈال رہے ہیں۔ آپؐ کو محراب عبادت سے صحن میں لایا گیا۔ امام حسنؑ نے قاتل کے بارے میں پوچھا تو فرمایا مجھے ابن ملجم نے قتل (گھائل) کیا ہے۔ اتنے میں باب کندہ کی طرف سے ایک شور بلند ہوا۔ ابن ملجم کو گرفتار کر کے لایا گیا۔ مجمع غضب و غصہ سے بے قابو تھا اور ہر شخص اس ملعون پر لعنت ملامت کر رہا تھا۔ شہزادہ حسنؑ نے اس شقی کو اپنے سامنے پایا تو فرمایا:

بد بخت تو نے امیر المومنینؑ کو گھائل کر دیا؟ کیا اُن احسانات کا بدلہ ہے جو انہوں نے تم پر ہمیشہ کیے؟ لعنتی سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔

امیر المومنینؑ نے غشی کی حالت سے آنکھیں کھول کر دیکھا اور فرمایا: اے ابن ملجم! کیا میں تیرا اچھا امام نہ تھا؟ کیا میرے احسانات بھلا دیئے جانے کے قاتل تھے؟

اس پر ابن ملجم نے کہا: ”میں اپنے لیے دوزخ کا سامان کر چکا ہوں پھر بھی مجھے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔“ اس کے بعد وصی رسولؐ نے حسنؑ کی طرف رخ کیا اور فرمایا:

تھے۔ انہوں نے جو کی دو روٹیاں ایک پیالہ دودھ اور نمک آپؐ کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ آپؐ نے کھانے کو دیکھا تو فرمایا: میں نے یہ کبھی گوارا نہیں کیا کہ دمر خوان پر بیک وقت دو چیزیں ہوں۔ چنانچہ دودھ کا پیالہ ہٹا دیا اور نمک کے ساتھ چند لقمے تناول فرما لیے۔

کھانے سے فارغ ہو کر حسب معمول عبادت میں مشغول ہو گئے مگر بار بار صحن میں آتے آسمان کی طرف نظر کرتے اور فرماتے: خدا کی قسم یہی وہ رات ہے جس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (صواعق محرقہ، ص ۱۴۳)

آپؐ کرب و اضطراب کی حالت میں سورۃ یٰسین اور انا للہ وانا الیہ راجعون کی تلاوت فرماتے تھے۔

مختصراً حضرت ام کلثومؓ نے آپؐ کی اس کیفیت کو دیکھ کر گھر ہی میں نماز ادا کرنے کی گزارش کی لیکن آپؐ نے فرمایا کہ قضائے الہی سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ مؤذن نے حاضر ہو کر نماز کے لیے عرض کیا۔ آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب صحن خانہ میں آئے تو بطخوں نے چیخے جلاتے ہوئے اپنی منقاروں سے آپؐ کا دامن تھام لیا۔ جب امام حسنؑ نے انہیں ہٹانا چاہا تو آپؐ نے فرمایا کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو ممکن ہے کہ کچھ دیر بعد شیون و ماتم کی آوازیں بلند ہوں..... جب آپؐ دروازے میں پہنچے تو پکا کر میں کس کر باندھا اور حسب ذیل مفہوم کے دو شعر پڑھے:

”موت کے لیے کرکس لو اس لیے کہ موت آنے والی ہے۔ جب

موت تمہارے سامنے ہو تو بے تابی کا مظاہرہ نہ کرو۔“

اس کے بعد مسجد تشریف لے گئے۔ چند رکعت نماز پڑھی، تعظیلات سے فارغ ہوئے تو گلدستہ اذان پر کھڑے ہو کر اذان دی۔ یہ علیؑ کی آخری اذان ثابت ہوئی۔ خون رنگ سحر نمودار ہو گئی۔ آپؐ نے مسجد میں سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کیا جن میں ابن ملجم

کبردی گئی۔ اس آفتاب علم و عمل کو کہن نکلنے اور دنیا کے تیرہ و تاریک ہونے کے وقت عمر مبارک ۶۳ سال تھی۔



”اے فرزند! اگر میں زندہ بچ گیا تو اُسے سزا دینے یا معاف کرنے کا اختیار مجھے ہوگا اور اگر اس ضربت کے نتیجے میں وفات پا گیا تو تم اس سے قصاص لینا اور ایک ضربت کے بدلے صرف ایک ضربت ہی لگانا اور جب قتل ہو جائے تو اس کے ہاتھ پاؤں مت کاٹنا۔“

امیر المومنین کو ہاتھوں پر اٹھا کر گھرا لایا گیا جہاں ایک کھرام برپا تھا۔ حسن مجتبیٰ نے دودھ کا ایک پیالہ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اس میں سے کچھ پیا اور فرمایا: ”ابنِ مسلم کو بھی دودھ کا شربت دو۔“

اس وقت تک شہر کے سبھی طبیب جمع ہو گئے تھے۔ ان میں ماہر جراح اشعر بن عمرو سکونی تھا اس نے زخم کا جائزہ لینے کے بعد کہا: ”اب ضربت سے جانبر ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ زہر آلود تلوار سے مغز سر بھی متاثر ہو چکا ہے اور جسم میں بھی زہر سرایت کر گیا ہے۔“

انیسویں اور بیسویں ماہ رمضان کی رات انتہائی کرب و اضطراب کی حالت میں گزری اور جب بیسویں کی رات کا دو تہائی حصہ گزر گیا تو آپ کی حالت بہت دگرگوں ہو گئی۔ پیشانی پر موت کا پسینہ آ گیا۔ آپ نے کلمہ شہادت و زبان کیا اور روح اطہر عالم قدس کی طرف پرواز کر گئی۔

حسین شریفینؑ نے غسل دیا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیچ ہوئے کافور سے حوط کیا گیا۔ سفید کپڑوں کا کفن پہنایا گیا اور آپ کی وصیت کے مطابق آپ کا جنازہ تدفین کے لیے کوفہ کی غربی سمت حیرہ کی طرف لے کر چل پڑے۔ جب سرزمین نجف پر پہنچے تو جنازہ زمین پر رکھ دیا گیا۔ امام حسنؑ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ سفید پہاڑیوں کے درمیان ایک جگہ سے مٹی ہٹائی گئی تو کھدی ہوئی قبر ملی۔ حسین علیہم السلام محمد حنفیہ اور عبداللہ بن جعفر قبر میں اترے اور اس مقدس امانت کو سپردِ خاک کیا۔ پھر قبر کی سطح برابر

نوٹ: نہروان اور شہادت کے بیان میں اخبار الطوال کے ساتھ ساتھ متعدد دیگر کتب تاریخ سے بھی استفادہ کیا گیا۔

سب زمینیں، شجر، بستیاں، ریگزار قص کرتی ہوائیں سمندر ترے
آج سورج کی کرنوں کے سب قافلے اپنی اپنی قطاروں کے اندر ترے
تخت و تاج و علم، مہر و لوح و قلم، غوث و ابدال و قطب و قلندر ترے
موت حیرتی کنیروں کی جاروب کش آج محتاج ہیں سب سکندر ترے

چھین لے دشمنوں کی یہ بیٹائیاں روزِ روشن میں نازل سیاہ رات کر
تیرے دشمن جہنم کا ایندھن بنیں ان پہ چنگاریوں کی وہ برسات کر

سُن کسی کی نہ سُن ایک ہی دھن کو سُن اور سُن سُن کے مغرور سر کاٹ دے
سنسنتی ہوئی سب سروں سے گزری وار سپہ پہ کر اور جگر کاٹ دے
نوک سے روک لے وقت کی گردشیں، دسبِ شام وجودِ سحر کاٹ دے
آج جبریل بھی پُر بچائے اگر تو رعایت نہ کر اس کے پُر کاٹ دے

کبریا کا غضب بن کے آراہوں میں میرے چہرے پہ جذبات کا رنگ ہے
میرے قبضے میں نبضیں ہیں تقدیر کی میری تاریخ کی اولیں جنگ ہے



علامہ مفتی جعفر حسین نے ”میرت امیر المومنین“، علامہ سید علی نقی نے ”تاریخ اسلام“ اور علامہ فروغ کاظمی نے
”تفسیر اسلام“ میں حضرت عباس کی جنگ صفین میں شرکت کا ذکر نہیں کیا ہے البتہ حسین شریفین محمد حنفیہ اور
عبید اللہ بن جعفر کی شرکت کا ذکر موجود ہے۔

صفین میں شجاعتِ عباس ابن علیؑ

دختر برقِ رخ و محن بن کے تن ہر بدن میں اجل کی آگن گھول دے
لشکروں کا جگر چیرستی میں آ، زلزلوں کی طرح گھن گھن گھول دے
دشمنوں کے لہو کی ہر اک موج میں اپنے ماتھے کی ہر اک شکن گھول دے
اپنے اعداء کے سر آسماں پر اڑا، آبِ دجلہ میں اُن کا کفن گھول دے

دیکھ بزمِ شجاعت کا ہر تاجور تیرے نزدیک ہے اور یہ عباسؑ ہے
یوں لڑیں دشمنوں کو گماں تک نہ ہو یہ علیؑ لڑ رہا ہے کہ عباسؑ ہے

مینہ میں اتر، میرہ سے ابھر قلبِ لشکر پہ بجلی گرا جھوم کر
دشمنانِ علیؑ کے پرچے اڑا، اُن کی لاشوں کو دوزخ کا مقوم کر
بن کے زہرہ جل آج میدان میں چل میرے بابا کے نقشِ قدم چوم کر
اب نقابیں اُلٹ کر پلٹ دے صفیں ہر منافق کا شجرہ بھی معلوم کر

دیکھ سُستی نہ کر موت کی ہم سفر ہر طرف سے دعاؤں کی برسات ہے
تیری ہر ضرب پر آج خیرِ شکن داد دینے کو آئے تو پھر بات ہے

مشمولات

(1)

- پیغمبر اکرمؐ کا حضرت علیؑ سے جنگ کے میدانوں میں خطاب
- علیؑ بسترِ نبیؐ پر
- علیؑ راکبِ دوڑِ رسولؐ
- علیؑ کی ہجرت سے پہلے بت شکنی
- علیؑ قاتلِ لات و عزریٰ
- علیؑ جبکہ بدر میں
- علیؑ جبکہ اُحد میں
- علیؑ معقلِ رسولؐ
- علیؑ دربانِ رسولؐ
- علیؑ مفتخر الملائکہ
- علیؑ کی ایک ضربت پوری امت کے اعمال سے برتر ہے
- علیؑ فاتحِ فذک و خیبر
- علیؑ سردارِ عرب
- علیؑ زرنشِ عالم
- علیؑ صلح حدیبیہ میں
- علیؑ فتح مکہ میں

باب پنجم

شانِ ضربِ علیؑ

(تحقیقی مزید، روایت و روایت)

جنگِ حنین میں فرشتوں کا کفار کو قتل کرنا

(۳)

بے بنیاد روایات کا مختصر و رایتی جائزہ

اسلامی جنگوں خصوصاً جہادِ علیؑ کے چیدہ چیدہ معلوماتی و وضاحتی نکات

غزوہ بدر الموعود اور حضرت علیؑ کی علمبرداری

سورۃ اتزاب میں مسلمانوں کی صورت حال کی عکاسی اور کارنامہ علیؑ

عمرو بن عبدود کے خوف سے مسلمانوں کا رسول خدا کو سوتے سے جگا دینا

معرکہ خندق اکیلے علیؑ کا کارنامہ ہے

احسن انہ عمرو

جنگ کے لئے علیؑ کو اسلحہ پہنا کر رسول خدا کا دعا کرنا

کافر علیؑ کی شکل میں موت دیکھتا ہے

ضرار کا حضرت عانیؑ پر احسان

ابوسفیان کا نعرہ نزار

غزوہ خیبر

خیبر پر حملہ ایک تادیبی مہم یعنی پولیس ایکشن

غزوہ خیبر میں نبیؐ و علیؑ دونوں علیل تھے

غزوہ خیبر اور متعصب مؤرخوں کی علیؑ دشمنی

خیبر میں حصولِ علمی کے لیے ہر شخص خود کو نمایاں کرتا ہے

صبح خیبر کا منظر

رسول خود علیؑ کو اسلحہ جنگ سے آراستہ کرتے ہیں

حضرت علیؑ کی پیش قدمی کا انداز

علیؑ فلک رسا

علیؑ سفیر امن

علیؑ قاضی و مبلغ اسلام

علیؑ اور معجزہ آب

(۲)

جنگ بدر میں فرشتوں کا علیؑ کا ہم شکل ہو کر کفار سے جہاد

روئے بدر ہر مشرک مرتے دم کہتا تھا مجھے علیؑ نے مارا ہے

روئے بدر فرشتوں کا حضرت علیؑ کو سلام کرنا

جنگ بدر میں مدد کرنے والے فرشتوں کی تعداد نیز مقتولین میں سے نصف

کے قاتل علیؑ

جنگ اُحد میں دشمن کے علم بردار نے کہا: اے بہادروں کو مارنے والے (علیؑ)

جنگ اُحد کی فتح کے سہرا امیر المومنینؑ کے سر رہا

حضرت علیؑ کی شجاعت عمر بن خطاب کی زبانی

روئے اُحد شجاعتِ امیر اور جبریلؑ سونے کی کرسی پر مدح خوان امیرؑ

جنگ اُحد سے واپسی اور جناب امیرؑ کی مدح

غزوہ حمر الاسد کے لئے جناب امیرؑ کا شوق و جذبہ

جنگ خندق میں عمرو کے قتل پر رسول خدا کا علیؑ کی مدح کرنا

عمر بن عبدود کا ایک نقطہ خوں ہمیشہ کے لیے ذوالفقار علیؑ پر

ایک خوفناک وادی میں جناب امیرؑ کا جنات سے جنگ کرنا

غزوہ حدیبیہ اور حضرت علیؑ

جنگ حنین میں خود رسول اللہ اور حضرت عباس کا علیؑ کو پکارنا

پیغمبر اکرمؐ کا حضرت علیؑ سے جنگ کے میدانوں میں خطاب

علیؑ بسترِ نبیؐ پر

ابورافع سے منقول ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علیؑ! خدا نے مجھ سے فرمایا ہے کہ ہجرت کروں اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ میرے بستر پر سو جاؤ۔ اگر قریش تمہیں دیکھیں گے تو وہ میرے نکل جانے سے آگاہ نہ ہوں گے۔

علیؑ راكب دوشِ رسولؐ

مستلزم الصبیحین میں ابو مریم حضرت علیؑ علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

”جس رات رسولؐ پاک نے فرمایا کہ میرے بستر پر سو جاؤ اور خود مکہ سے ہجرت فرما گئے آپؑ مجھے بتانے کعبہ کے قریب لے گئے اور فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ پھر رسولؐ اکرم میرے کاندھوں پر سوار ہوئے اور فرمایا: کھڑے ہو جاؤ۔ میں کھڑا ہو گیا۔ جب دیکھا کہ میں اُن کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتا تو فرمایا: بیٹھ جاؤ میں بیٹھ گیا۔ پیغمبرؐ میرے کاندھوں سے اترے اور میرے لیے بیٹھے اور فرمایا: اے علیؑ! تم میرے کاندھوں پر سوار ہو جاؤ۔ میں آپؑ کے کاندھوں پر سوار ہو گیا۔ رسولؐ خدا نے مجھے (اتنا) بلند کیا کہ اس وقت میں نے سوچا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کو ہاتھ لگا سکتا ہوں۔ پس میں کعبہ کی چھت

جناب امیرؑ نے اپنا نیزہ زمین میں گاڑ دیا
حادثہ دعوٰی کے بعد مرحب سے مقابلہ
ضربِ حیدری کی گونج
حضرت علیؑ کی حیرت انگیز طاقت کے مظاہرے اور فتحِ خیبر
علیؑ فتحِ فک کے علم بردار

(۴)

بیعت امیر المومنینؑ، تخریبِ کاریاں، سازشیں اور فتنے تحقیقی و وضاحتی نکات
جنگِ صفین
لیلۃ الہریہ
جنگِ صفین کے دو ہیرو: ○ عمار یاسر ○ اولیں قرنی
فرائی کی گواہی ”علیؑ مومنوں کے امیر ہیں“
نہروان
خوارج کی کج فکری کے علاج کی کوشش
تحکیمِ کوہان کر کفر کیا؟
خوارج کی مزید گمراہی
شہادت؟

ہیں کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: تاریک اور اندھیری راتوں میں سے ایک رات رسولؐ خدا نے مجھے بلوایا اور فرمایا: اپنی تلوار اٹھاؤ اور ابوقیس پہاڑ پر پہنچو جس کو بھی اس پہاڑ پر دیکھو قتل کر دو۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ”میں چل پڑا جب پہاڑ کے اوپر پہنچا تو میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا چہرہ سیاہ، بد شکل اور جس کی آنکھیں آگ کے دو ٹکڑوں کے مانند تھیں۔ اس کے دیکھنے سے مجھے تعجب ہوا۔ اس نے مجھ سے کہا: اے علیؑ! میرے نزدیک آؤ پس اس کے نزدیک گیا اور اپنی تلوار سے اُسے دو ٹکڑے کر دیا۔ اس وقت مکہ کے تمام گھروں سے رونے کی آوازیں سنائی دیں۔ میں واپس رسولؐ پاک کے پاس پہنچا اور سارا ماجرا بیان کیا۔

آپؐ نے فرمایا: اے علیؑ! جانتے ہو تم نے کس کو قتل کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: خدا اور رسولؐ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: آپؐ نے لات وعزیٰ کو قتل کیا ہے خدا کی قسم! آج کے بعد ان کی پرستش نہ ہوگی۔

علیؑ جگ بدر میں

ابوالخیری امام جعفر صادق علیہ السلام سے اور وہ اپنے آباء کے توسط سے مولا امیر المومنینؑ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: جگ بدر سے پہلے ایک رات میں نے حضرت خضر کو خواب میں دیکھا اور ان سے کہا: مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس سے دشمنوں پر فتح نصیب ہو۔

انہوں نے فرمایا: کہہ دو یا ہویامن لاہو الاہو۔ جب صبح ہوئی تو میں نے رسول اکرمؐ کو خواب سنایا۔ آپؐ نے فرمایا: اے علیؑ! آپؐ کو اسم اعظم بتایا گیا ہے۔ اس لیے جگ بدر میں میری زبان پر یہی ذکر جاری تھا۔

نک گیا۔ رسولؐ خدا ایک طرف تشریف فرما ہو گئے۔ میں نے بڑے بڑے بتوں کو جو تانبے کے بنے ہوئے تھے اور جن کی اپنی یخیں چھت کی پشت پر نصب تھیں، نیچے گرایا۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: تلاش کرو۔ میں تلاش کرتا رہا۔ پھر فرمایا: ہاں ہاں۔ پھر اس پر میرا ہاتھ پہنچا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: اس کو توڑ دو۔ میں نے توڑ دیا اور نیچے اتر آیا۔ صاحب مستدرک فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

ہجرت سے پہلے علیؑ کی بت شکنی

روضہ اور فضائل کی کتب میں حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”ایک رات رسولؐ خدا نے مجھے بلایا۔ اس وقت آنحضرتؐ، حضرت خدیجہؓ کے گھر میں تھے۔ جب میں آنحضرتؐ کے پاس گیا تو آپؐ نے فرمایا: اے علیؑ! میرے پیچھے آؤ۔ پس ہم چل پڑے اور ایک کے بعد دوسرے دروازے سے نکلتے ہوئے کعبہ تک پہنچ گئے۔ میں آنحضرتؐ کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس وقت سب لوگ سوئے ہوئے تھے۔ رسولؐ خدا نے مجھ سے فرمایا: اے علیؑ! میرے کاندھوں پر سوار ہو جاؤ۔ پس پیغمبرؐ جھکے اور میں حضرتؐ کے دوش پر سوار ہوا اور بتوں کو سرگوں کر دیا۔ پھر ہم کعبہ سے باہر نکلے اور حضرت خدیجہؓ کے گھر پہنچے۔ پیغمبرؐ نے مجھ سے فرمایا: سب سے پہلے جس شخص نے بتوں کو توڑا وہ تمہارے جد امجد حضرت ابراہیمؑ تھے اور اے علیؑ! تم وہ آخری شخص ہو جس نے بتوں کو توڑا ہے۔ دوسرے دن صبح کو مکہ کے لوگوں نے دیکھا کہ ان کے تمام بت سرگوں ہیں تو انہوں نے کہا: یہ کام سوائے محمدؐ اور ان کے چچا زاد کے کوئی نہیں کر سکتا۔ پھر اس کے بعد کعبہ میں کبھی بت نصب نہ ہوئے۔

علیؑ قاتل لات وعزیٰ

من جملہ گروہ علماء علامہ ابن حصویہ موصیٰ اپنی کتاب بحر المناقب میں یہ ذکر کرتے

دروازے پر کھڑے ہو جاؤ اور کسی کو اندر نہ آنے دو کیونکہ اللہ کے بعض فرشتوں نے خدا سے اجازت لی ہے کہ رات بھر میرے ساتھ گفتگو کریں۔

علیٰ مفتخر الملائکہ

علامہ ویلیسی اپنی کتاب ”الفردوس“ میں اپنی سند مرفوعہ کے ساتھ جابر بن عبد اللہ انصاری سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا:

”خدا ہر روز علی بن ابی طالب کے ذریعے اپنے فرشتوں پر افتخار کرتا ہے حتیٰ کہ فرماتا ہے: اے علی! واہ تجھے مبارک ہو“۔

علیٰ کی ایک ضربت پوری امت کے اعمال سے برتر ہے

حذیفہ کہتا ہے پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ”اے علی! آپ کو مبارک ہو اگر آج آپ کے اس کام کو امت محمدیہ کے کاموں کے مقابل وزن کیا جائے تو آپ کا یہ کام امت کے اعمال پر برتری رکھتا ہے کیونکہ مشرکین کا ہر گھر عرد کے قتل ہونے سے ست پڑ گیا اور مسلمانوں کے ہر گھر کو عرو کے قتل ہونے سے عزت ملی“۔

علیٰ فاتح فذک وخیبر

مسند احمد بن حنبل میں ابوسعید خدری سے منقول ہے کہ رسول خدا نے پرچم ہاتھ میں لے کر حرکت دی اور فرمایا: ”کون اس کو لینے کا حق رکھتا ہے“۔

فلاں آیا اور کہا: مجھے دیں۔ رسول خدا نے اس سے فرمایا: ”دور ہو جاؤ“۔

دوسرا آیا رسول خدا نے اُسے بھی فرمایا: ”دور ہو جاؤ“۔

اس وقت رسول خدا نے فرمایا: ”خدا کی قسم! جس نے (مجھ) محمد کو عزت دی ہے میں یہ (علم) اس کو دوں گا جو کبھی فرار نہ کرے گا۔ اے علی! علم لو!“

علیٰ جنگ اُحد میں

شیخ عزالدین عبد الحمید بن ابی معزی بغدادی محدثین کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

جب جنگ اُحد میں رسول پاکؐ زخمی ہوئے تو لوگوں نے کہا: ”محمدؐ قتل ہو گئے ہیں“۔ اسی دوران میں پیغمبرؐ کے قتل کے ارادے سے آنکچھ مشرکین نے آپ کو دیکھ لیا کہ آپ مقتولین میں گرے ہوئے ہیں لیکن زندہ ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: ”اس گروہ کو مجھ سے روک دو“۔ علیؑ نے حملہ کر کے ان کے سردار کو قتل کیا۔ پھر دوسرے گروہ نے حضرتؐ کے قتل کا قصد کیا۔ پیغمبرؐ نے آواز دی: ”اے علی! اس کو مجھ سے روکو“۔

علیؑ نے حملہ کیا اور ان کو تتر بتر کر دیا۔ ان کا سردار قتل ہوا۔ پس تیسرے گروہ نے حملہ کیا تو علیؑ نے دفاع کیا۔ اس کے بعد رسول پاکؐ فرماتے تھے: جبرئیلؑ نے مجھ سے کہا ہے: ”اے محمد! علیؑ کا آپ کا دفاع کرنا برابری و موااسات کے سبب ہے“۔ میں نے کہا: ”وہ بھلا میرا کیسے دفاع نہ کرتے کہ وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں“۔ جبرئیلؑ نے کہا: ”میں بھی آپ سے ہوں“۔

علیٰ محافظ رسولؐ

حسن سے منقول ہے کہ میں نے عبد اللہ ابن عباس سے سنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: اذ تصعدون ولا تلون علیٰ احد والرسول یدعوکم کے متعلق فرماتے تھے کہ جنگ اُحد میں لوگ رسول پاکؐ کے اطراف سے دور چلے گئے سوائے علی بن ابی طالبؑ اور چند انصار کے۔ تب پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

”اے علی! دیکھ رہے ہو لوگوں نے کیا کیا؟“

دربان رسولؐ

عبد اللہ بن عباس کہتے ہیں: ایک دن رسول خداؐ نے علیؑ کو بلایا اور فرمایا: اے علی!

جائیں۔ جب آپ مدینہ پہنچے تو قبیعہ آئے جہاں اس وقت مدینے کا بازار تھا۔ ایک زرگر کو فرمایا کہ اس قطیفہ کا تار تار علیحدہ کر دے۔ آپ نے ان زریں تاروں کو ہزار مشقال کے عوض بیچا اور یہ رقم مہاجرین و انصار میں تقسیم کر دی۔ جب گھر پہنچے تو سونے نام کی کوئی چیز آپ کے پاس نہ تھی۔ دوسرے دن پیغمبر اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ جن میں حذیفہ اور عمار بھی تھے نے پیغمبرؐ کو حضرت علیؑ سے کہتے سنا: اے علیؑ! آپؑ نے کل ہزار مشقال سونا لیا ہے آج میری اور میرے ان ساتھیوں کی یہاں دعوت کرو۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب علیؑ کے پاس نہ سونا تھا نہ چاندی تھی، یعنی وہ راہ خدا میں تقسیم کر چکے تھے..... تا آخر۔

علیؑ صلح حدیبیہ میں

مسند احمد بن حنبل میں عبد اللہ بن عباس سے نقل ہے کہ جب میں حرورہ کے پاس آیا تو انہوں نے کفارہ کیا۔ میں نے کہا: رسولؐ خدا نے حدیبیہ میں مشرکوں سے صلح کر لی ہے اور علیؑ سے فرمایا ہے: اے علیؑ! لکھو یہ صلح ہے محمد رسولؐ کی طرف سے۔ مشرکین نے کہا: اگر ہم پہلے مانتے کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں تو جنگ نہ کرتے۔ رسولؐ خدا نے علیؑ سے فرمایا: اے علیؑ! رسولؐ خدا کے گلے کو مٹا دو۔ خدا تو جانتا ہے کہ میں تمہارا رسول ہوں۔ اے علیؑ! مٹا دو اور یہ لکھو یہ عہد صلح ہے محمد بن عبد اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ خدا کی قسم! رسولؐ خدا علیؑ سے بہتر تھے اور اپنے نام کو مٹا دیا لیکن نام کو مٹانا نبوت کے سلب ہونے کا باعث نہ بنا۔ آیا اب ٹھیک ہے۔ حرورہ نے کہا: ہاں۔

علیؑ فتح مکہ میں

ابو مریم مولا علیؑ سے نقل کرتے ہیں کہ جب رسولؐ خدا مسجد الحرام میں وارد ہوئے تو آپؐ نے ۳۶۰ بت دیکھے جو ایک دوسرے سے بندھے ہوئے تھے۔ پس امیر المؤمنینؑ کو حکم دیا کہ اے علیؑ! مجھے مٹھی بھر سنگریزے دو۔ امیر المؤمنینؑ نے سنگریزے دیے۔ حضورؐ

علیؑ نے علم لیا اور گئے اور خدا نے خیر و فک کو علیؑ کے ہاتھوں فتح کرایا۔ علیؑ ان دونوں جگہوں کا دودھ اور گوشت اپنے ساتھ لائے۔

علیؑ سردار عرب

عبد اللہ بن عثمان بصری نے مسیب بن عبد الرحمن سے جو جگہ قادسیہ میں موجود تھا نقل کیا ہے کہ میں حذیفہ کے قریب گیا۔ وہ مجھے رسولؐ پاک کے زمانے کے حالات بتا رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ جب جگہ خیبر میں حضرت علیؑ حملہ کے لیے تیار ہوئے تو پیغمبرؐ نے فرمایا:

”اے علیؑ! میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تمہارے ساتھ کوئی ہے جو تمہاری امداد سے ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ یہ جبرئیلؑ ہے کہ تمہاری دائیں جانب ہے۔ اس کے ہاتھ میں تلوار ہے اگر وہ پہاڑوں پر مارے تو وہ تمام ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ تمہیں خوشنودی خدا اور جنت کی مبارک ہو۔ اے علیؑ! تم عربوں کے سردار ہو اور میں فرزند ان آدم کا سردار ہوں..... تا آخر۔

علیؑ زر بخش عالم

حذیفہ یحمانی سے نقل ہے کہ جعفر بن ابی طالبؓ حبشہ کی سرزمین سے واپس آئے تو پیغمبر اکرمؐ کے پاس پہنچے۔ حضورؐ اس وقت خیبر میں تھے۔ جعفرؓ عالیہ اور ایک قطیفہ (زر رفت) اپنے ساتھ لائے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ”میں یہ قطیفہ اس کو دوں گا جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہیں۔“

اس وقت صحابہ کرامؓ نے قطیفہ کی طرف گردنیں اٹھائیں جبکہ پیغمبرؐ نے فرمایا: ”علیؑ کہاں ہیں؟“ عمارؓ اٹھے اور علیؑ کو آواز دی۔ جب علیؑ رسولؐ پاک کے پاس آئے تو آپؐ نے فرمایا: اے علیؑ! یہ قطیفہ آپ کا ہے۔ علیؑ نے اٹھا لیا۔ آپؐ انتظار میں تھے کہ مدینہ

خداوند عالم نے مجھے آپ کے ذریعے اتنی کرامت بخشی ہے کہ اگر چاہوں تو آسمان کو بھی ہاتھ لگا سکتا ہوں۔ پس پیغمبرؐ نے فرمایا: اے علی! ان بتوں کو اٹھا لو۔ علیؑ نے بتوں کو اٹھایا تو زمین پر گر پڑے اور مسکرائے۔ پیغمبرؐ نے پوچھا: اے علی! مسکراتے کیوں ہو؟ فرمایا: میں کعبہ کی بلندی سے گرا ہوں لیکن کوئی صدمہ نہیں ہوا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: آپ کو تکلیف کیسے ہو سکتی تھی کہ محمدؐ نے آپ کو بلند کیا ہوا تھا اور جبرئیلؑ زمین پر لائے ہیں۔

علیؑ سفیر امن

سمیع بن عبدالملک نے جناب ابوعبداللہ سے نقل کیا ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ جب رسول اکرمؐ نے مجھے یمن روانہ کیا تو فرمانے لگے: اے علیؑ! کسی سے جنگ نہ کرنا جب تک اس کو پہلے اسلام قبول کرنے کی دعوت نہ دے لو۔ خدا کی قسم! اگر خداوند ایک آدمی کو آپ کے ہاتھ پر ہدایت دے تو آپ کے لیے تمام دنیا کے حصول سے بہتر ہوگا۔

علیؑ قاضی و مبلغ اسلام

کنز العمال میں ہے کہ یمن سے کچھ لوگ پیغمبر اکرمؐ کے پاس آئے اور کہا کوئی ایسا مبلغ ہمارے ساتھ بھیجے جو ہمیں دین سکھائے اور ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرے۔ پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: یمن جاؤ اور ان کو دین سکھاؤ احکام بتلاؤ اور ان کے درمیان کتاب خدا پر مبنی فیصلے کرو۔ میں نے عرض کیا: حضور! یمن کے لوگ تو ادبаш (وحشی) ہیں ممکن ہے میرے لیے کوئی مسئلہ کھڑا کروں جس کی مجھے خبر ہی نہ ہو۔ تب پیغمبر علیہ السلام نے میرے سینے پر ہاتھ پھیر کر فرمایا: اب جاؤ کہ خدا تمہارے دل کو ہدایت پر رکھے گا اور زبان کو مضبوط بنا دے گا۔ چنانچہ آپ نے آج تک ایک لحظہ بھی دو

نگریزے بتوں کو مارتے تھے اور یہ پڑھ رہے تھے: جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقاً ”حق آیا اور باطل گیا۔ باطل یقینی طور ختم ہو جانے والی چیز ہے۔“ تمام بت زمین پر گر گئے۔ رسول خداؐ نے فرمایا کہ ان بتوں کو مسجد سے باہر پھینک دو اور توڑ دو۔

علیؑ بت شکن

علامہ شیخ جلال الدین سیوطی نے ”انیس الجلیس“ میں نقل کیا ہے کہ جب رسول اکرمؐ نے مکہ کو فتح کیا اور خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو ۳۶۰ بت دیکھے جو دیوار کے اطراف میں بلندی پر نصب تھے۔ آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: لکڑیاں جمع کرو اور آگ روشن کر کے ان بتوں کو جلا دو۔ حضرت علیؑ اٹھے اور آگ جلائی۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: اے علیؑ! اپنے پاؤں میرے بازوؤں پر رکھو اور بتوں کو دیوار سے اتار کر آگ میں پھینک دو۔ علیؑ نے ایسا ہی عمل کیا اور تمام بتوں کو جلا دیا۔

علیؑ فلک رسا

ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ رسول اکرمؐ نے فتح مکہ کے موقع پر مولا علیؑ سے فرمایا: ”اے علیؑ! کیا ان بتوں کو کعبہ کے پاس نہیں دیکھ رہے؟“ علیؑ نے عرض کیا: ”کیوں نہیں اے پیغمبر خدا!“

پیغمبر خداؐ نے فرمایا: ”میں آپ کو اٹھاتا ہوں ان کو نیچے اتار دو۔“ علیؑ نے فرمایا: ”میں آپ کو اٹھاتا ہوں۔“ پیغمبرؐ نے فرمایا: ”اگر ربی اور مضر دونوں قبیلے کو شش کریں تو میرے جسم کے ایک حصہ کو بھی بلند نہ کر سکیں گے لیکن اے علیؑ! آپ مجھے اٹھا سکتے ہیں۔“

راوی کہتا ہے رسول پاکؐ نے زمین کی بلندی سے اپنے دونوں ہاتھ علیؑ کی پنڈلیوں پر رکھے اور علیؑ کو بلند کیا اتنا بلند کیا کہ حضرت کی بظلوں کی سفیدی نظر آرہی تھی۔ حضورؐ نے پھر فرمایا: اے علیؑ! کیا دیکھ رہے ہو؟ علیؑ نے عرض کیا: میں دیکھتا ہوں کہ

جنگ بدر میں فرشتوں کا علیؑ کا ہم شکل ہو کر کفار سے جہاد

جنگ بدر میں ابوسیر نے چاہا کہ عباس کو گرفتار کرے لیکن نہ کر سکا تو ایک فرشتہ نے اس کی مدد کی اور عباسؓ امیر ہوئے۔ شیخ مفیدؒ زہری سے روایت کرتے ہیں کہ جب جناب رسولؐ خدا نے سنا کہ نوفل بن خویلد بھی جنگ میں آیا ہے تو دعا کی کہ پالنے والے! نوفل سے پناہ میں رکھ۔ جب قریش بھاگ گئے تو جناب امیرؓ نے اُس کو دیکھا کہ میدان میں حیران دسرگرداں ہے اور نہیں سمجھتا کہ کیا کرے۔ حضرتؓ نے اُس کو ایک ضربت لگائی جس سے اُس کا خود گر پڑا۔ پھر آپؐ نے تلوار ماری اور اُس کے پاؤں کو قطع کر دیا۔ وہ زمین پر گرا اور آپؐ نے اس کا سر کلٹ لیا اور حضورؐ کی خدمت میں لائے۔ آپؐ اس وقت فرما رہے تھے کہ نوفل کی بھی کسی کو خبر ہے۔ امیر المومنینؓ نے فرمایا: میں نے اُس کو قتل کر دیا ہے۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا: اللہ اکبر! میں اُس خدا کی حمد کرتا ہوں جس نے میری دعا قبول فرمائی۔ ابن شہر آشوبؒ نے روایت کی ہے کہ جب ابولہبصر انصاری نے حضرت عباسؓ کو امیر کیا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں لائے تو عباسؓ نے کہا: اس نے مجھے امیر نہیں کیا ہے بلکہ مجھے میرے بھتیجے علیؑ نے امیر کیا ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا: میرے بچاچ کہتے ہیں وہ ایک عظیم فرشتہ تھا جو علیؑ کی صورت میں ظاہر ہوا تھا اور خدا نے جس قدر فرشتے میری مدد کے لیے بھیجے تھے سب علیؑ کی شکل و صورت میں بھیجے تھے تاکہ ان کی بیعت دشمنوں کے دلوں میں زیادہ ہو۔

آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں تجھک محسوس نہ کی۔

علیؑ آپ رسان لشکر

امیر المومنین علیؑ علیہ السلام فرماتے ہیں: ایک جنگ میں پانی ختم ہو گیا۔ رسول پاکؐ نے فرمایا: اے علیؑ! اس صحرہ پر جاؤ اور کہو میں پیغمبرؐ خدا کا فرستادہ تیری طرف آیا ہوں اپنے آپ سے پانی جاری کر۔ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خالق ہے۔ جب میں نے رسول اکرمؐ کا پیغام اس پتھر کو دیا تو اس پر ایک اونٹنی کے پستانوں کی شکل ظاہر ہوئی اور ہر اس پستان کی شکل سے پانی جاری ہو گیا۔ میں جلدی سے رسول اکرمؐ کے پاس آیا اور اس کی خبر دی۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا: یا علیؑ! جاؤ وہ پانی پلاؤ (میرے ہمراہ) دیگر لشکری بھی آئے اور سب نے اپنے اپنے مشکیزوں کو پانی سے پُر کیا۔ اپنے چوپایوں کو بھی پانی پلایا سب نے اس پانی سے وضو کیا اور پیتے بھی رہے۔

علیؑ اور معجزہ آب

امیر المومنین علیؑ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک جنگ میں پانی ختم ہو گیا۔ پیغمبرؐ نے مجھ سے فرمایا کہ طشت میرے پاس لاؤ۔ میں لایا۔ پیغمبرؐ نے میرے ہاتھ کے ساتھ اپنا وایاں ہاتھ طشت میں رکھا اور فرمایا: جاری ہو جا۔ پس پانی ہماری انگلیوں کے درمیان سے جاری ہو گیا۔ (ان تمام روایات کا ماخذ وضع کتاب مدیۃ المعاجز ہے)

○○○

بعد دیگر ابولیسر سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ عباس اور عقیل کو ایک شخص جو اہل حق گھوڑے پر سوار تھا کھینچتا ہوا علی ابن ابی طالبؑ کے پاس لایا اور اُن کے سپرد کر دیا اور کہا: اپنے چچا اور بھائی کو لیجئے کیونکہ آپ ان کے زیادہ مستحق ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ وہ جبرئیلؑ تھے۔

روزِ بدر ہر زخمی مشرک مرتے ہوئے کہتا تھا مجھے علیؑ نے مارا ہے

حدیث معتبر میں حضرت صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ روزِ بدر جس زخمی مشرک سے پوچھا جاتا کہ تجھے کس نے مارا ہے تو وہ کہتا تھا: علی ابن ابی طالبؑ نے اور یہ کہتے ہی مر جاتا۔

روزِ بدر فرشتوں کا حضرت علیؑ کو سلام کرنا

خاصہ و عامہ کی اکثر معتبر کتب میں امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ اور ابن عباسؑ وغیرہم سے روایت ہے کہ جب بدر کی رات آنحضرتؐ کے لشکر میں پانی کم ہو گیا۔ حضرتؐ نے فرمایا: کون ہے جو مشک لے جا کر پانی بھر لائے۔ کوئی تیار نہ ہوا کیونکہ رات بہت اندھیری تھی اور ہوا بہت سرد اور تیز چل رہی تھی۔ حضرت علیؑ نے ایک مشک اٹھالی اور چاہ بدر پر پہنچے چونکہ ڈول موجود نہیں تھا لہذا خود کنوئیں میں اترے مشک بھری اور واپس روانہ ہوئے۔ دورانِ راہ میں سامنے سے بہت سخت ہوا چلی جس سے راستہ چلتا دشوار ہو گیا۔ آپؐ بیٹھ گئے حتیٰ کہ ہوا گزر گئی۔ پھر اٹھ کر چلے تو دوبارہ اسی شدت کی ہوا چلی۔ آپؐ پھر بیٹھ گئے اور وہ بھی گزر گئی۔ تین مرتبہ اسی طرح ہوا۔ بروایت دیگر ہر مرتبہ مشک سے پانی بہہ جاتا تھا اور آپؐ پھر اُسے بھر کر لاتے تھے۔ جب آپؐ رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچے تو حضورؐ نے پوچھا: یا علیؑ! اس قدر دیر کیوں کر ہوئی؟ آپؐ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! تین مرتبہ نہایت سخت ہوا چلی جس کے ہول سے میں لرزہ برآمد ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا:

جاننے ہو کہ یہ کیا تھا؟ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: پہلی بار جبرئیلؑ ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے اور تمہیں سلام کرتے ہوئے گزر گئے۔ دوسری مرتبہ میکائیلؑ ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے اور ہر ایک نے تمہیں سلام کیا اور تیسری مرتبہ اسرافیلؑ ہزاروں فرشتوں کو ہمراہ لیے ہوئے تھے۔ اُن سب نے تمہیں سلام کیا اور وہ سب ہماری مدد کو آئے ہیں۔

اخبار معتبرہ میں ہے امام محمد باقرؑ اور امام موسیٰ کاظم علیہما السلام سے روایت ہے کہ روزِ بدر فرشتے سفید عمامے باندھے ہوئے تھے۔ ان کے عمامے نشان والے تھے جن کا ایک گوشہ آگے اور ایک گوشہ پیچھے لٹک رہا تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ جناب رسول خداؐ نے سر پر عمامہ باندھا اور دو گوشے ایک آگے اور ایک پیچھے لٹکا دیئے۔ جبرئیلؑ نے بھی ایسا ہی کیا اور رسول خداؐ نے امیر المومنینؑ کے سر پر بھی اسی طرح عمامہ باندھا اور فرمایا: خدا کی قسم! فرشتوں کے تاج ایسے ہی ہوتے ہیں۔

جب بدر میں مدد کرنے والے فرشتوں کی تعداد نیز مقتولین میں نصف کو قتل کرنے والے علیؑ تھے

حدیث معتبر میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ بدر کے روز آنحضرتؐ کی مدد کرنے والے فرشتوں کی تعداد پانچ ہزار تھی۔ وہ زمین پر ہیں اور جب تک صاحب الامرؑ کی مدد نہ کر لیں آسمان پر نہ جائیں گے۔ جاننا چاہیے کہ جب بدر میں خیدر کزارؑ کی نصرت آتا رتوار سے کشتہ ہونے والوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ مخالفین کا کہنا ہے کہ کفار کے مقتولین پچاس تھے۔ ان میں سے بائیس حضرت علیؑ نے قتل کیے اور اکثر کا کہنا ہے کہ قتل کیے۔ اور محمد ابن اسحاقؑ نے مخالفین سے روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے تمام صحابہ سے زیادہ (اکیلے نے) خود قتل کیے اور معتبر شیعہ روایت دوسرے مطابق ستر کفار جب بدر میں مارے گئے۔ ان میں سے پینتیس مشرکین تمام صحابہ اور فرشتوں کی تلواروں

سنا۔

جنگِ اُحد کی فتح کا سہرا امیر المومنینؑ کے سر رہا

عامہ کے اکثر مؤرخین نے اقرار کیا ہے کہ مشرکین کے سر پر آوردہ اشخاص اور سب سے زیادہ شجاعوں کو یومِ اُحد امیر المومنینؑ نے واصلِ جہنم کیا۔ چنانچہ محمد بن اسحاق نے جو عامہ کے معتبر ترین مؤرخوں میں سے ہے روایت کی ہے کہ علمدارِ قریش طلحہ بن طلحہ اور اُس کے بیٹے ابوسعید اُس کے بھائی خالد بن طلحہ عبداللہ حمید، حکم بن اخص، ولید بن ابی حذیفہ، امیہ بن حذیفہ، ارقاۃ بن شریل، ہشام بن امیہ، عمرو بن عبداللہ حمی، بشر بن مالک بنی عبدالدار کے غلام صواب کو امیر المومنینؑ نے قتل کیا اور فتح کا سہرا آپؐ ہی کے سر رہا۔ خداوندِ عالم نے صحابہ پر اُن کے بھاگنے کے سبب عتاب فرمایا اور حضرت امیر کی اہلی آسمان نے مدح کی۔

حضرت علیؑ کی شجاعت عمر بن خطاب کی زبانی

واحدہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں عمر بن خطاب کے ہمراہ جا رہا تھا۔ ناگاہ وہ مضطرب و بے قرار ہوئے یہاں تک کہ اُن کے دل کی دھڑکن سنائی دینے لگی جیسے کسی پر غشی طاری ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا: آپ کو کیا ہوا؟ وہ بولے شاید تم شیر پیشہ شجاعت، معدنِ کرم و فتوت، باغیوں اور سرکشوں کے قاتل، دو تلواروں سے لڑنے والے (بہادر) صاحبِ تدبیر علمدار کو نہیں دیکھتے جو اس طرف آ رہا ہے۔ میں نے نگاہ کی تو علی ابن ابی طالبؑ کو دیکھا۔ میں نے کہا: اے عمر! یہ تو علیؑ ہیں؟

انہوں نے کہا: میرے پاس آؤ تو میں تمہارے سامنے ان کی بہادری اور شجاعت کا شہ بیان کروں۔ جنابِ رسولؐ خدا نے روزِ اُحد ہم سے بیعت لی کہ جہاد سے نہ بھاگیں گے اور ہم میں سے جو بھاگ جائے گمراہ ہے اور جو مارا جائے گا شہید ہے۔ اور

سے واصلِ جہنم ہوئے اور بروایت شیخ مفید نصف سے زیادہ مولائے مومنین کی شمشیر آبدار سے درکِ اسفل میں پہنچے۔

جنگِ اُحد میں دشمن کے علم بردار نے کہا: اے بہادروں کو مارنے والے (علیؑ)

جنگِ اُحد میں قریش کا علم بردار بنی عبدالدار کا ایک بہادر طلحہ بن ابی طلحہ تھا۔ اُس نے رسولؐ خدا کو پکار کر کہا: اے محمدؐ! تمہیں گمان ہے کہ تم اپنی تلواروں سے ہمیں جہنم میں بھیج دو گے لیکن ہم اپنی تلواروں سے تمہیں بہشت کو روانہ کر دیں گے لہذا تم میں سے جو بہشت میں جانا چاہے آئے۔ یہ سن کر (بھی) کسی کو اس کے مقابلہ پر جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ آخر امیر المومنینؑ (علیؑ) اُس کی طرف بڑھے اور رجز پڑھا:

اے طلحہ! اگر تم سب ایسے ہی ہو جیسا کہ بیان کرتے ہو تو تمہارے پاس گھوڑے ہیں اور ہمارے پاس (مض) تلواں ہیں۔ (پھر بھی) مقابلہ پر آ کر کھڑا ہوتا کہ میں دیکھوں کہ ہم میں سے کون قتل ہوتا ہے اور کون اپنی بات کا مدعی ہے۔ بے شک تیرے مقابلے میں حملہ کرنے والا شیر کاٹنے والی تلوار کے ساتھ آیا ہے جس کی باڑھ گند نہیں ہوتی اور اُس کے مددگار خدا اور رسولؐ ہیں۔

طلحہ نے کہا: اے لڑکے تو کون ہے؟

آپؐ نے فرمایا: میں علیؑ ابن ابی طالب ہوں۔

اُس نے کہا: اے قسم (یعنی بہادروں کو مارنے والے) میں نے جان لیا کہ تیرے سوا کوئی مجھ سے مقابلہ کی جرأت نہیں رکھتا۔ پھر اُس نے حضرت پر ایک وار کیا۔ جنابِ امیرؑ نے سپر پر روکا اور ایک ایسی تلوار ماری کہ اُس کی دونوں رانیں کٹ گئیں وہ پیٹھ کے بل گر پڑا اور علم اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ جب حضرت اُس کا سر کاٹنے کے لیے پہنچے تو اُس نے رحم کی التجا کی آپؐ واپس چلے آئے۔ مسلمانوں نے پوچھا: اُس کا کام تمام کیوں نہ کرویا۔ فرمایا: جو ضربت میں نے اسے لگائی ہے اُس سے وہ زندہ نہیں رہ

جنگِ اُحد سے بھاگے تو آنحضرتؐ کو شدید غصہ آیا اور جب حضرتؐ کو غصہ آتا تھا تو جنین سے پسینہ مردارِ بد کی طرح ٹپکنے لگتا تھا۔ غرض حضرتؐ نے اُس وقت دیکھا تو علیؑ کو اپنے پہلو میں پایا اور غصہ میں فرمایا: کیوں نہ تم بھی انہی لوگوں کے ساتھ بھاگ گئے؟ جناب امیرؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپؐ سے جدا نہیں ہو سکتا اور ہر امر میں آپؐ کی پیروی لازم سمجھتا ہوں۔

حضورؐ نے فرمایا: اچھا ان لوگوں کو مجھ سے دُور کرو۔ امیر المومنینؑ نے تلوار کھینچی اور شیر کی طرح کافروں کے لشکر پر ٹوٹ پڑے اور ان کو قتل کرنے لگے۔ اس وقت حضورؐ نے جبرئیلؑ کو دیکھا جو زمین و آسمان کے درمیان سونے کی کرسی پر بیٹھے خدا دے رہے تھے: لاسیف الا ذوالفقار، ولا فتی الا علی (علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ ابن بابویہ کی روایت میں پہلی بات ابودجانہ کے ساتھ ہوئی، امیر المومنینؑ سے نہیں اور وہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ ابودجانہ بھی اس وقت حضرت علیؑ کے ساتھ حضورؐ کے پاس ہی رہے)۔

جنگِ اُحد سے واپسی اور جناب امیرؓ کی مدح

جب (اُحد سے) مدینہ واپسی ہوئی تو حضرت امیر المومنینؑ علم کو مشرکین کے خون سے رنگین کیے ہوئے سیدِ عرب و عجم کے آگے آگے چلے اور ابودجانہ ان کے پیچھے پیچھے تھے جب رسول اللہؐ مدینہ طیبہ میں پہنچے تو عورتوں کی آوازیں سنیں جو حضرتؐ کی مصیبت پر رو رہی تھیں۔ لوگوں نے جب علمِ لہرت شیم کو مشاہدہ کیا تو مرد و زن سید الانبیاءؑ کے استقبال کے لیے دوڑے اور بھاگنے والے بحر میں معذرت کرنے لگے۔

حضرتؐ نے فرمایا: ”لوگو! تم نے مجھے تنہا چھوڑ دیا اور اپنی جانوں کی حفاظت کی“ اور علیؑ نے میری مدد و نصرت کی لہذا جس نے اس کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی اور دنیا و آخرت میں مجھ سے دُور ہو گیا۔“

پیغمبرؐ اس کے لیے بہشت کے ضامن ہوں گے۔ جب ہم لوگ میدان میں جنگ کے لیے کھڑے ہوئے تو دیکھا کہ قریش کے سو بہادر شجاع ہماری طرف بڑھے جن کے ہمراہ سو بہادر سپاہی تھے۔ انہوں نے حملہ کیا اور ہم کو شکست دے دی۔ ہم سب کے سب میدان سے بھاگے۔ اُس وقت ہم نے علیؑ کو دیکھا کہ اس طرح مشرکین پر حملہ کر رہے تھے جس طرح شیرِ ثیاں چوٹیوں پر حملہ کرتا ہے اور آپؐ کو ان (دشمنوں) کی کثرت و شجاعت کی مطلق پروانہ تھی۔ جب انہوں نے ہمیں بھاگتے دیکھا تو کہا: تمہارے چہرے قبیح ہو جائیں اور منہ کھڑے کھڑے اور خاک آلودہ ہوں کہاں بھاگے جاتے ہو، جہنم کی طرف دوڑ رہے ہو۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ہم واپس نہیں آتے تو ہم پر حملہ کیا۔ ایک لمبی تلوار اُن کے ہاتھ میں تھی جس سے موت فک رہی تھی۔ پھر انہوں نے کہا: تم نے آنحضرتؐ سے نہ بھاگنے کی بیعت کی اور اس کو توڑ ڈالا لہذا تم بہ نسبت مشرکین کے قتل کیے جانے کے زیادہ مستحق ہو۔ جب ہم نے ان کی آنکھوں کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ وہ روغنِ زیت کے دو پیالوں کی مانند جن میں آگ روشن ہو چک رہی تھیں اور خون سے بھرے ہوئے دو قدحوں کی طرح شدتِ غضب سے سرخ تھیں۔ ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ وہ ایک ہی حملہ میں ہم کو ہلاک کر دیں گے۔ آخر بھاگنے والوں میں سے میں اُن کے پاس گیا اور کہا: اے ابوالحسن! میں آپؐ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ ہم کو چھوڑ دیجیے۔ کیونکہ اہلِ عرب کا دستور یہ ہے کہ کبھی بھاگتے ہیں اور کبھی حملہ کرتے ہیں تو بھاگنے کی ذلت کو مٹا دیتے ہیں۔ پھر گویا علیؑ نے ہماری عاجزی پر رحم کیا اور ہمیں چھوڑ دیا اور کافروں پر حملہ کیا۔ آج تک وہ خوفِ میرے دل سے دُور نہیں ہوا میں جب کبھی انہیں دیکھتا ہوں یونہی خوفزدہ ہو جاتا ہوں۔ (حیات القلوب)

روزِ اُحد شجاعتِ امیرؓ اور جبرئیلؑ سونے کی کرسی پر مدحِ خوانِ امیر

کلینی نے بسندِ موثق حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب مسلمان

قیامت تک کے جن دانس کی عبادت سے بہتر ہے۔“

اور ابو بکر عیاش سے روایت ہے کہ علیؑ نے ایک ایسی ضربت لگائی جس سے زیادہ قوی اور غالب تر ضربت نہیں ہو سکتی اور وہ ضربت عمرو کے سر پر تھی اور ایسی ضربت کھائی جس سے خمس ترین ضربت نہیں ہو سکتی اور وہ ضربت ابن مہجم علیہ اللعن کی تھی۔

عمرو بن عبدود کا ایک نقطہ خون ہمیشہ کے لیے ذوالفقار علیؑ میں

قطب الدین راوندی نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب امیر المومنین علیؑ علیہ السلام نے عمرو بن عبدود کو قتل کیا تو اپنی تلوار امام حسنؑ کو دے کر فرمایا کہ اس کو اپنی والدہ کو دے دو کہ وہ دیں۔ جب خود بیت الشرف میں تشریف لائے اور چاہا کہ تلوار کو نیام میں رکھیں (غور سے دیکھا) تو خون کا ایک نقطہ اس میں باقی تھا۔ کہا شاید فاطمہؑ نے اس کو دھویا نہیں۔ کہا گیا دھویا تو ہے۔ فرمایا: پھر یہ نقطہ خوں کیوں ہے؟ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: ذوالفقار ہی سے پوچھ لو وہ خود بتائے گی۔ جناب امیر المومنینؑ نے ذوالفقار کو حرکت دی اور فرمایا: شاید فاطمہؑ ظاہرہ نے اس نجس و ناپاک خون کو تجھ سے نہیں دھویا۔ ذوالفقار بقدرت خداوند جبار گویا ہوئی کہ معصومہ عالم نے (مجھے) دھویا ہے لیکن نہ آپ نے مجھ سے کسی ایسے کو قتل نہیں کیا کہ جسے عمرو بن عبدود سے زیادہ فرشتے دشمن سمجھتے ہوں لہذا خداوند عالم نے مجھے رحم دیا ہے کہ اس کے اس نقطہ خون کو میں بچوں کیونکہ میرا حصہ ہے۔ اب جب کبھی آپ مجھ کو نیام سے نکالیں گے اور فرشتوں کی نظر اس قطرہ پر پڑے گی وہ آپ پر صلوٰۃ بھیجیں گے۔ (علامہ مجلسی نے حیات القلوب میں یہ روایت منج کرنے کے بعد اس کی صحت میں کوئی تردید نہیں کیا بلکہ وضاحت فرمائی ہے کہ امام حسنؑ نے رجمہ امامت کے اعتبار سے دو یا تین سال کی عمر میں تلوار بی بی فاطمہؑ زہراءؑ کو دی اور نام پہنچایا۔)

غزوہ حمرالاسد کے لیے جناب امیرؑ کا شوق اور جذبہ

سید ابن طاووس نے روایت کی ہے کہ جب امیر المومنین علیؑ علیہ السلام احد سے واپس ہوئے تو آپ کے جسم اقدس پر ۸۰ زخم آئے تھے جن میں بتیاں بھری جاتی تھیں۔ رسولؐ خدا آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ جناب امیرؑ ایک کھال پر لیٹے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے آپ کو دیکھا تو رونے لگے اور فرمایا: ”جو شخص راہ خدا میں ایسی تکلیف اٹھاتا ہے خدا پر لازم ہے کہ اس کو بے انتہا ثواب کرامت فرمائے۔“

یہ سن کر جناب امیرؑ بھی رو پڑے اور عرض کیا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں نے آپ کی طرف سے منہ نہیں موڑا اور نہ بھاگا لیکن غم یہ ہے کہ کاش شہادت حاصل ہوتی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ان شاء اللہ تمہیں شہادت بھی نصیب ہوگی۔ پھر فرمایا کہ ابوسفیان نے میرے پاس پیغام بھیجا ہے اور دھمکی دی ہے کہ اب ہمارا اور تمہارا مقابلہ حمرالاسد میں ہوگا۔ جناب امیرؑ نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں میں حاضر ہوں اور سب سے پہلے اس جنگ کے لیے آمادہ ہوں۔ اگرچہ (تکلیف و ناتوانی کے سبب) لوگ میرا ہاتھ پکڑ کر لے چلیں۔ اُس وقت خداوند عالم نے امیر المومنینؑ کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی:

”ایسے بہت سے پیغمبر گزرے ہیں جن کے ساتھ بہترے اللہ والوں نے جہاد کیا اور ان پر خدا کی راہ میں مصیبت پڑی تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ بزدلی دکھائی اور نہ (دشمن کے سامنے) گڑگڑائے اور خدا تو ثابت قدم رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“ (سورۃ آل عمران، آیت ۱۳۶)

خندق میں عمرو کے قتل پر رسولؐ خدا کا علیؑ کی مدح کرنا

روایت معتبرہ میں مذکور ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: ”روزِ خندق علیؑ کی ضربت

خوف کی وجہ سے نزدیک تھا کہ ہم ہلاک ہو گئے ہوتے۔ حضرتؑ نے فرمایا: خدا کے بزرگ ناموں کے ذریعے میں نے انہیں شکست دی۔ اُن سب نے بھاگ کر آنحضرتؐ کے پاس پناہ لی ہے۔ اگر وہ کھڑے رہتے تو میں سب کو ہلاک کر دیتا۔ جب آپؐ وہاں سے واپس آئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا: یا علیؑ! تمہاری شمشیر سے جو بھڑخ گئے تھے میرے پاس آئے اور تمہاری تلوار کے خوف سے مسلمان ہو گئے۔ (حیات القلوب مجلسی)

غزوہ حدیبیہ اور حضرت علیؑ

غزوہ حدیبیہ جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہوا کیونکہ جنگ کے بجائے صلح نامہ تحریر کیا گیا اور اُس کے محرر حضرت علیؑ ٹھہرے کے تفصیلی واقعات موقع نہ ہونے کے سبب درج نہیں کیے جاسکتے مگر اسی صلح کے موقع پر ایک مکار اور مفسدہ پرواز کردہ مشرکین کی حضورؐ کی خدمت میں آمد اور حضورؐ کے انہیں حضرت علیؑ کو بھیج کر گردنیں اڑا دینے کی روایت کا ذکر نہایت ضروری محسوس ہو رہا ہے۔

شیخ طبریؒ قطب رادندی اور شیخ مفید وغیرہم علمائے شیعہ اور صاحب جامع الاصول اور اکثر محدثین عامہ نے روایت کی ہے کہ صلح حدیبیہ میں سہل بن عمر مشرکین کے ایک گروہ کے ساتھ آنحضرتؐ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ ہمارے لڑکوں بھائیوں اور غلاموں کی ایک جماعت آپؐ کے پاس آئی ہے جن کو دین کی کچھ خبر نہیں اور وہ مال نیز کھیتوں کی نگرانی اور حفاظت سے جان چرا کر بھاگے ہیں ان کو ہمیں واپس کر دیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اے لوگو! ایسی باتوں سے باز آ جاؤ ورنہ میں تمہاری طرف ایسے شخص کو بھیج دوں گا جو تمہاری گردنیں اڑا دے گا۔ جس کے دل کے ایمان کا خدا امتحان کر چکا ہے۔ یہ سن کر صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! کیا وہ شخص ابو بکر ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ اُس نے کہا: کیا وہ عمر ہیں؟ فرمایا: نہیں۔ تو اُس نے پوچھا پھر وہ کون ہے؟ حضرتؐ نے فرمایا: وہ ہے جو میری فطین درست کر رہا ہے۔ سب دوڑے یہ

ایک خوفناک وادی میں جناب امیرؑ کا جنات سے جنگ کرنا

شیخ مفیدؒ اور طبریؒ وغیرہم نے روایت کی ہے کہ جب نبی معظمؐ غزوہ بنی مصطلق کے لیے تشریف لے گئے تو ایک خوفناک وادی میں قیام فرمایا۔ جب رات آخر ہوئی تو جبرئیلؑ نازل ہوئے اور بیان کیا کہ اس وادی میں کافر جنات کا ایک گروہ چھپا ہوا ہے اور آپؐ کے اصحاب کے ساتھ شروفساد کا ارادہ رکھتا ہے۔ آنحضورؐ نے امیر المومنینؑ کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ اس وادی میں جا کر خدا کے دشمن جنات کو دفع کریں۔ اُس وقت سے جو خدا نے اُن کے ساتھ مخصوص فرمائی ہے اور سوا فراد کو آپؐ کے ساتھ بھیجا اور اُن سے فرمایا کہ علیؑ کے ساتھ رہو اور وہ جو حکم دیں ان کی اطاعت کرنا۔ غرض جب امیر المومنینؑ روانہ ہوئے اور اس وادی کے نزدیک پہنچے تو اُن سوا آدمیوں سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھہرو جب تک میں نہ کہوں یہاں سے حرکت نہ کرنا اور خود تمہارا اُس وادی کی طرف چلے اور اس کے کنارے پر پہنچ کر خدا سے پناہ طلب کی اور اللہ کے اسمائے اعظم زبان پر جاری کیے۔ پھر اپنے ساتھیوں کو اشارہ سے بلایا اور ایک تیر کی مسافت پر اشارہ سے کھڑے ہونے کے لیے فرمایا اور خود وادی میں داخل ہوئے۔ اچانک ایک آدمی آئی جس سے قریب تھا کہ خوف کے سبب سے وہ سب اشخاص منہ کے بل گر پڑیں اُن کے قدم لرز رہے تھے۔ امیر المومنینؑ نے نعرہ بلند کیا کہ میں علی بن ابی طالبؑ ہوں رسول خدا کا وصی اور اُن کا چچا زاد بھائی۔ اگر چاہتے ہو کہ خدا کی قدرت کا مشاہدہ کرو تو مقابلہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ ساتھ ہی ایک سیاہ قام گروہ ظاہر ہوا زنگیوں کے مانند جن کے ہاتھوں میں آگ کے شعلے تھے اور تمام وادی اُن سے بھر گئی۔ حضرتؐ نے کوئی پروانہ کی۔ آپؐ آیات قرآنی تلاوت فرما رہے تھے اور اپنی تلوار واسنے اور بائیں چلا رہے تھے۔ آخر وہ گروہ کالے دھوئیں کے مانند ہو کر زائل ہونے لگا۔ پھر حضرتؐ نے کبیر کی اور وادی سے اوپر آئے اور اپنے ساتھیوں کے پاس کھڑے ہو گئے۔ اب لوگوں نے کہا: یا علیؑ! آپؐ نے کیا کیا۔

آئے مگر خجالت کے سبب حضرتؑ کے پاس نہ آئے اور امیر المومنینؑ کے پاس آ کر اُن سے ملحق ہو گئے۔ جناب رسولؐ خدا نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ جناب عباسؓ نے کہا: یہ انصار ہیں۔

جنگِ حنین میں فرشتوں کا کفار کو قتل کرنا

حضورؐ نے فرمایا: اس وقت جنگ کی بھی روشنی کیے فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لیے نازل ہوئے اور ہوازن بھاگنے لگے۔ وہ ہر طرف دوڑ رہے تھے۔ لوگ فرشتوں کے ہتھیاروں کی آوازیں ہوا میں سن رہے تھے مگر کسی کو دیکھتے نہ تھے۔ مختصر یہ کہ آنحضرتؐ مسلمانوں پر غالب ہوئے اور اُن کے مال اور زن و فرزند غنیمت میں حاصل ہوئے۔ سورہ توبہ پارہ نمبر ۱۰ آیت ۲۵ بھی اس مدد کے نازل ہونے پر گواہی ہے۔ روایت کے مطابق ۸۰ موقعوں پر مسلمانوں کے لیے آسمان سے مدد نازل ہوئی۔

(مذکورہ بالا تمام روایات کا ماخذ منبع علامہ مجلسی کی ضخیم کتاب حیات القلوب ہے)

○○○

دیکھنے کے لیے کہ وہ کون صاحب ہیں۔ جا کر دیکھا تو وہ علیؑ ابن ابی طالب تھے جو حضرتؐ کی نظین میں پیوند لگا رہے تھے جس کا بند ٹوٹ گیا تھا۔ جامع الاصول کی روایت میں ہے کہ حضرات ابوبکر و عمر نے پوچھا: وہ کون ہے یا رسولؐ اللہ! تو آپؐ نے فرمایا: وہ جو میری نظین سی رہا ہے۔

جنگِ حنین میں خود رسولؐ اللہ اور حضرت عباسؓ کا علیؑ کو پکارنا

جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز صبح سے فارغ ہو کر موار ہوئے۔ وادی حنین میں پستی اور بلندی بہت تھی۔ بنو سلیم حضرتؐ کے لشکر کا مقدمہ تھے۔ غرض لشکر ہوازن نے یکبارگی ہر طرف سے حملہ کیا۔ بنی سلیم بھاگے اور ان کے پیچھے جو لوگ تھے وہ بھی بھاگے سوائے امیر المومنینؑ کے جن کے ہمراہ تھوڑے سے صحابہ بھی تھے۔ بھاگنے والے آنحضرتؐ کے سامنے بھاگ رہے تھے اور مطلق پروانہ کرتے تھے۔ جناب عباسؓ سرورِ دو عالمؐ کے فخر کی لگام دہنی طرف سے پکڑے ہوئے تھے اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب بائیں طرف سے۔ حضرتؐ ندا دے رہے تھے کہ اے گروہ انصار! کہاں بھاگے جا رہے ہو مگر کوئی سنتا نہ تھا نہ واپس آتا تھا اور نسیہ ناریہ کی بٹی بھاگنے والوں کے منہ پر خاک پھیلتی اور کہتی تھی کہ خدا اور رسولؐ سے کیوں بھاگتے ہو۔ یہاں تک کہ عمر نسیہ کے سامنے سے گزرے۔ نسیہ نے کہا: یہ کیا بزدلی ہے۔ وہ بولے خدا کا حکم یہی ہے۔ پھر حضرتؐ اپنے فخر کو دوڑا کر امیر المومنینؑ کے قریب آئے ویکھا کہ تلوار کھینچے ہوئے مصروف جنگ ہیں اور علمؐ آپؐ کے ہاتھ میں ہے۔ جناب عباسؓ چونکہ بلند قامت اور بلند آواز تھے حضرتؐ نے اُن سے فرمایا کہ اس ٹیلے پر چڑھ کر بھاگنے والوں کو بلاؤ۔ یہ سن کر عباسؓ اوپر پر گئے اور بلند آواز سے ندا دی کہ اے اصحاب سورۃ بقرہ اور اے اصحاب بیعت شجرہ کہاں بھاگ گئے ہو رسولؐ خدا یہاں ہیں..... اُدھر انصار نے عباسؓ کی آواز سنی تو واپس آ گئے اور اپنی تلواروں کے نیام توڑ ڈالے اور لبیک کہتے ہوئے حضرتؐ کی طرف

ہم حضرت علیؑ کے جنگی کارناموں اور جہادی خدمات کے بارے میں چند وضاحتی نکات کا اندراج یہاں ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ چند ایسے معلوماتی کوائف بھی درج کر رہے ہیں جن کا ذکر گذشتہ ابواب میں نہیں ہوسکا تاکہ غزوات دسرایا اور حضرت علیؑ کے عہد حکومت اور شہادت تک ہونے والی جنگوں کے حقائق تک حریدہ رسائی حاصل کی جاسکے۔

(۳)

بے بنیاد روایات کا مختصر درایتی جائزہ

پیغمبر اسلام کی اہل مکہ سے ہونے والی پہلی خون ریز جنگ غزوہ بدر تھی۔ ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ خود مسلمان مؤرخوں نے یہ لکھا کہ ابوسفیان ایک بڑا تجارتی قافلہ لے کر شام گیا ہوا تھا۔ اسے خبر ملی کہ مسلمان اس کے قافلے پر حملہ کریں گے اور سامان لوٹ لیں گے۔ اس کی اطلاع اس نے مکہ میں روانہ کر دی جس پر مکہ سے قافلہ کی حفاظت کے لیے فوج روانہ ہوئی۔ چونکہ مدینہ مکہ اور شام کے عین وسط میں واقع تھا۔ ادھر سے مدینہ کی طرف تجارتی قافلہ آ رہا تھا اور ادھر سے ابوجہل کی سرکردگی میں حفاظتی فوج آ رہی تھی۔ پیغمبر اسلام کو یہ اطلاع ہوئی تو آپ اپنے ساتھیوں کو لے کر قافلہ پر حملہ کے ارادہ سے باہر نکلے مگر قافلہ کسی اور راستے سے نکل گیا اور مسلمانوں کا مقابلہ اس فوج سے ہو گیا۔ اس طرح معرکہ بدر پیش آیا۔

اگر جنگ بدر کا یہی سبب تھا تو جنگ کی ذمہ داری رسول اکرمؐ پر عائد ہوتی ہے حالانکہ قرآنی آیت اس روایت کو غلط ثابت کر رہی ہے۔ اگر صورت حال یہی ہوتی تو قرآن بھلا کیونکر کہتا کہ اجازت دی جا رہی ہے ان لوگوں کو جن سے جنگ کی جارہی ہے اور اگر ان حالات میں یہ آیت قرآنی اُترتی تو دنیا کے شرک و کفر پکاراٹھتی کہ یہ کیا خلاف صداقت بات ہے؟ ہمارے قافلہ کو لوٹ کر خود ابتداءً جنگ کر رہے ہو اور اُلٹا کہتے ہو کہ ہم سے جنگ کی جارہی ہے۔

(۱) اور (۲) کے تحت درج کی گئیں احادیث اور روایات بھی اسی سلسلے کی بنیادی کڑیاں تھیں جن کے اسرار و رموز سے استفادہ جہاد علیؑ کے مقام و منزلت کو سمجھنے میں خوب معاون ہوا۔ البتہ اخبار و روایات میں معمولی اور جزوی اختلاف و تفاوت بھی پایا جاتا ہے جس کو دور کرنے کے لیے مستند مؤثق، معتبر اور مشہور و متواتر اخبار اور روایات کو اپنانا چاہیے۔ مثلاً جب خندق میں حضرت علیؑ کے عمرو بن عبدود کو قتل کرنے کے بارے میں متحدہ اور متواتر روایت زبان زد عوام ہے جبکہ حضرت کے عمرو کو کھر و فریب سے قتل کر کے حضور نبی اکرمؐ کو جنگ میں مکر کا جواز بتانے کی روایت بھی موجود ہے۔ اُسے نظر انداز کر دینی اصول و روایت کے مطابق ہے۔

عامہ اور خاصہ کی متفق علیہ روایات کے علاوہ مختلف روایات بھی موجود ہیں ان میں سے ہر ایک کا اطلاق و نفاذ روای کے مسلک و مذہب کے حوالے سے ہوگا۔ البتہ کہیں ذاتی رائے اور خیال آرائی ہو تو اُسے متعلقہ علمائے کرام کا کہنا ہے کہ قرآن کی یہ آیت صرف تعبدی پہلو ہی نہیں رکھتی بلکہ تاریخی حیثیت کی بھی حامل ہے جس کے سامنے نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم محققین بھی سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہیں۔ چنانچہ روایات کی تطبیق بالقرآن نہایت ضروری ہے۔

اگر ہم جنگ بدر کے سامان پر غور کریں تو لشکر اسلام میں تلواریں بھی نہ تھیں اور سوار ہونے کے لیے گھوڑے بھی نہ تھے۔ کوئی صاحب عقل و شعور جس کے پاس یہ ساز و سامان بھی نہ ہو جنگ کا آغاز بھلا کیسے کر سکتا ہے؟

❖ غزوہ بدر کے ہیرو (اسد اللہ الغالب) علی ابن ابی طالب ہیں۔

❖ ہل و جدتم ما وعدکم ہیکم (سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۵۷)

❖ پیغمبر نے سخت ترین کافر افراد کے ارواح کا بعد از موت باخبر ہونا ظاہر فرمایا۔ اس کے بعد کیا تعجب خیز نہیں ہے، مسلمانوں میں سے ایسی جماعت کا نظریہ جو خود رسول خدا یا دیگر اولیاء و مقربین کو بھی پکارنے یا ان سے مخاطب کرنے کو بیکار اور بے معنی سمجھتے ہیں۔ (تاریخ اسلام علامہ سید علی نقی ج ۲ ص ۲۰۹)

❖ جناب ابو طالب کے سب سے بڑے فرزند طالب کو بھی مشرکین زبردستی اپنے ساتھ لے گئے تھے مگر وہ عین معرکہ جنگ سے اس طرح غائب ہوئے کہ نہ قیدیوں میں پائے گئے اور نہ متعطلوں میں اور نہ ہی اپنے گھر مکہ واپس پہنچے گویا اُن کا کچھ پتہ نہ چلا۔ (طبری ج ۲ ص ۲۷۶)

❖ پیغمبر اکرم انصاری کی ہمت افزائی کے لیے خود انصار کے علم کے نیچے تشریف فرما ہوئے۔ (اعلام الوری)

❖ عبدالحق محدث دہلوی کا کہنا ہے جبکہ بدر میں حضور نے عین علم مرتب فرمائے۔ علم برداروں کے قتل اور حضرت علی اور ابو جہانہ انصاری کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ پری دُش نازنیں جو اپنے سریلے رجزوں سے سپاہیوں کے دل اُبھار رہی تھیں وہ بھی بدحواسی کے ساتھ ٹپس اور مطلع صاف ہو گیا۔ (سیرۃ النبی ص ۲۷۶)

❖ جبکہ اُحد کے مختلف دور سامنے آتے ہیں۔ پہلا دور وہ ہوگا جس میں اکثریت کے قدم اٹھ گئے مگر علی ابن ابی طالب کے ساتھ ابو جہانہ انصاری اور حضرت حمزہ اور شاید ڈیڑھ دو سو مجاہدین ابھی مصروف پیکار تھے جس کی قطعی دلیل شہدائے اُحد کی تعداد ہے جو متفق علیہ حیثیت رکھتی ہے یعنی ستر آدمی مسلمانوں میں سے شہید ہوئے۔ اگر یہ مانا جائے کہ پورے اسلامی لشکر نے فرار کیا تو آخر یہ مجاہدین کیونکر

دراصل یہ سب سلاطین بنی اُمیہ کے جذبات کا لحاظ رکھنے والے مؤرخین کے چھوڑے ہوئے شاخصانے ہیں تاکہ لشکر کفر کی طرف سے سب سے پہلے میدان میں اُترنے والے بنی اُمیہ کے ممتاز افراد کی شرک و باطل کی خاطر دی گئی قربانیوں پر پردہ پوشی کی جاسکے اور اُن کے جرم کو امکانی حد تک کم کیا جاسکے۔ چنانچہ طبری وغیرہ نے یہاں تک لکھ دیا کہ (معاویہ بن ابی سفیان کے نانا) عتبہ بن ربیعہ نے توجہ بدر کو ٹالنے کی بہت کوشش کی مگر ابو جہل جنگ پر تلا ہوا تھا اور یہ اس کی شرارت تھی کہ جنگ ہو کر رہی۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ سب مسلمانوں کے تاج و تخت پر ۸۰۷ء میں تک بنی اُمیہ اور پھر اسی قبیلہ کی دوسری شاخ کے افراد کے براجمان رہنے کے سبب ہوا۔ ادھر بنی اُمیہ کے کرو توتوں کو تحفظ دیا گیا اور ادھر بنی ہاشم اور خصوصاً علی و اولاد علی کے کارناموں کو چھپایا گیا، لہذا ہم مسلک کے کھاتے میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ اس کے علاوہ ذاتی اور انفرادی افہام میں ابہام بھی ہو سکتا ہے لہذا قیاس سے قطعاً گریز کرنا چاہیے اور اجماع علماء کو اہمیت دینی چاہیے۔

اسلامی جنگوں خصوصاً جہاد علی کے چیدہ چیدہ معلوماتی وضاحتی نکات

❖ بدر ایک کنویں کا نام تھا جو قبیلہ غفار کے بدر نامی ایک شخص کی ملکیت تھا (اعلام الوری)۔ جبکہ بدر کے اسیروں میں مشرکین کا بہت بڑا خطیب سمیل بن عمر بھی شامل تھا۔ یہ بھی فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا۔ اُسے رہائی دی جانے کے وقت حضرت عمر نے ایک نادر منصوبہ سوچا کہ رسول خدا سے عرض کیا مجھے اتنی اجازت عطا کیجیے کہ میں اس کے نیچے والے دو دانت اکھاڑ لوں۔ رسول خدا نے فرمایا: مثلاً کرنا یعنی کسی حصہ جسم کو جدا کرنا جائز نہیں ہے۔ میں نبی ہوتے ہوئے بھی اگر اس کا کوئی جز قطع کروں تو اللہ میرے بھی اعضاء کو قطع کرے گا۔ اس کے بعد فرمایا: ممکن ہے کہ اس کی قوتِ تقریر کبھی حق کی حمایت میں صرف ہو۔ (طبری ج ۲ ص ۲۸۹)

❖ قیس بن سعد بن عبادہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت علی مرتضیٰ سے سنا خود آپؑ نے فرمایا کہ غزوہٴ اُحد کے دن سولہ زخم مجھ کو لگے جن میں سے چار زخم ایسے تھے کہ ان سے میں زمین پر گر گیا تھا۔ (شاہ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبویہ)

❖ حضرت علیؑ کے کئی دفعہ زمین پر گرنے اور جبرئیلؑ کے اٹھانے کی روایات حیات القلوب علامہ مجلسی میں بھی ہے اور علامہ علی نقیؑ بھی فرماتے ہیں کہ ہزاروں کے لشکر سے تنہا جنگ میں فطری طور پر آپؑ کو خود زخمی بھی ہونا چاہیے تھا۔ (تاریخ اسلام، ص ۲۵۹)

❖ مؤرخین جمہور کا کہنا ہے کہ ابوسفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر کہا: لانا العزى ولا عزى لكم "عزى ہمارا مددگار اور تمہیں عزى نصیب نہیں"۔

حضورؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: جواب دو: اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم "اللہ ہمارا سرپرست ہے اور تمہارا کوئی سرپرست نہیں۔" (شیعہ کتب میں ایسی کوئی روایت نہیں ہے)۔ (بحوالہ طبری، جلد ۳، صفحہ ۲۱)

❖ جبکہ اُحد میں عترتِ نامی یہودی نے حضرت محمدؐ کی حمایت کی اور قتل ہو گیا۔ وہ بعد قتل اپنا مال حضرت محمدؐ کو دینے کی وصیت کر چکا تھا۔ (مطبوعہ طبری)

غزوہٴ بدر الموعود اور حضرت علیؑ کی علم داری

جبکہ اُحد میں مشرکین کی طرف سے یہ اعلان ہوا تھا کہ اب آئندہ سال بدر کے مقام پر ہم سے تم سے پھر مقابلہ ہوگا اس کو رسالتؐ نے بھی منظور فرمایا تھا۔ چنانچہ اس قرارداد کے مطابق بروایتِ یکم ذیقعدہ کو ہجرت سے ۳۵ مہینے کے بعد (المغازی الواقعی، ص ۳۸۴) اور دوسری روایت کے لحاظ سے ماہ شعبان ہی میں (اعلام الوری، رسول خداؐ نے علم لشکر حضرت علیؑ کو دیا (مدارج النبوی، مطبوعہ مکینو، ج ۲، ص ۲۰۸) اور لشکر اسلام

قتل ہوئے۔ ماننا پڑتا ہے کہ ایک معتد بہ تعداد ایسی تھی جو معروف جہادری اور اُن کی دیکھا دیکھی بہت سے لوگ ابھی نتیجہ کے انتظار میں تذبذب کے عالم میں ہوں گے اور یہ وہ دور تھا جس میں براہِ راست پیغمبر خداؐ پر حملے نہیں ہو رہے ہوں گے اور نہ آپؑ کے جسم مبارک کے زخمی ہونے کی نوبت آئی ہوگی۔ اس کے بعد دوسرا دور وہ ہوگا جب جانباز مجاہدین کی شہادت کی وجہ سے رفتہ رفتہ ان کی تعداد تیزی کے ساتھ کم ہوتی گئی ہوگی۔ اس طرح وہ منزل آئی کہ اب پیغمبر کے پاس اتنے سپاہی نہ رہ گئے جن کی وجہ سے آپؑ حلوں سے محفوظ رہ سکیں اس وقت ایک موقع وہ آیا ہوگا کہ جب مردان میدان میں آپؑ کے بالکل قریب ابودجانہ انصاری تھے اور اب اُن کو بجائے دشمنوں سے بڑھ بڑھ کے جنگ کرنے کے یہی صورت جانٹاری کی نظر آئی کہ وہ رسول خداؐ کے سامنے سپرین کر کھڑے ہو جائیں جس کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔ پھر ابودجانہ کی شہادت کے بعد وہ وقت آیا ہوگا کہ جب اُم عمارہ کو اس کی ضرورت پڑی ہوگی کہ وہ پیغمبرؐ کی سپرین کر دشمنوں کا دفعیہ کریں مگر ظاہر ہے کہ ایک خاتون کا بس کثیر التعداد دشمنوں سے کہاں چل سکتا تھا۔ اور میدانِ جہاد میں ایک حضرت علی ابن ابی طالبؑ رہ گئے تھے جن کے کارنامہٴ وقاداری کا ابھی ذکر آئے گا۔ (تاریخ اسلام علامہ علی نقی، ص ۲۳۹)

❖ علمائے شیعہ کسی حصہٴ جسم کی کمی کو خلاف شانِ رسول سمجھتے ہیں اور شیعہ روایت یہ ہے کہ کوئی دانت شکستہ نہیں ہوا تھا بلکہ چہرہٴ مبارک زخمی ہوا تھا۔ (اعلام الوری)

❖ ایک آواز سنی (گئی) کہ غیبی کہنے والا کہہ رہا تھا: لا فتی الا علی لا سیف الا ذو الفقار۔ غالباً نادر علیا مظہر الحجاب کا واقعہ بھی اسی سال اور اسی جنگ میں ہوا ہے۔ مگر کتب احادیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ الیٰ صل آں جناب (حضرت علیؑ) نے مقابلہ اور جنگ اور دلیری اور بہادری کا ایسا حق ادا کیا جس سے بالاتر تصور میں نہیں آسکتا۔ (تاریخ اسلام علامہ علی نقی، ص ۲۵۹)

کے ساتھ نکل کر بدر کے مقام پر ایک ہفتہ قیام فرمایا۔

ادھر سے یوسفیان بھی اہل مکہ کا لشکر لے کر مدینہ سے نکلا۔ غالباً اس کا یہ خیال تھا کہ جنگِ اُحد کی ہولناکی کے بعد اب مسلمان باہر آنے کی ہمت ہی نہیں کریں گے اور ہم مفت میں ایک فتح اور حاصل کر لیں گے مگر جب اسے مجبوروں سے اطلاع ملی کہ پیغمبر اسلام مسلمانوں کی فوج کو ساتھ لیے جنگ کے لیے تیار ہیں تو وہ مقامِ ظہران تک پہنچ کر ارادہ بدل گیا اور فوج کو لے کر واپس چلا گیا۔ (اسے غزوہ بدر الکبریٰ نہ سمجھ لیا جائے وہ جنگِ بدر سے بھی پہلے ہو چکا تھا)۔ (تاریخ اسلام علامہ علی نقی ص ۲۸۱)

سورۃ احزاب میں مسلمانوں کی صورت حال کی عکاسی اور کارنامہ علیؑ

”وہ عالم یاد کرو جب دشمن تمہارے اوپر سے آئے اور تمہارے نیچے کی جانب سے اور تمہاری آنکھیں پھر گئیں اور دل منہ کو آگئے تھے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کی بدگمانیاں کر رہے تھے۔ یہ موقع مسلمانوں کے لیے بڑا آزمائشی تھا اور وہ سخت زلزلہ سے نہ دہلا ہو رہے تھے (آیت ۱۰۹)“

مستند مؤرخین کے بیانات کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنگِ خندق باعتبار اپنی روداد کے صرف ایک فرد یعنی حضرت علیؑ کے کارنامے کا نام ہے۔ حتیٰ کہ اے حمید (ہیرٹرائٹ لا) جس صاحب نے تاریخ اس انداز سے لکھی ہے کہ حضرت علیؑ کا کوئی کارنامہ نمایاں نہ ہونے پائے انہیں بھی ضمیر کے دباؤ سے آپ کا نام تو لینا پڑا ہی ہے۔ (تاریخ اسلام ص ۲۹۳)

عمرو بن عبدود کے خوف سے مسلمانوں کا رسول خدا کو سونے سے جگا دینا

راتوں کو تیر اندازی کے جو معرکے ہوتے تھے ان میں بھی اس (عمرو) کا نام آیا ہے کہ اکثر وہ خندق کے پاس آ کر اپنے حوصلہ نبرد آزمائی کا مظاہرہ کرتا تھا اور خندق کے

بچ میں حائل ہونے کے باوجود جب وہ خندق کے پاس آ جاتا تو مسلمانوں میں حلاطم پڑ جاتا تھا کہ عمرو بن عبدود آ گیا ہے اور اکثر رسول خدا کو سوتے سے جگا دیا جاتا تھا اور آپؐ کو مسلمانوں کی ڈھارس کے لیے بلاوجہ تار میں خندق کے پاس تشریف لانے کی زحمت گوارا کرنا پڑتی تھی۔ (المغازی الواقدی)

معرکہ خندق اکیلے علیؑ کا کارنامہ ہے

تمام مؤرخین نے لکھا ہے کہ جنگِ بدر میں مشرکین قریش کے بڑے بڑے سرداروں کا خاتمہ ہو گیا اور اُحد میں ان کے علم برداروں کا کام تمام ہوا۔ اب مکہ کے مشرکین کے پاس صرف ایک سورا باقی تھا جس سے امیدیں لگائے ہوئے تھے۔ وہ تھا عمرو بن عبدود (عامری) بن ابی قیس جو قریش کی بنی عامر نامی شاخ سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ بدر کے معرکہ میں بھی موجود تھا لیکن اس دن جنگ میں بہت زخمی ہو گیا تھا لہذا اُحد میں بھی شریک نہ ہوسکا۔ اب خندق میں بڑے جوش و خروش کے ساتھ شریک ہوا اور اس نے اپنے سر پر ایک نشان لگا رکھا تھا تاکہ امتیازی شان نمایاں رہے۔ (حضرت علیؑ نے اُسے فی النار السقر کر دیا۔ دیگر بہادر عکرمہ، ضرا، ہبہ، نوفل وغیرہ بھی معرکہ خندق میں اُسی سے وابستہ تھے)۔ (طبری، طبع مصر ۱۹۴۱ء ج ۲ ص ۷۵۲)

اب جس انہ عمرو

جب جنگِ خندق میں حضرت علیؑ نے فرمایا: انا یا رسول اللہ، میں اس (عمرو) سے مقابلہ کروں گا تو رسول خدا دوسرے مسلمانوں کو بھی موقع دینا چاہتے تھے اور پھر آپؐ کو معلوم تھا کہ عمرو بن عبدود کی نسبت ”جہاں دیدہ“ اور ”تجربہ کار“ اصحاب کے کیا تاثرات ہیں اور کیسے کیسے مشاہدات دہرائے جا رہے ہیں جس سے تمام فوج اسلام کے لیے وہ ایک بہت بڑا ”ہوا“ بن گیا تھا۔ ہوسکتا تھا کسی کو یہ تصور ہوتا کہ علیؑ چونکہ کس ہیں یہ عمرو بن

اصول کے مطابق کسی بھاگ نکلنے والے کا بچھا نہیں کیا (اس روایت سے یہ نتیجہ بھی برآمد ہوتا ہے کہ جو علی کسی بھاگنے والے دشمن کا بچھا نہیں کرتا وہ کسی کو مکر اور دھوکے سے قتل کرنے کا کیسے سوچ سکتا ہے۔ مؤلف)۔ (تاریخ اسلام ص ۳۰۸)

ضرار کا حضرت ثانی پر احسان

ضرار بن خطاب جب بھاگ جا رہا تھا تو حضرت ثانی نے اس کا بچھا کیا (پہلے تو ضرار اور شدت سے بھاگتا ہوگا مگر پھر اسے یاد آیا ہوگا کہ علی عام طور پر بھاگنے والوں کا بچھا نہیں کرتے۔ یہ ہونہ ہو کوئی اور ہے۔ بس سوچے ہی ضرار پلٹ پڑا اور ثانی پر نیزہ کے ساتھ حملہ کیا۔ پھر ہاتھ روک لیا اور کہا: اے فلاں! یہ احسان اس وقت تمہارے ساتھ کر رہا ہوں، شکر گزار رہتا اور یہ ایسا احسان ہے جس کا معاوضہ کچھ نہیں ہو سکتا۔ بس اسے یاد رکھنا۔ (تاریخ قمیص، جلد ۱ ص ۳۸۷)

ابوسفیان کا نعرہ فرار

سخت آندھی پر ابوسفیان اپنی سواری کے قریب آیا اور پکارا: النجا النجا یعنی بھاگ کر اپنی جان بچاؤ، جان بچاؤ۔ یہی عیینہ بن حصین نے کہا اور یہی آواز حارث بن عوف کی تھی اور بس اس کے بعد جتنی فوجیں تھیں سب واپس ہو گئیں اور حذیفہ نے ان سب کی اطلاع آ کر پیغمبر اکرمؐ کو دی۔ (ملخصاً اعلام الوری)

صلح حدیبیہ ایمان اور صبر کا امتحان تھی۔ (علامہ سید علی نقی، اعلی اللہ مقامہ)

غزوہ خیبر

سن سات ہجری کے آغاز میں اسلام کی یہ مہم بالشان مہم سر ہوئی جس کے بعد یہودی طاقت جزیرۃ العرب میں بالکل ختم ہو گئی۔

عبدود کی شخصیت سے واقف نہیں ہیں اور انہوں نے جوانی کے الہڑپن میں جیسے بے کجی یہ بات کہہ دی۔ ان تمام حالی تصورات اور امکانی خیالات کے پیش نظر پیغمبرؐ خدا نے بڑے معنی خیز انداز میں فرمایا: احبس انہ عمر (جانتے بھی ہو؟) وہ عمرو ہے۔ (تاریخ اسلام ص ۳۰۰)

جنگ کے لیے علیؑ کو اسلحہ پہنا کر رسولؐ دعا کرتے ہیں

جب رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو اجازت دی تو اپنی تلوار ڈال لیا اور نہیں عطا فرمائی اور اپنی خاص زہ ان کے زینت تن کی اور اپنا عمامہ ان کے سر پر باندھا اور کہا: پروردگار! اس کے خلاف اس کی مدد فرما اور ایک روایت میں ہے کہ حضرتؑ نے اپنا عمامہ آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا: اے خدا! تو نے عبیدہ کو مجھ سے بدر کے دن لے لیا اور حمزہ کو اُحد کے دن۔ اب یہ علیؑ ہے جو میرا بھائی اور میرے چچا کا فرزند ہے تو اب تو مجھے اکیلا نہ چھوڑ اگرچہ تو بہترین ذات ہے جو سب کے بعد باقی رہنے والی ہے۔

رسولؐ خدا کا اس آیت کو پڑھنا کہ لا تذرہنی فرداً وانت خیر الوارثین یہ بتلاتا ہے کہ پیغمبرؐ انھیں مثل اپنی اولاد کے سمجھتے تھے اور یہ بھی کہ آپؐ تہا مدوگار عالم امکان میں اب اس ذات کو جانتے تھے۔ (تاریخ اسلام ص ۳۰۲)

کافر علیؑ کی شکل میں موت دیکھتا ہے

ضرار بن خطاب اور عمیرہ بن وہب نے مل کر حضرت علیؑ پر حملہ کر دیا۔ آپ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے تو ضرار نے غور سے آپ کے چہرے کو دیکھا اور ایک دم فرار کیا۔ بعد میں سبب پوچھا گیا تو اس نے کہا: علیؑ کی صورت دیکھتے ہی یہ محسوس ہوا کہ موت کی شکل مجھے نظر آ رہی ہے۔ دوسرا اس کا ساتھی عمیرہ نکارہا اتنا کہ تلوار اس کے جسم تک پہنچی۔ اب اپنی زہ اتار کر اس نے پھینک دی اور خود بھاگ نکلا۔ حضرت علیؑ نے اپنے

چشم میں جلتا تھے جو ہر جنگ میں پیش پیش رہتے تھے۔ وہ شروع ہی سے اس جنگ میں نہیں آ سکے تھے۔ (مخلصاً تاریخ قمیس، جلد ۲، ص ۲۳)

غزوہ خیبر اور متعصب مؤرخوں کی علی دشمنی

بعض متعصب مؤرخین نے متبادل اور مستند تواریخ کو نظر انداز کر کے بیان واقعات کی خاندہ پڑی کی ہے اور حقیقت کے اظہار سے کترائے ہیں مثلاً ”قلعہ نطاہ پر فوج کشی میں“ پے درپے حملوں سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوا تو اس قلعہ کا کوئی آخری نتیجہ سامنے آئے بغیر سرکار نے حضرت علیؑ کو ایک دوسرے قلعہ یعنی ناعم پر حملہ کے لیے ہدایات دے دیں حالانکہ یہ قلعہ اس پوری یہودی ریاست (ریاست در ریاست) کا محفوظ کرنے والا باب تھا اس لیے اس قلعہ قنوص پر خیبر کا اطلاق ہوتا تھا۔ (مخلصاً تاریخ اسلام علامہ علی نقی، ص ۳۶۵)

علامہ علی نقی کا عطاء علم پر تبصرہ

”کل اسے (علم) دوں گا“ اس کل کے حال میں مستقبل کی امید افزا خوش خبری کے ساتھ ماضی پر تاریخی بھی ہے اور اللہ اور رسولؐ کو دوست رکھنے کے جملہ میں ثبات قدم اور فتح و ظفر کے اس راز کا اظہار بھی ہے کہ یہ باتیں اللہ اور رسولؐ اور دوسرے لفظوں میں اس مشن کے ساتھ جو خدا اور رسولؐ کا نصب العین ہے یعنی دین حق کے ساتھ سچی الفت اور عشق ہی سے پیدا ہوتی ہیں اور جب تک دل کے اندر یہ چیز نہ ہو اس وقت تک کتنے ہی بلند بانگ دعوے کیے جائیں نہ خطرات کے برداشت کی قوت پیدا ہوتی ہے نہ قدموں میں ثبات آتا ہے اور پھر مدد الہی بھی شامل حال نہیں ہوتی۔

اور بندہ کی یہ صفت شوق و جذب کی جب ہوتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ اور رسولؐ اسے دوست رکھتے ہیں اسے عمومی طور پر ایک وصف ذات کی حیثیت سے بھی

بعض تاریخوں میں درج ہے کہ حضرت پیغمبرؐ خدا و سطر معرم میں غزوہ خیبر کے لیے نکلے (جمادی الاول اور ذوالحجہ بھی درج ہے)۔ (تاریخ ابوالفتح، ج ۱، ص ۱۳۷)

خیبر ایک عبرانی لفظ ہے جس کا ماخذ لفظ خبر ہے جو قلعوں کے معنی میں ہے۔ (اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، ج ۱، ص ۱۵۰)

خیبر پر حملہ ایک تادیبی مہم یعنی پولیس ایکشن

مشرکین کا ساتھ دینے والے کوئی اور نہ تھے۔ وہی مدینہ کے باشندہ قبائل تھے جنہوں نے پیغمبرؐ خدا کی حکومت کو سیاسی طور پر تسلیم کیا تھا یعنی انہوں نے اقتدار اسلامی کے زیر سایہ بحیثیت رعایا رہنا تسلیم کیا تھا۔ انہی قبائل میں سے جنہوں نے اس معاہدہ کے بعد مختلف اوقات میں مشرکین کے ساتھ ساز باز کیا، کچھ جلاوطن کیے گئے۔ وہ خیبر گئے اور کچھ بھاگ کر گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کوئی بیرونی جماعت نہ تھی جس سے مقابلہ کو بین الاقوامی موجود اصطلاحات کی رو سے جنگ کے نام سے تعبیر کیا جائے بلکہ یہ اپنے ہی قلمرو حکومت کے اندر کے وہ افراد تھے جو وفاداری کے تقاضوں پر پورے نہیں اترے اور انہوں نے مخالف جماعتوں کے ساتھ ساز باز کیا اور اب ان کی نوبت یہ پہنچی کہ انہوں نے کئی قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا کر ان سے خفیہ معاہدہ کیا کہ اگر وہ مدینہ فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہمیشہ کے لیے خیبر کی نصف پیداوار اپنے حلیفوں کو دیا کریں گے۔

تو اب ان کے خلاف جو ”مہم“ وقوع میں آئے اسے ”تادیبی مہم“ کی حیثیت حاصل ہوگی جسے موجودہ زمانہ میں ”پولیس ایکشن“ کہتے ہیں۔ (تاریخ اسلام علامہ علی نقی، ص ۳۶۲-۳۶۳)

خیبر میں نبیؐ و علیؑ دونوں علیل تھے

اس جنگ میں حضور نبی کریمؐ کو دور و حقیقت کی تکلیف تھی اور حضرت علیؑ شدید آشوب

اسلامی جنگوں کا معیار

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: پہلے پُر امن طریقہ پر جا کر ان کی حدود میں ٹھہرو پھر انہیں دعوتِ اسلام دو اور انہیں بتاؤ کہ ان پر اللہ کی طرف سے کیا فریضہ عائد ہے۔ بخدا تمہارے ذریعہ سے کسی ایک کی ہدایت ہو جائے یہ ہر قیمتی شے سے تمہارے لئے زیادہ قیمت رکھنے والی چیز ہے۔ (زاوالمعاذ نصف اول ص ۳۸۴)

اس سے اسلامی فتح کا معیار ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں نصب العین کسی ملک پر قبضہ کرنا نہیں ہے بلکہ خلقِ خدا کو پُر امن طریقہ پر راہِ راست کی طرف دعوت دینا ہے۔ اگر وہ خود خوئریزی پر آمادہ نہ ہو جایا کریں تو جنگ کا سوال ہی نہیں جنگ تو اس لیے ہوئی کہ انہوں نے دعوتِ اصلاح کا مقابلہ ہتھیاروں سے کرنا چاہا تو مجبوراً ان کے دفعیہ کے لیے ہتھیار ہاتھ میں اٹھائے گئے۔ (تاریخ اسلام علامہ علی نقی ص ۳۷۹-۳۸۰)

حضرت علیؓ کی پیش قدمی کا انداز

علامہ طبری نے لکھا ہے کہ علم پانے کے بعد حضرت علیؓ دوڑتے ہوئے میدان کی طرف روانہ ہوئے۔ (اعلام الوریٰ)۔ اس دوڑنے کی سی کیفیت کا بیان سیرت ہشام (جلد ۲ ص ۱۸۷ طبع معمر) اور تاریخ خمیس (ج ۲ ص ۲۹ طبع معمر) وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

جابر کا بیان ہے کہ آپؐ اپنے جلدی روانہ ہو گئے کہ ہمیں ہتھیار لگانا مشکل ہو گئے اور سعد بن ابی وقاصؓ نے پکار کر کہا:

اے ابوالحسن! ذرا ٹھہریے کہ اور لوگ پہنچ جائیں۔ ایک جگہ جابر کا بیان یہ ملتا ہے کہ لوگ کہہ رہے تھے: یا علیؓ! رحم کیجیے یعنی اتنی جلدی نہ کیجیے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۸۷)

دیکھا جاسکتا ہے اور عین اس موقع کی خصوصیت سے بھی جس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ اس سے پہلے جن کے سپرد یہ عہداری کا منصب ہوا وہ مخلوق کی پسند تھی اور خالق اور اُس کے رسول کی پسند کے مطابق نہ تھا۔ اس کے رسول کی مرضی کے بغیر اپنی پسند سے کام لے کر یہ ذک اٹھالی تو اب آئندہ تو کبھی اس سے زیادہ وسیع دائرہ میں خدا اور رسول کی مرضی کو نظر انداز کر کے خود رائی سے کام نہ لینا چاہیے۔ (تاریخ اسلام ص ۳۷۰)

خیبر میں حصولِ علم کے لیے ہر شخص خود کو نمایاں کرتا ہے

”مہاجرین و انصار سب اپنی گردنیں لمبی کر کر کے نگراں ہوئے۔ اس کے بعد کوئی بھی شخص جس کا پیغمبرؐ خدا کے یہاں کوئی مقام ہو سکتا تھا ایسا نہ تھا جو یہ امید رکھتا ہو کہ دی آج علم دار ہوگا۔ (تاریخ ابوالفتح جلد ۱ ص ۱۳۰)

صبح خیبر کا منظر

صبح ہوئی تو رسولؐ اللہ کے پاس تمام لوگ جمع ہوئے۔ سعد بن ابی وقاصؓ کا بیان ہے کہ میں بالکل آپؐ کی آنکھوں کے سامنے بیٹھا پھر گھٹنے کے بل اُونچا ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر سیدھا کھڑا ہو گیا اس امید میں کہ حضرت مجھے بلا لیں مگر آپؐ نے فرمایا کہ علیؓ کو میرے پاس لاؤ۔ یہ سننا تھا کہ سب لوگ چاروں طرف سے پیچھے لگے کہ ہمیں تو آشوبِ چشم ہے (اور وہ بھی) ایسا کہ اپنے پاؤں تلے کی زمین نہیں دیکھ سکتے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو بھی ہو کسی کو ان کے پاس بھیجو اور انہیں بلاؤ۔ (اعلام الوریٰ)

رسولؐ خود علیؓ کو اسلحہ جنگ سے آراستہ کرتے ہیں

مؤرخ دیار بکری نے لکھا ہے کہ علیؓ شفا یاب ہو گئے (حضورؐ کے لعابِ دہن سے) تو رسولؐ نے اپنی فولادی زرہ ان کے زیب تن فرمائی اور ذوالفقار ان کی کمر میں لگائی اور پھر علم عطا فرمایا۔ (تاریخ خمیس ج ۲ ص ۴۹)

کے پاؤں پر لگائی۔ علامہ علی نقی کے مطابق: معلوم ہوتا ہے کہ ممدوح نے یہ مقام کسی ماخذ کو سامنے رکھ کر تحریر نہیں کیا بلکہ بس اپنے ذہن یا یاد پر اعتماد کر کے لکھ دیا ہے۔۔۔۔۔ اسے خطائے بزرگاں میں محسوب کرنا چاہیے۔

حضرت علیؑ کی حیرت انگیز طاقت کے مظاہرے اور فتح خیبر

مؤرخین نے بلا تفریق فرقہ درج کیا ہے کہ ایک یہودی کی ضرب سے حضرت کی سر چھوٹ کر گر گئی۔ یہودی اسے لے کر بھاگ گیا۔ آپؐ نے غضبناک ہو کر ایک قلعہ کے آہنی دروازے کو اکھاڑ کر ہاتھ میں بطور سپر لے لیا اور جنگ میں مصروف ہو گئے۔ (مدارج النبوی، ج ۲، ص ۳۲)

دوسری روایت کے مطابق اختتام جنگ تک دروازہ ہاتھ میں لیے رہے اور مکمل فتح حاصل ہونے کے بعد اس دروازہ کو ہاتھ سے پھینکا۔ پھر آٹھ آدمیوں نے مل کر اسے پلٹنے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوئے۔ (ابن ہشام، جلد ۲، ص ۱۸۷ وغیرہ)

علامہ طبری کے سہو پر اعتراض کرنے والے علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ نے نہ جانے حیات القلوب علامہ مجلسیؑ کی ان روایات کا ذکر تاریخ اسلام میں کیوں نہیں کیا جن کے مطابق ۴۰ افراد (اور بروایت ستر افراد) نے دروازہ اٹھایا تو نہ اٹھا سکے اور جب پھینکا تو چالیس گز دُور جا گرا۔ شاید انہوں نے محض متفق علیہ روایات ہی کو درج کرنا بہتر جانا ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ اسلام صفحہ ۳۲۸۔

تاریخ یعقوبی ابن واضح کا تب عباسی مطبوعہ نجف ج ۲، ص ۴۶ پر ہے: ”یہ دروازہ پتھر کا تھا جو چار گز لمبا اور دو گز چوڑا تھا اور ایک گز بلندی پر نصب تھا۔ آپؐ نے اسے اکھاڑ کر پس پشت پھینک دیا اور قلعہ میں داخل ہو گئے۔“

علامہ علی نقی تاریخ اسلام (ص ۳۸۴) پر رقمطراز ہیں: ”اب ابن خلدون کے طریقہ تحلیل و تجزیہ سے کوئی منقولات سے ہٹ کر خالص عقلی اصول پر روایات سے نتیجہ

جناب امیرؑ نے اپنا نیزہ زمین میں گاڑ دیا

ممکن ہے یہ اشارہ ہو اس بات کا کہ آج میدان میں آنے والا بغیر قلعہ فتح کیے واپس جانے والا نہیں ہے۔ ان تیوروں ہی سے قلعہ والوں میں ہلچل مچ گئی۔ (تاریخ اسلام علامہ علی نقی، ص ۳۸)

حارث و عسکر کے بعد مرحب سے مقابلہ

حارث مرحب کا چھوٹا بھائی تھا۔ یہود نے اُسے ہی مقابلے کے لیے کافی سمجھا۔ پھر جب حارث اور ایک نامی پہلوان عسکر کام آگئے تو مجبوراً مرحب لعین مقابلے میں اُترا۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رقم طراز ہیں:

”مرحب نے سبقت کر کے چاہا کہ حضرت علیؑ کے سر پر تلوار لگائے مگر جناب امیرؑ نے سبقت کر کے ذوالفقار اس غدار ملعون کے سر پر ایسی ماری کہ اس کے خود اور دستا و حلق تک اور ایک روایت کے مطابق اس کی رانوں تک اور ایک روایت کے مطابق اس کے گھوڑے کی زین تک پہنچ گئی اور دو ٹکڑے کر دیئے۔ (مدارج النبوی، مطبوعہ نولکشور، ج ۲، ص ۳۲۵)

ضرب حیدری کی گونج

حضرت علیؑ نے اس کے سر پر تلوار لگائی یہاں تک کہ تلوار کا پتی ہوئی اس کے دانتوں تک پہنچی اور اہل لشکر نے اس ضرب کی آواز کو سنا۔ دیار بکری نے معاملہ التوریل کے حوالے سے لکھا ہے:

”مرحب نے چاہا کہ حضرت علیؑ پر ضرب لگائے مگر آپؑ نے سبقت کر کے اپنی تلوار ذوالفقار اس کے سر پر بلند کی۔ مرحب نے مہر سے روکا تو تلوار سپر پر پڑی اور اسے کاٹ دیا اور پتھر کو کاٹا اور خود کو اور دو عماموں کو اور اس کے سر کو شگافہ کیا، یہاں تک کہ تلوار اس کے دانتوں میں پہنچ گئی۔ مگر افسوس کہ علامہ طبری نے یہ لکھا کہ حضرتؑ نے تلوار اُس

یہی قرآن پاک کی آیت مجیدہ سے مستفاد ہے نیز مفسر رازی اور صاحب سیرۃ
النبویہ ابن ہشام نے بھی لکھا ہے۔ البتہ علمائے تشیع کی متفقہ روایت سے استفادہ ہوا کہ
بے شک بات یہی تھی اور فذک مال لے تھا جو بغیر لڑائی کے حاصل کیا گیا مگر آپؐ نے
فذک کی طرف پیش قدمی کا ارادہ ضرور فرمایا تھا اور اس کے لیے ایک علم بھی مرتب فرمایا
تھا۔ (اعلام الوریٰ، ص ۱۰۸-۱۰۹، طبع ایران)

علامہ طوسی تحریر فرماتے ہیں: ”جب رسول اللہ خیر کی مہم سے فارغ ہوئے آپؐ
نے ایک علم مرتب فرمایا۔ پھر کہا کون اٹھتا ہے کہ اسے اپنے استحقاق کی بنا پر ہاتھ میں لے
اور آپ کا مقصد یہ تھا کہ وہ اسے فذک کے علاقہ کی طرف روانہ فرمائیں۔ بعض علم لینے
کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا: تم ہٹ جاؤ۔ پھر سجدہ کھڑے ہوئے آپؐ نے
انہیں بھی بتا دیا، پھر خود فرمایا کہ علی تم کھڑے ہو اور اسے لو۔ چنانچہ انہوں نے لیا۔ حضورؐ
نے انہیں فذک کی طرف روانہ فرما دیا تو آپؐ نے ان سب سے صلح کی شرط پر کہ انہیں
جان کی امان دی جائے گی، چھوڑ دیا۔ اس طرح فذک کے علاقوں کی جائیداد خاص رسول
اللہ کی ہوئی۔ اس پر جبرئیل نازل ہوئے اور کہا کہ خدائے تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ آپ ذی
القرنیٰ کو اس کا حق دے دیجیے۔ حضورؐ نے فرمایا: اے جبرئیل! ذی القرنیٰ کون ہیں اور ان
کا حق کیا ہے؟ کہا: فاطمہ!

حاصل مطالعہ اور محققہ فکر یہ ہے کہ اگر فذک میں لڑائی ہوتی تو اس کے علم بردار اور
فاتح بھی حضرت علیؑ ہی ہوتے۔

(تمام روایت و درایت کا ماخذ منبع تاریخ اسلام ہے)

○○○

نکلنے کی کوشش کرے تو بھی اسے اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ کوئی ایسا غیر معمولی مظاہرہ
جرات و ہمت اور شجاعت کا اس میدان خیر میں حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ سے وقوع میں
آیا تھا جس کی وجہ سے اس قسم کی روایتیں زبان زدِ خلایق ہو گئیں ورنہ آخر خود حضرت علیؑ
کے لیے خیر کی مہم کے علاوہ کسی اور معرکہ میں اس طرح کی باتیں کیوں رادویوں کی زبان
پر نہیں آئیں اور حضرت علیؑ کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے آخر کبھی بھی اس طرح کی
چیزیں کیوں کسی بھی رادوی نے جو ان کا عقیدت مند بھی ہو کیوں بیان نہیں کیں؟ پھر یہ کہ
تاریخیں نہ دیا لم کے زیر اثر تحریر ہوئیں نہ فاطمی سلاطین مصر کے زیر سایہ نہ مغوی یا قاجاری
شاہان ایران کے دور کی پیداوار ہیں بلکہ تاریخیں آخر زمانہ بنی امیہ سے لے کر بنی عباس
کے عہد کی ہیں یا بنی امیہ کے بعد والے مغربی قلمرو مملکت میں تحریر ہوئیں۔ جہاں شیعہ اثرات
کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل حقیقت اتنا وزن رکھتی تھی کہ
اسے ماحول اور سرزمین کا کوئی دباؤ مغلوب نہ کر سکا۔ (تاریخ اسلام، ص ۳۸۳-۳۸۵)

علیؑ فتح فذک میں علم بردار

گذشتہ ابواب میں جہاں ہم نے چھوٹے موٹے غیر اہم غزوات و سرایا کا ذکر
درج نہیں کیا (ہمارے خصوصی موضوع کے متعلق مواد میسر نہ تھا) وہاں فتح فذک کو اس لیے
چھوڑ دیا کہ اسے اللہ نے پیغمبر اکرمؐ کو سن ۷ ہجری میں برائے صلح بطور نئے عطا فرمایا تھا
اور اس پر کوئی جگہ نہ ہوئی تھی اس لیے یہ پیغمبر اکرمؐ کا خالص حق تھا۔ زہری نے لکھا ہے
کہ خیر کے (یعنی السیف) یہود نے قلعہ بند ہو کر رسول اللہؐ خدا سے جان کی امان چاہی اور شہر
چھوڑ دینے کا وعدہ کیا اور پیغمبرؐ نے ان کی درخواست منظور کر لی۔ فذک والوں کو یہ خبر ملی تو
انہوں نے بھی یہی درخواست پیش کی جسے حضورؐ نے قبول کر لیا۔ اس لیے فذک
سرکارِ دو عالمؐ کی خالص ملکیت قرار پایا کیونکہ اس پر فوج کشی نہ ہوئی تھی۔ (شرح ابن ابی
عمیر، ج ۳، ص ۷۸، طبع مصر)

اور احساس پیدا ہوا کہ حکومت و قیادت کسی ایسے شخص کے ہاتھوں میں ہونی چاہیے جو عوامی فلاح اور اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے۔ چنانچہ خواص و عوام کی نظریں حضرت علیؑ پر پڑیں۔ شاید حضرت عثمانؓ طبعی موت مرتے تو خلافت نے سقیفہ و شورعی کے بدولت جو رخ اختیار کیا تھا اس کو مد نظر رکھتے ہوئے خلافت کا اپنے اصل و حقیقی مرکز کی طرف پلٹنا ممکن نہ ہوتا۔

رسول کریمؐ کی رحلت کے بعد امیر المومنین نے ایک طویل عرصہ بے غرضی اور بے نفسی کے ساتھ گزارا اور ایسی اعتدال پسندی اور اصول پرستی کا مظاہرہ کیا کہ جو دلوں کو متاثر کیے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ موجود انتشار اور بد امنی کے حالات میں امن و سلامتی کے قیام کی واحد ضمانت حضرت علیؑ نظر آئے۔ چنانچہ مہاجرین اور انصار کے نمایاں افراد مسجد نبویؐ میں جمع ہوئے اور با اتفاق رائے فیصلہ کیا کہ حضرت علیؑ سے خلافت کی درخواست کی جائے۔ اس کے بعد ایک وفد جس میں طلحہ و زبیر بھی شامل تھے حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور زبام حکومت سنبھالنے کی گزارش کی مگر آپؑ نے فرمایا:

”میں تمہارے معاملات میں دخل ہونا نہیں چاہتا جسے چاہو اپنا امیر منتخب کر لو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔“ (میرت امیر المومنین، مفتی جعفر حسین، ص ۳۹۴)

لوگوں نے کہا: ”ہم آپ سے زیادہ کسی کو خلافت کا حق دار نہیں سمجھتے اور نہ سابقہ خدمات کے لحاظ سے آپ سے کوئی مقدم ہے اور نہ کوئی رسول اللہؐ سے قریب میں آپ سے قریب تر ہے۔“ (تاریخ کامل، ج ۳، ص ۹۸)

آپؑ نے پھر بھی انکار کیا مگر لوگ اصرار کر کے آپؑ کو آمادہ کرتے رہے اور جب دیکھا کہ حضرتؑ کی طرح اس (ظاہری) خلافت کو قبول کرنے پر تیار نہیں تو گڑگڑا کر کہنے لگے:

”ہم آپ کو اللہ کا واسطہ دیتے ہیں آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس عالم میں ہیں کیا آپ اسلام کی حالت اور فتنوں کو ابھرتے ہوئے دیکھ نہیں رہے؟ کیا آپ اللہ سے بھی نہیں ڈرتے؟“ (تاریخ کامل، ج ۳، ص ۹۹)

(۴)

بیعت امیر المومنین، تخریب کاریاں، سازشیں اور فتنے

حضرت عثمانؓ نے ۷۰ برس کی عمر میں یکم محرم ۲۳ ہجری کو حکومت سنبھالی۔ ان کا عہد حکومت اموں کے لیے تو خوشگوار تھا مگر عام مسلمان اس میں محرومیوں کا شکار ہو گئے۔ عوام تختیوں میں جکڑ دیئے گئے۔ بزرگ صحابہ پر مظالم توڑے گئے مثلاً عبداللہ ابن مسعودؓ کی پسلیاں توڑی گئیں، عمار ابن یاسرؓ کو زہر کوکب کیا گیا، ابوذر غفاریؓ جلاوطن کر دیئے گئے۔ خود سرعمال کے جبر و استبداد اور ظلم و استیصال نے رعایا کو کچل کر رکھ دیا۔ اس طرز عمل پر آوازیں بلند ہوئیں، عوام کے جذبات بھڑک اٹھے اور غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ اصحاب شورعیؓ میں حضرت علیؑ علیہ السلام تو ان سے شاکہ کی تھے ہی، طلحہ و زبیر بھی علانیہ ان کے خلاف ہو گئے اور عبدالرحمن ابن عوف جو سیرت شیخین کو زینہ بنا کر انہیں خلافت کے مہم بلند پر لے گئے تھے اس حد تک بگڑے کہ ہمیشہ اپنے کئے پر پچھتاتے رہے اور آخر حیات میں حضرت عثمانؓ سے بات چیت کے روادار نہ ہوئے۔ چنانچہ ابن عبد ربہ رقم طراز ہیں:

”عبدالرحمنؓ کی بیماری کی حالت میں حضرت عثمانؓ ان کی عیادت کے لیے آئے تو عبدالرحمنؓ نے انہیں دیکھ کر اپنا ہنہ و یوار کی طرف کر لیا۔“ (عقد الفرید، ج ۳، ص ۷۹)

آخر ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو اس تمام ناراضگی کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ اپنے گھر کے اندر قتل کر دیئے گئے۔

مسلمان غلط قیادت کو آزما چکے اور شدید نتائج بھگت چکے تو ان کی آنکھیں کھلیں

تحقیقی و وضاحتی نکات

جنگ جمل

جمل تاریخ اسلام کی وہ ہلاکت خیز جنگ ہے جو امیر المومنینؑ کے عہد حکومت کے اوائل میں خونِ عثمان کے نام پر لڑی گئی۔ اس جنگ کے نتائج و عواقب اور تفریقِ بین المسلمین کی ذمہ داری بڑی حد تک حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر پر عائد ہوتی ہے۔ خونِ عثمان کا قصاص لینے کے لیے اٹھ کھڑے ہونے والے یہ لوگ اُن کی زندگی میں اُن کے سخت مخالف تھے اور لوگوں کو اُن کے خلاف بھڑکاتے تھے۔ حضرت عائشہ رسول اللہ کے صلین اور پیرائین مبارک کو حضرت عثمان کے سامنے رکھ کر برملا کہا کرتی تھیں کہ ابھی یہ چیزیں کہہ بھی نہیں ہونے پائیں کہ تم نے رسول خدا کے دین اور اُن کے سنن و احکام کو ہرے سے بدل کر رکھ دیا ہے۔

اس دور میں حضرت عائشہ نے حضور کے جسمِ مطہر سے مس ہونے والے آثار دکھا دکھا کر لوگوں کو بھڑکایا اور انہوں نے قصرِ خلافت کے گرد گھیرا ڈال لیا تو مروان بن عبد الرحمن ابن عتاب اور زید بن ثابت کے روکنے کے باوجود حضرت عثمان کو محاصرہ میں چھوڑ کر مکہ روانہ ہو گئیں اور دورانِ سفر بھی لوگوں کو براہِ جہت کرتی رہیں۔ تاریخ طبریؒ تاریخ یعقوبیؒ اور دیگر تواریخ ان باتوں سے بھری پڑی ہیں۔

امیرِ حج کے طور پر مکہ جاتے ہوئے ابن عباس سے کہا: تمہیں اللہ کا واسطہ دیتی ہوں کہ تم لوگوں کو اس (عثمان) کی مدد سے روکو اور لوگوں کو شک و شبہ میں ڈالو۔ (طبریؒ ج ۳ ص ۴۳۳)

حضرت عثمان اور حضرت عائشہ کے درمیان نفرت کی خلیج حائل تھی اور انہوں نے وہ وظیفہ جو انہیں حضرت عمر دیا کرتے تھے کم کر دیا تھا۔ (یعقوبیؒ ج ۲ ص ۱۳۲)

جب جنابِ امیرؑ نے دیکھا کہ اصرارِ حد سے بڑھ گیا ہے اور حالات لاکھ نامساعد نہی مگر اتمامِ حجت کے بعد ادائے فرض سے پہلو جی نہیں کی جاسکتی تو آپؑ نے فرمایا: ”مجھے منظور ہے مگر اس بات کو جان لو کہ یہ منگوری اس صورت میں ہے کہ میں تمہیں اس راہ پر چلاؤں جسے میں بہتر سمجھوں۔“

چنانچہ ۲۵ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو عمومی بیعت کا اہتمام کیا گیا۔ آپؑ بیت الشرف سے مسجد نبویؐ پہنچے اور منبرِ رسولؐ پر جائے رسولؐ پر تشریف فرما ہوئے بیعت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے طلحہ و زبیر نے بیعت کی اور پھر دوسرے لوگوں نے۔

گویا وہی رسولؐ نے خلافت کو زینت بخشی اور صحیح اسلامی طرزِ جہان بینی قائم کیا جس میں اعمال کا معیارِ تقررِ قابلِ رشک تھا اور اعمال کا محاسبہ قابلِ وید۔ محکمہ قضا موثر ہوا، بنیادی انسانی حقوق کو تحفظ ملا، معاشی نظام مضبوط ہوا۔ بیت المال نظامِ زکوٰۃ نظامِ جزیہ کا رو بروی طبقہ کی نگرانی، یتیموں، یتیموں اور ناداروں پر شفقت، غلاموں، قیدیوں اور ذمیوں سے خشن سلوک وغیرہ سبھی کچھ مثالی تھا مگر عہدِ عثمانی میں پھرے اڑانے والوں کو یہ سب پسند نہ آیا اور انہوں نے تحریکی کارروائیاں شروع کر دیں سازشوں کے جال بچھائیے گئے اور قتلوں پر فتنے اٹھنے لگے۔ بیعت کرنے والے خود مکرنے لگے، یہی ناکشیں (بیعت توڑنے والوں) نے اپنا اقتدار قائم کرنے کے لیے جنگِ جمل کا باعث بنے۔ ادھر حضرت عثمان کے عزیز اور اُن کے نوازے ہوئے حاکمِ شام معاویہ ابن ابوسفیان نے سقوطِ شام کا سوچا اور شام کو اپنی شہنشاہی میں بدلنا چاہا۔ ان قاسطین (ظالموں اور سرکشوں) نے جنگِ صلین کی ہولناکی لاکھڑی کی اور پھر ساتھ رہنے والوں میں سے مارقیین (منافقین) نے نہروان کا سامان کیا۔ اس موضوع پر مختلف عناوین کے تحت چند تحقیقات اور وضاحتیں حسب ذیل ہیں:

دالا ہے۔ اگر رسول اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہوتی تو میں آپ کے ہمراہ جاتی جس طرح عائشہؓ، طلحہ و زبیر کے ساتھ نکل کھڑی ہوئی ہیں۔ (انساب الاشراف ج ۶ ص ۴۳۰)

حضرت علیؓ کا زبیر پر اتمام حجت: اے زبیر! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نے رسول خدا کو یہ کہتے نہیں سنا: ”تم مجھ سے جنگ کرو گے اور میرے حق میں ظالم ہو گے۔“ (تاریخ اسلام ذہبی ج ۲ ص ۱۵۱)

طلحہ پر حجت تمام کرتے ہوئے فرمایا: ”اے طلحہ! تم رسول اللہ کی بیوی کو جنگ و قتال کے لیے لے آئے ہو اور اپنی بیوی کو گھر کے اندر پردہ میں چھوڑ آئے ہو۔“ (طبری ج ۳ ص ۵۲۰)

حضرت علیؓ نے فرمایا: خدا کی قسم! طلحہ و زبیر اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں حق پر ہوں اور وہ باطل پر ہیں۔ (استیعاب ج ۲ ص ۲۱۴)

جنگ صفین

وہ جنگ جمل تھی کہ نبوت کا تھا انکار
میں پوچھتا رہتا ہوں مسلمانوں سے اکثر
صفین کے میدان میں نکل ہوئی کن کی
معلوم کیا میں نے یہ انجانوں سے اکثر

امیر شام نے حضرت علیؓ کے قاصد سے کہا: ”تم علی کو لکھو کہ وہ شام کا علاقہ میرے نام کر دیں پھر میں بیعت کر لوں گا۔“ (تاریخ اسلام ذہبی ج ۲ ص ۱۶۸)

جب عمرو عاص نے اپنے دو بیٹوں عبد اللہ اور محمد سے معاویہ کے بلانے اور محاذ جنگ پر جانے یا نہ جانے کے سلسلے میں مشورہ کیا تو دونوں کے مثبت اور منفی دو مختلف جواب سن کر کہا:

”اے عبد اللہ تم نے وہ بات کہی جو میرے لیے آخرت کے لحاظ سے بہتر ہے اور

اصحاب نبیؐ میں طلحہ سے بڑھ کر حضرت عثمان سے سخت کیر کوئی نہ تھا۔ (انساب الاشراف ج ۶ ص ۱۱۳)

حضرت عثمان نے کہا: خدایا مجھے طلحہ ابن عبد اللہ کے شر سے بچائے رکھ اسی نے لوگوں کو میرے خلاف بھڑکایا ہے اور میرے گرد گھیراؤ ڈلوایا ہے۔ (طبری ج ۳ ص ۴۱۱)

زبیر جن کے گھر میں حضرت عائشہؓ کی ہمشیرہ اساتھیں محاصرہ کے دنوں میں لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنے گئے: عثمان کو قتل کرو اس نے تمہارا دین ہی بدل ڈالا ہے۔ (شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۴۰۴)

جب طلحہ ابن عبد اللہ مارے گئے تو ان کے ترکہ میں پوری پوری کھال کے بنے ہوئے تین سو تھیلے ملے جن میں سونا اور پچاندہ بھری ہوئی تھی۔ (عقد الفرید ص ۱۵۴)

زبیر بن عوام بھی اپنے دوز میں امیر الامراء اور عظیم سرمایہ دار تھے چنانچہ ذہبی نے تحریر کیا ہے: ان کے ہاں ایک ہزار غلام تھے جو انہیں خراج ادا کرتے تھے۔ (تاریخ اسلام ج ۲ ص ۱۵۴)

ان کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو گیارہ گیارہ لاکھ ملا جو آٹھویں حصہ کی ایک چوتھائی تھا۔ (عقد الفرید ج ۳ ص ۱۰۴)

چنانچہ حضرت عثمان کا ہوا خواہ گردہ ان دونوں کو قتل عثمان کے سلسلہ میں نمایاں کردار ادا کرنے کی وجہ سے مسند خلافت پر نہ دیکھ سکتا تھا۔ جب ام المومنین حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کی بیعت ہو گئی ہے تو بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا:

”اگر علیؓ کی بیعت ہو گئی ہے تو کاش یہ آسمان زمین پر پھٹ جائے اب مجھے مکہ واپس جانے دو۔“ (تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۰۵)

جبکہ جنگ جمل پر جاتے ہوئے ایک اور زوجہ رسول ام المومنین حضرت ام سلمہ نے اپنے فرزند عمر ابن ابی سلمہ کو حضرت کی خدمت میں پیش کیا اور کہا:

”میں اسے آپ کے سپرد کرتی ہوں یہ مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے یہ تمام معرکوں میں آپ کے ہم رکاب رہے گا یہاں تک کہ خداوند عالم وہ فیصلہ کرے جو وہ کرنے

ترجمہ اشعار علی:

”خدا اس اہلسنی جماعت کو جزائے خیر دے جو روشن چہروں والے اور ہاشم کے گرد و پیش لڑتے ہوئے مارے گئے ہیں۔ اس جماعت میں بریدہ عبداللہ اور مالک کے دونوں بیٹے عروہ اور مہد شامل ہیں۔ یہ وہ تھے جن کا شمار شرفائے عرب میں ہوتا تھا۔“

قبیلہ ربیعہ و ہمدان کے جوان مروخون کے سیلاب بہاتے صفوں کو روندتے اور لاشوں کو کچلتے آگے بڑھتے رہے۔ امیر المومنینؑ نے اُن کی پیش قدمی کو سراہتے ہوئے فرمایا: ”انھیں آگے بڑھائے لیے جا رہے تھے سعید ابن قیس جو معزز اور قومی وقار کے پاسبان ہیں اور شریف انسان عزت و آبرو کی حفاظت کیا ہی کرتا ہے۔“

امیر المومنینؑ نے جب قرآن کے سایہ میں مکروفریب کے جال بچتے دیکھتے تو فرمایا: ”اے خدا کے بندو! تم حق و صداقت کی جس روش پر چل رہے ہو اس پر چلتے رہو اور اپنے دشمن سے جنگ جاری رکھو۔ معاویہ ہو یا عمرو ابن ابی معیط ہو یا حبیب ابن مسلمہ ابن ابی سرح ہو یا ضحاک یہ لوگ نہ دین والے ہیں اور نہ قرآن پر عمل کرنے والے۔ میں تم لوگوں سے زیادہ ان لوگوں کو جانتا پہچانتا ہوں۔ بچپن اور جوانی دونوں میں میرا ان کا ساتھ رہ چکا ہے۔ یہ بچپن میں بھی بُرے اور جوانی میں بھی بُرے تھے۔ خدا کی قسم! انھوں نے قرآن مکروفریب کی بنا پر اپنی کمزوری پر پردہ ڈالنے کے لیے اٹھایا ہے۔“ (تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۶۱)

عمرو ابن عاص نے اپنی دنیا طلبی اور امارتِ مصر کے حصول کا واضحکاف اعتراف کرتے ہوئے امیر شام سے کہا:

”خدا کی قسم! اگرچہ ہم تمہارے ساتھ ہو کر خونِ عثمان کے قصاص کے سلسلہ میں جنگ کر رہے ہیں مگر دل کے انکار جو ہے سو ہے۔ جب کہ تم اس شخص سے برسرِ پیکار ہو

جس سے میرا دین بھی سلامت رہتا ہے اور اے محمد! تم نے وہ بات کہی ہے جو میرے لیے دنیوی اعتبار سے بہتر ہے اور عقبی کے اعتبار سے تباہ کن۔“ (اخبار الطوال ص ۱۴۱)

عمرو نے معاویہ سے کہا: ”کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ مصر کے بدلے عمرو کو خرید لو۔“ (اخبار الطوال ص ۱۵۸)

جب معاویہ ابن ابی سفیان اور عمرو عاص نے شام میں موجود حضرت عبادہ بن صامت کو اپنا ہم خیال بنانا چاہا تو انہوں نے کہا: غزوہ جہوک میں رسول خداؐ نے تم دونوں کو ایک ساتھ چلتے اور باتیں کرتے دیکھا تو فرمایا تھا:

”جب ان دونوں کو یکجا بیٹھے دیکھو تو انہیں جدا جدا کر دو۔ اس لیے کہ یہ دونوں کبھی بھلائی کے کام کے لیے جمع نہیں ہوں گے۔“ (عقد القرین ج ۳ ص ۱۱۷)

جنگِ صفین میں حضرت علیؑ کے ہمراہ اتنی بدر کے مجاہدین اور دوسو پچاس بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والے صحابہ تھے۔ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۴)

جب حضرت علیؑ کے لشکر پر پانی بند کر دیا گیا اور حضرت علیؑ نے حصہ ابن صوحان کے ہاتھ معاویہ کو پیغام بھیجا تو اُس نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا تو عبداللہ بن ابی سرح نے کہا:

رات تک ان پر پانی بند رہنے دو۔ جب یہ پانی حاصل کرنے میں ناکام ہو جائیں گے تو واپس چلے جائیں گے اور یہ پلٹنا ان کی شکست و ہزیمت ہوگا۔ ان پر پانی بند کر دو۔ خدا انہیں قیامت کے دن پیا سا رکھے۔ (تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۴۵)

حضرت علیؑ نے حبیب ابن مسلمہ فہری کی بکواس کے جواب میں فرمایا: ”تو سواروں اور پیادوں کو لشکرِ جبار کو لے کر بھی مجھ پر ٹوٹ پڑے تو میں تیری حقیقت کو کچھ نہیں سمجھتا۔“

جب حضرت علیؑ کے ایک بہادر ہاشم کے ہمراہ قبیلہ اہلسنم کے حفاظ کی ایک جماعت بھی شہید ہو گئی تو آپ شہداء کے لاشوں پر آئے اور دو شعر پڑھے:

لیلۃ الہریہ

جنگ کے میدان میں بنی ہمدان و بنی ربیعہ کے جوان مردوں کے حملے تمام تر قوتوں کے ساتھ جاری تھے۔ یمنہ اور میسرہ عبداللہ اور مالک اشتر کے قبضہ میں تھا کہ دن سینٹے لگا اور وہ بلاخیز رات نمودار ہوئی جو تاریخ میں لیلۃ الہریہ کے نام سے مشہور ہے۔ امیر المومنینؑ کے باطل شکن نعروں سے ایک طرف تو ہمت و شجاعت کی لہریں دوڑ رہی تھیں اور دوسری طرف مخالفین کے دل دہل رہے تھے۔ جنگ کا یہ حال تھا کہ نیزوں کی آئیاں ٹوٹ چکی تھیں اور تیر اندازوں کے ترکش خالی ہو چکے تھے۔ صرف تلواروں کے سروں پر پڑنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں اور کشتوں کے پٹختے لگ رہے تھے۔ یہاں تک کہ صبح ہوتے ہوئے مقتولین کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ گئی۔ شامیوں پر شکست کے آثار ظاہر ہو چکے تھے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے ہی والے تھے کہ عمرو عاص کی تجویز پر معاویہ کی طرف سے اچانک پانچ سو قرآن نیزوں پر بلند کر دیئے گئے اور جنگ کا سارا نقشہ بدل گیا۔ خون برساتی ہوئی تلواریں ختم گئیں، فریب کاری و مکاری کامیاب ہو گئی اور باطل کے اقتدار کا راستہ ہموار ہو گیا (باب چہارم میں اس رات کا سرسری ذکر ہوا ہے چنانچہ یہاں تفسیر اسلام سے استفادہ کیا گیا ہے)۔

یہ جنگ یکم صفر ۳۷ھ سے شروع ہو کر ۱۰ صفر ۳۷ھ تک ختم ہو گئی البتہ میدانِ صفین میں فوجوں کا قیام ۱۱۰ دن رہا اور نوے معرکے پیش آئے۔ امیر المومنینؑ کے لشکر سے ۲۵ ہزار افراد شریک ہوئے جن میں اسی اصحاب بدر اور تریشہ بیعت رضوان میں شریک ہونے والے صحابہ بھی شامل ہیں۔ معاویہ کے لشکر سے ۴۵ ہزار آدمی مارے گئے جن میں سے ۹۰۰ آدمی صرف حضرت علیؑ کی تلوار سے قتل ہوئے۔

جس کی سبقت، فضیلت اور رسول اللہ سے قرابت کا تمہیں علم ہے لیکن ہم تو فقط اس دنیا کے ورپے ہیں۔ (تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۴۱)

قرآن مجید میں قانون قصاص کے بارے میں ارشاد ہے:
”جو شخص مظلوم قتل کر دیا جائے ہم نے بے شک اس کے ولی کو حق قصاص دیا ہے مگر قتل میں مقررہ حدود سے تجاوز نہ کرے۔“

معاویہ حضرت عثمان کے ابن عم تھے مگر ان (حضرت عثمان) کے بیٹوں کے ہوتے ہوئے وہ کسی قاعدہ و قانون سے ان کے ولی نہ تھے۔ یہ مطالبہ قصاص صرف انکار بیعت کا ایک بہانہ تھا تاکہ اس طرح حضرت پر دباؤ ڈال کر امارتِ شام کی دستاویز حاصل کر لیں۔ (سیرت امیر المومنینؑ، مفتی جعفر حسین، ص ۶۰۵)

مسعودی نے تحریر کیا ہے: وہ (اہل شام) معاویہ کے یہاں تک مطیع و فرمانبردار تھے کہ انہوں نے صفین کی طرف جاتے ہوئے بدھ کے دن نماز جمعہ پڑھا دی۔ (مروج الذهب ج ۲ ص ۷۲)

امیر المومنینؑ کے لشکر میں ایسے افراد بھی شامل تھے جو کسی مصلحت یا قبائلی دباؤ کے زیر اثر شریک جنگ تو ہو گئے مگر نہ ان کے خیالات میں ہم آہنگی تھی اور نہ اطاعت و انقیاد کا جذبہ اور پھر اوصاف ابن قیس اور خالد بن معمر جیسے لوگ معاویہ کے ہاتھ بکے ہوئے تھے انہیں قرآن کی آڑ میں شورش انگیزی کا موقع مل گیا۔ (سیرت امیر المومنینؑ، ص ۶۰۸)

تعب ہے کہ حضرت علیؑ اور عمار یاسر کے قاتلوں کو مجتہدِ حنفی تجویز کر کے انہیں مستحقِ اجر و ثواب قرار دیا جاتا ہے اور حضرت عثمان کے قاتلین و محاصرین کو ابن حزم اور ان کے ہم مسلک افراد صحابیت کی تمام قدروں کو نظر انداز کر کے باغی، ظالم، فاسق، کاذب، ملعون وغیرہ کے لفظوں سے یاد کرتے ہیں اور ان کے لیے خطائے اجتہادی کا ادنیٰ احتمال بھی گوارا نہیں کیا جاتا حالانکہ ان میں افاضل صحابہ اکابر مجتہدین اور صلحائے اُمت شامل تھے۔

میراؤں تو میں ایسا کرنے سے گریز نہیں کروں گا۔ پروردگار! اگر تو دوست رکھے تو میں اپنا شکم نوک سناں پر رکھوں اور زور دوں حتیٰ کہ وہ میری پشت سے نکل جائے۔ خدایا! جہاں تک مجھے علم ہے آج ان منافقوں کے ساتھ جنگ سے بڑھ کر کوئی عمل تیری رضا کا باعث نہیں۔ یہ مناجات پڑھ کر مصروف جنگ ہوئے۔ حتیٰ کہ اٹھارہ شامیوں کو واصل جہنم کیا۔ آخر کار ابن جوہر لمحون نے آپ کے سینہ مبارک پر ایک برچھی ماری۔ آپ یہ ضرب کھا کر لوٹے اور پانی طلب کیا۔ کچھ پانی ملایا ہوا دودھ لایا گیا۔ عمار نے دیکھ کر کہا: اللہ اکبر! صدق رسول اللہ۔ رسول خدا نے سچ فرمایا کہ عمارؓ تمہارا آخری رزق دودھ ہوگا۔ عمارؓ نے دودھ پیا لیکن وہ زخم کے راستے خارج ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد روح قفسِ عمری سے پرواز کر گئی۔

حضرت عمارؓ کے بارے میں رسول خدا کے دو اہم فرمان ہیں جن سے حضرت علیؓ کی حقانیت اور امیر شام اور اس کے ساتھیوں کا باطل ہونا ثابت ہے۔

① حق عمارؓ کے ساتھ گردش کرتا ہے جس طرف کہ وہ گردش کرے۔

② روایت ہے کہ رسول خدا نے عمارؓ کی شہادت کی خبر دی اور فرمایا: اے عمار! عنقریب تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔

یہ بھی منقول ہے کہ جب مدینہ میں مسجد نبوی تعمیر ہو رہی تھی تو سارے صحابہ ایک ایک پتھر اٹھا کر لا رہے تھے لیکن عمارؓ دودھ پتھر اٹھا کر لا رہے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ابوقحطان اس قدر مشقت کیوں اٹھا رہے ہو؟

عمار نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں دوست رکھتا ہوں کہ اس مسجد میں نیکو کاروں سے زیادہ کام کروں تاکہ زیادہ ثواب کا مستحق قرار پاؤں۔

آنحضرتؐ نے کمال شفقت سے عمار کی پشت پر ہاتھ بھیرا اور گرد جھاڑتے ہوئے فرمایا: ”عمار اہل جنت میں سے ہے اور ایک باغی گروہ اسے قتل کرے گا۔ عمار ان کو جنت کی طرف دعوت دے گا اور وہ دوزخ کی طرف بلائیں گے۔“

جنگ صفین کے دو ہیرو

عمار یاسرؓ

اخبار الطوال سے ماخوذ باب چہارم میں جنگ صفین کے ہیرو حضرت عمار بن یاسر کی شہادت کو مطرح نہیں کیا گیا اور یہی معاملہ اس جنگ کے دوسرے ہیرو حضرت اویس قرنی کا ہے جن کا تذکرہ بھی یہاں شامل کیا جا رہا ہے۔

جب حضرت عمارؓ کے شہادت نوش کرنے کا دن آیا تو عین اس وقت کہ جب جنگ کا شور گرم تھا، عمار امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میدان کارزار میں جانے کی اجازت طلب کی۔ حضرتؓ نے ذرا تامل کیا تو عمارؓ نے دوبارہ درخواست کی۔ حضرتؓ نے فرمایا: توقف کرو۔ عمارؓ نے عرض کیا: یہی وہ روز ہے جس کی میرے حبیب محمد مصطفیٰؐ نے خبر دی ہے اور وعدہ شہادت فرمایا ہے۔ اجازت دیں تاکہ میں آپؐ کی نصرت میں جان قربان کروں۔ یہ سن کر حضرت علیؓ آبدیدہ ہو گئے اور گھوڑے سے اتر کر عمارؓ کو سینے سے لگا لیا۔ نیز فرمایا:

”اے ابوقحطان! خدائے تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے تم بہتر دوست اور برادر تھے۔“

عمارؓ نے کہا: میں نے آنحضرتؐ سے حنین کے روز سنا کہ آپؐ نے فرمایا: ”میرے بعد فتنے اور فساد برپا ہوں گے، اے عمار! تم اس وقت علیؓ کے ساتھ رہنا کیونکہ علیؓ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؓ کے ساتھ ہے۔“

اس کے بعد عمار الوداع ہوئے اور میدان میں آئے تو اپنا سر آسمان کی طرف بلند کر کے کہا: ”خدایا! تو خوب جانتا ہے کہ میں ہر حال میں تیرا مطیع اور فرمانبردار ہوں۔ اگر مجھے علم ہو کہ تیری رضا اس میں ہے کہ چلتے دریا میں غرق ہو جاؤں یا جلتی آگ میں گر کر

تھے کہ آواز آئی:

”میں گواہی دیتا ہوں کہ سوا اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے
اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور علی مومنوں کے امیر اور تمام مخلوق پر
حجت خدا ہیں۔“

○○○

حضرت عمار یا سر کی شہادت کے بعد لشکرِ شام میں اس حدیث کا چرچا ہوا تو قریب
تھا کہ شورش برپا ہو جائے۔ چنانچہ عمرو عاص معاویہ کے پاس آیا اور کہا: لکھا الامیر! عمار
کے قتل نے لوگوں میں اضطراب پیدا کر دیا ہے۔ معاویہ نے کہا: عمار کو ہم نے تو قتل نہیں کیا
اس کا اصل قاتل وہ ہے جو اسے یہاں لے کر آیا ہے۔ وہ اسے یہاں لے کر نہ آتا تو یہ
شہید نہ ہوتا۔ جب امام دوسرے اس تاویل کو سنا تو فرمایا: بنابرین حضرت حمزہ کے قاتل
رسول خدا تھے کیونکہ وہ انہیں جنگِ احد میں لے گئے تھے۔

حضرت اولیس قرنیؓ

اولیس قرنی بھی فوج معاویہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ حبیب السمر میں ہے کہ
اولیس فرات کے کنارے وضو فرما رہے تھے کہ امیر المومنینؓ کے لشکر کے طبل کی آواز سنائی
دی۔ کسی نے بتایا کہ شاہِ ولایت معاویہ کے ساتھ جنگ کے لیے جا رہے ہیں۔ اولیسؓ
اٹھے اور کہا: کوئی عبادت اتباعِ علیؓ سے افضل نہیں ہے۔ چنانچہ بارگاہِ امامت میں حاضر
ہو کر ہم رکاب ہوئے۔

مروی ہے کہ یروذ جنگِ اولیس ربیعہ قبیلہ کے پیادوں میں شامل تھے ان کے پاس
دو تلواریں اور چند نیزے تھے نیز سگریزوں کا ایک توبرہ تھا۔ اولیس حضرت علیؓ کے پاس
آئے الوداع کہا اور مصروفِ رزم ہو گئے لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش فرمایا تو حضرت علیؓ
نے خود ان کا جنازہ پڑھا اور دفن فرمایا۔

فرات کی گواہی، علی مومنوں کے امیر ہیں

بحار الانوار میں ہے کہ جب امیر المومنینؓ جنگِ صفین سے فارغ ہوئے تو دریائے
فرات کے کنارے پہنچے اور فرمایا: اے واوی (فرات) گواہی دے کہ میں کون ہوں؟
دریائے فرات میں ایک عظیم تلام پیدا ہوا اور اس کی موجیں شگفتہ ہوئیں۔ لوگ دیکھ رہے

”اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان تفرقہ کا اندیشہ ہو تو ایک تالٹ مرد کے کنبہ میں سے اور ایک تالٹ عورت کے کنبہ میں سے مقرر کرو تو کیا اللہ کے نزدیک اُمت کے اختلاف و افتراق کی اہمیت میاں بیوی کے تفرقہ سے بھی کم ہے؟ (میرت امیر المومنین، ص ۶۱۵)

خوارج کی مزید گہرائی

خوارج نے اپنے نعرہ کا استخراج آیت قرآنی ان الحکم الا للہ سے کیا ہے جو ابتداء میں صرف حکیم کی مخالفت میں بلند ہوا اور پھر اس آیت کے ظاہر پر نظر کرتے ہوئے ان لوگوں نے یہ نظریہ قائم کر لیا کہ حکومت بھی اللہ کے لیے ہے اور بیعت بھی اللہ کے لیے اس کے علاوہ کوئی حاکم و فرمانروا نہیں ہو سکتا اور اس طرح یہ نعرہ ایک جدید نظریہ حکومت کی بنیاد پا گیا۔ حکومت الہیہ کے معنی ابطال امارت کے نہیں ہیں بلکہ حکومت الہیہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے احکام کا نفاذ الہی نمائندوں کے ذریعہ ہو اور ان نمائندوں کے مقابلہ میں کسی کو رائے زنی اور قیاس آرائی کا حق حاصل نہ ہو۔ (میرت امیر المومنین، ص ۶۲۱)

خوارج کے محارب، شامیوں کے جارحانہ حملے، بصرہ میں ارطاة کی تباہ کاریاں وغیرہ کے ایسے عناصر کوئی الحال زیر بحث نہیں لایا جا رہا کیونکہ طوالت کا خدشہ ہے۔

شہادت سے متعلق

امام حسنؑ نے چاہا کہ مسجد تک آپ کے ساتھ جائیں مگر آپؑ نے منع فرما دیا۔ فرزند ان رسول محراب مسجد میں مٹی اٹھا کر فرق مبارک پر ڈالتے اور اس آیت کی تلاوت فرماتے جاتے تھے:

(ترجمہ) ”ہم نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور زمین کی طرف پلٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ نکالیں گے۔“

نہروان

خوارج کی کج فکری کے علاج کی کوشش

امیر المومنین نے خوارج کی نافرمانی اور سرکشی کے باوجود ان پر کسی قسم کی سختی نہ کی کیونکہ آپ انسانی افتادِ طبیعت کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ایک باغی و سرکش جماعت کی کج فکری و کج چینی میں سختی اور تشدد سے اضافہ تو ہو سکتا ہے مگر اس کی جہنی و فکری اصلاح نہیں ہو سکتی۔

البتہ جب نرمی و ملاطفت سے کام نہ نکلے اور سرکش جماعت کی کج چینی امن عامہ میں خلل کا باعث بننے لگے تو پھر سختی اور تشدد کا جواز پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے انہیں افہام و تفہیم اور دلیل و برہان کے طریقہ سے خود ان کے ہاں جا کر راہِ راست پر لانے کا فیصلہ فرمایا۔ نیز اپنے جانے سے پہلے ابن عباس کو ان کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ تم وہاں میرا انتظار کرنا اور میرے آنے سے پہلے ان سے اختلافی موضوع پر کوئی بات چیت نہ کرنا۔ (ممکن ہے کہ خوارج ان کے جواب سے مطمئن نہ ہوں اور ان کے طرز گفتگو سے بھڑک اٹھیں)۔ (ملخصاً میرت امیر المومنین، ص ۶۱۴)

حکیم کو مان کر کفر کیسا؟

حضرتؑ نے فرمایا کہ میں حکیم کو مان کر کافر کیسے ہو گیا جبکہ خداوندِ عالم نے حکم قرار دینے کی اجازت دی ہے چنانچہ زن و مرد کے اختلاف کے باب میں ارشاد ہے:

(۵)

بعض محققین کے مطابق علیؑ نے ۸۷ غزوات میں اسلام کی تاریخ رقم کی اور توحید و رسالت کے پیغام یعنی اسلام کی بھرپور امداد کی۔ اس امداد کا وعدہ علیؑ دعوت ذوالعشرہ پر ہی فرما چکے تھے۔ جب رسولؐ اسلام نے مدد مانگی تھی تو علیؑ نے اپنی کمزور پنڈلیوں کے دور (یعنی بچپن) میں کہا تھا: میں آپؐ کی مدد کروں گا۔ رسولؐ اللہ کو اگرچہ اللہ پر کامل بھروسہ تھا مگر امداد اپنے عشیرہ سے طلب کی۔ صرف علیؑ نے آواز رسولؐ پر لبیک کہا۔ یوں حقیقی اسلام کی تاریخ میں یا علیؑ مدد کے نعرے کو فروغ ملا اور نام علیؑ اسلام کی حفاظت و استقامت کا خاص نام قرار پایا۔

حضرت علیؑ نے سب سے پہلے چھوٹے چھوٹے پتھروں اور کھجور کی ٹھلیوں سے رسولؐ اسلام کا تحفظ کیا۔ مذکور کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت داؤدؑ بھی تلوار سے نہیں گوبھن سے لڑتے تھے اور اسی گوبھن سے پوری پوری جنگیں لڑی ہیں۔ یعنی غلیل میں پتھر کا ڈھیلا رکھا اور کھینچ کے مارا۔ علیؑ کا نشانہ بچپن میں بھی کبھی خطا نہیں ہوا۔ مکہ کے کافروں کے بچے رسولؐ خدا کو پتھر مارتے تو علیؑ جوابی حملہ کر کے رسولؐ خدا کا تحفظ کرتے۔ اگر کفار کے بچے بھاگتے تو پتھر مارتے اور اگر گرفت میں آجاتے تو دودھ کو پکڑ کر ٹکرا دیتے۔

بدر سے حنین تک دس سال بنے ہیں۔ حضرت علیؑ نے ان دس سالوں میں دین کو بچانے کے لیے ۸۷ لڑائیاں لڑیں۔ بدر سے حنین تک علیؑ ۲۳ برس سے ۳۲ برس کے ہو گئے۔ پھر پچیس سال تک مسلسل جنگ نہیں کی اور ۵۹ سے ۶۳ برس کی عمر میں پھر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے کہا کہ پہلے لوگوں میں شقی ترین مرد کون ہے؟ کہا: اُونٹنی کو پے کرنے والا۔ فرمایا: بعد والوں میں زیادہ سخی کون ہے؟ کہا: اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: وہ تمہارا قاتل ہے۔ ناقہ صالح حضرت صالحؑ کا معجزہ تھا اور علیؑ ابن ابی طالبؑ پیغمبر اسلامؐ کا معجزہ تھے۔

● قبر کے مخفی رکھنے کی مصلحت یہ تھی کہ خوارج اور اموی حکمران اس وحشیانہ طرز عمل کا اعادہ نہ کر سکیں جس کا مظاہرہ اُحد میں شہداء کے اعضاء و جوارح کاٹنے کی صورت میں ہو چکا تھا۔

● امام صادق علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو قبر مطہر کے محل وقوع سے مطلع کیا۔ (سیرت امیر المومنین، ص ۶۸۵)

● ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ ابو الغنائم محمد ابن علیؑ کہا کرتے تھے: کوفہ میں تین سو صحابہ نے وفات پائی مگر امیر المومنین کی قبر کے علاوہ کسی کی قبر کا پتہ نہیں ہے اور حضرت کی قبر وہی ہے جس کی لوگ اب زیارت کرتے ہیں۔ (شرح ابن ابی الحدید ج ۲، ص ۴۵)

○○○

تھے۔

جنگ بدر میں عتبہ بھی اونٹ پر سوار ہو کر آیا تھا۔ وہ اونٹ سے اترتا تو جلال میں آ کر ابو جہل کی گھوڑی کے چاروں پاؤں بھی ایک وار میں کاٹ دیے کہ آج پیدل لڑنے کا موقع ہے۔ عتبہ کے مقابل صحرہ اور اس کے بیٹے ولید کے مقابل کے مقابل علی اترے۔ ولید نے جس ہاتھ سے خیر خدا پر حملہ کیا تھا آپؐ نے جوابی حملہ کر کے اسی ہاتھ گو کاٹا جو فضا میں اچھلتا ہوا خود حضرتؐ پر آ کر اس زور سے گرا کہ فرمایا مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ مجھ پر پہاڑ آگرا ہے۔ دراصل جس طاقت سے علیؑ نے وار کیا تھا یہ اسی کار عمل تھا نہ کہ ولید کے ہاتھ کی طاقت۔

مقتول کی بہن نے کہا کہ میں بھائی کو نہیں روؤں گی کیونکہ جس نے میرے بھائی کو قتل کیے وہ لیلۃ البلد تھا یعنی علیؑ کو مقتول کی بہن عرب کا چاند کہہ کر پکارتی ہے کیونکہ علیؑ با اصول اور شریف النفس جنگ جو تھے۔

علیؑ یقیناً وہ واحد انسان ہیں کہ جنہوں نے بے انتہا تلوار چلائی مگر اس طرز انصاف سے کہ آج تک کوئی دشمن بھی یہ دعویٰ نہ کر سکا کہ علیؑ ظالم ہے۔ محض جمل ہی کو لیجئے۔ ۳۵ ہزار سجدہ گزاروں اور قرآن کے حافظوں کو قتل کر کے تلوار نیام میں ڈالی۔ علیؑ نے اگرچہ حافظوں، قاریوں اور صحابیوں کو قتل فرمایا تو بجائے عتاب کے مسلمانوں نے علیؑ کے چہرے میں کرامت دیکھی اور کہتے علی کرم اللہ وجہہ۔ کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی علیؑ نے ظلم کے خلاف تلوار کھینچی تو اپنے آپ کو بچانے کے لیے نہیں بلکہ کلمہ پڑھنے والوں کو بچانے کے لیے۔ علیؑ اس اصول سے لڑے کہ اتنی جنگیں لڑ کر بھی امن کے پیامبر کہلائے۔

اسلام کے میدان جنگ کو بنانے اور نبیانے والے علیؑ تھے اور علیؑ ہی اس کے مورخ بھی تھے۔

علیؑ کے ہر وار پر اللہ فخر و مہابت کرتا ہے جبرئیلؑ نے رسول اکرمؐ سے کہا۔

تین لڑائیاں لڑیں؛ دین کو دکھانے اور حق کو ظاہر کرنے کے لیے۔ صفین مسلسل ایک سال جاری رہی اور صرف لیلۃ الہریر ہی میں ۷ لڑائیاں ہوئیں۔

کچھ محققین نے لکھا ہے کہ ہریر کتے کے بھونکنے کو کہتے ہیں خصوصاً جب سردی کے خوف سے کتے مل کر بھونکتے ہیں گویا لیلۃ الہریر میں کتے بھونک رہے تھے۔ اس رات حضرت علیؑ نے دونوں ہاتھوں سے تلوار چلائی اور اس طرح لڑے کہ جب حملہ کرتے تو دشمن کا لشکر خیر خدا کے خوف سے کتوں کی طرح بھونکتا تھا۔

علیؑ نے کبھی کسی پر پہلے حملہ نہیں کیا کیونکہ پہلے حملہ کرنے والا جارح ہوتا ہے اور اسی پہل پر حق اور باطل کی پہچان ہوتی ہے۔ یعنی باطل ہمیشہ جنگ میں پہل کرتا ہے اور حق باطل سے دفاع کے لیے اُس کا منہ توڑ جواب دیتا ہے۔

جس نے سب سے پہلے کفار کے مقابلے کے لیے تلوار اٹھائی وہ علیؑ تھے۔ (متفق علیہ)

علیؑ نے ہر قسم کا جہاد کیا۔ جہاد بالسیف بھی کیا، جہاد بالمال بھی کیا، جہاد بالنفس بھی کیا، جہاد بالعلم بھی کیا، جہاد باللسان بھی کیا۔ غرض کہ کوئی جہاد فی سبیل اللہ ایسا نہیں جو علیؑ ولی نے نہ کیا ہو۔

علیؑ مولانا نے جہاں اصول جنگ سکھائے وہاں انداز جنگ بھی بتائے۔ آپؐ کے تین قسم کے وار بہت مشہور ہیں: طول کا وار، عرض کا وار اور سیفی کا وار یعنی طول میں دو برابر حصے کر دیتے تھے دشمن کے یا پھر پسلیوں سے کاٹنے کہ دشمن کا اُدپر کا حصہ زمین پر آگرے اور دھڑ بچھا حصہ زمین پر رہ جائے اور لطف یہ کہ دونوں حصے برابر ہوتے۔ عرض کے اس وار کو قد کا وار بھی کہتے تھے اور تیسرا سیفی کا وار جو پسلیوں پر ترچھا پڑتا۔

حضرت علیؑ کی ماں اسد کی بیٹی تھیں اور ایک بہادر خاندان سے تھیں؛ اسی لیے تو مرحب سے کہا تھا کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ گویا علیؑ الشیخ الطرفین بھی

جنگ خندق میں جب علی علیہ السلام نے دشمن کا سر رسول معظم کے پاؤں میں لا کر پھینکا تو حضور نے علی کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ ادھر دو بزرگ دوڑتے ہوئے آئے اور علی کے بوسے لینے لگے۔

○○○

فقرہ ریڑھ کی ہڈی کے ایک مہرے کو کہتے ہیں جس کی جمع فقار ہے۔ چنانچہ پوری ریڑھ کی ہڈی کو فقار کہتے ہیں ریڑھ کی ہڈی کے بغیر جس طرح انسان چل پھر نہیں سکتا اُسی طرح ذوالفقار کے بغیر اسلام چل نہیں سکتا تھا لیکن ذوالفقار کو حیدر کزار اٹھا سکتے ہیں یا پھر ان کے معصوم چشم و چراغ۔ اگر فقرہ بمعنی جملہ لیا جائے تو لہار حملات ہوئے اور ذوالفقار فقرہوں کی تکرار کرنے والی ہے یعنی نہ رکنے والے۔ ذوالفقار دو زبانوں والی تھی مراد یہ ہے دونوں طرف سے برابر کاٹ کرتی تھی اور منہ کھولے دشمنانِ خدا و رسول کو ٹگنے کے لیے بے چین رہتی تھی۔ ذوالفقار کو خداوند جبار نے متر معجزے عطا کر رکھے تھے اور جو جو معجزہ عصائے موسیٰ کے لیے تھا وہ ذوالفقار علی کے لیے بھی تھا۔ ذوالفقار میدان میں کھتی بھی تھی بڑھتی بھی تھی۔ سات گز تک اس کا وار پڑتا تھا۔ ذوالفقار باتیں بھی کرتی تھیں۔ دشمنانِ علی کو جن جن کرماتی تھی اور جن کی ساتویں پشت سے بھی کسی مومن نے پیدا ہونا تھا انہیں چھوڑتی چلی جاتی تھی۔ جب ایک درخت سے کاٹے گئے عصائے موسیٰ میں کئی معجزے ہو سکتے ہیں تو آسمان سے اترنے والی ذوالفقار میں یہ معجزے بھلا کیوں کر نہیں ہو سکتے؟

علی کی تلوار سے جبریل کے تین پدے کٹ جانے پر معترض ہونے والوں کے جواب میں کہ ایک معصوم کی تلوار سے دوسرے معصوم کے پدے کیسے کٹ گئے؟ خطیب اعظم مولانا سید حسن لکھنوی اپنے لطیف اندازِ خطابت میں فرمایا کرتے تھے: پدے کٹے پر نہیں کٹے۔ مثال کے طور پر فرماتے: حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کے گلے پر چھری پھیری نشان پڑا مگر گلا نہ کٹا بلکہ مینڈھا قربان ہوا پڑا تھا۔

بعض محققین کے مطابق جنگ خندق میں علیؑ گھوڑے پر سوار اس لیے نہ ہوئے کہ عبدود اپنے گھوڑے کے پاؤں کاٹے گا تو یہ عمل دیکھ کر میرے گھوڑے کا دل نہ پیسے۔ علیؑ تو رہوار کو بھی تکلیف نہ دیکھنا چاہتے تھے۔